گناہوں کے نقصانات
اور اُن کا علاج

امام ابن قیم جوزیؒ کی مشہور عربی تصنیف
"الداء والدواء" کا سلیس اردو ترجمہ

تالیف
امام ابن قیم جوزیؒ

مترجم
لجنۃ المصنفین

﴿ تقریظ ﴾

شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی دامت برکاتہم العالیہ

مہتمم جامعہ دار العلوم الاسلامیہ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

امابعد!

زیرِ نظر کتاب "الداء والدواء" (گناہوں کے نقصانات اور ان کا علاج) علامہ ابن القیم الجوزیؒ کی تصوف و سلوک کے موضوع پر مفید ترین کتاب ہے۔ آج کل امت مسلمہ جس اخلاقی پستی کا شکار ہے، اس کے سبب ضرورت اس امر کی ہے کہ اس جیسی کتابوں کو زیادہ سے زیادہ امت کے ہاتھوں میں پہنچایا جائے۔

یہ کتاب عربی زبان میں تھی۔ ادارہ اشرف التحقیق کی مجلس المصنفین کے اراکین مولوی محمد انس مصیوی، خالد محمود اور مولوی عبد العظیم سلّمہم نے اس کا اردو ترجمہ کر کے اسے اردو قارئین کے لئے ممکن الاستفادہ بنادیا۔ فجزاہم اللہ خیراً

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے عوام و خواص کے لئے مفید و نافع بنائیں اور شرف قبولیت عطا فرما کر ہم سب کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائیں۔ آمین ثم آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

مشرف علی تھانوی

دار العلوم الاسلامیہ لاہور

۴/۹/۱۴۲۳ھ

بہرحال آپ کو پسند ضرور آئے گی۔

تحدیث بالنعمت کے طور پر یہ بھی عرض ہے کہ اس کتاب کے پایہ تکمیل تک پہنچنے کے بعد اس کی طباعت کے مراحل کے دوران ہی الحمدللہ لجنۃ المصنفین نے آٹھ مزید کتابوں کا ترجمہ بھی مکمل کرلیا ہے۔ جن میں علامات یوم القیامۃ (قیامت کی نشانیاں) از علامہ ابن کثیر، تعلیق [illegible] (اولاد کی تربیت قرآن وسنت کی روشنی میں) از شیخ خلیل احمد جمعہ اور النساء المبشرات بالجنۃ از شیخ منصور عبدالحکیم بطور نمونہ قابل ذکر ہیں۔

قارئین کرام سے بھی گزارش ہے کہ دینی خدمت میں مشغول تمام افراد کو، بالخصوص اراکین لجنۃ المصنفین کو اپنی مستجاب دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری کوششوں کو شرف قبولیت سے نوازکر ذخیرۂ آخرت بنائیں، ان سے نفع کو عام وتام بنائیں اور حاسدین کے حسد اور شریر لوگوں کے شر سے دور رکھتے ہوئے اپنی حفظ وامان میں تاعمر سلامتی وعافیت کے ساتھ دین کی خدمت میں مصروف رکھیں۔ آمین ثم آمین۔

آخر میں احقر شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی صاحب دامت برکاتہم کا انتہائی شکر گزار ہے جنہوں نے ہماری حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے اس کتاب کے ترجمہ کا آغاز بھی اپنے دست مبارک سے فرمایا، بعد ازاں قدم بقدم ہماری راہنمائی بھی فرمائی اور کتاب کی تکمیل پر چند کلمات بابرکت بھی تحریر فرمائے جو ہمارے لیے سرمایہ افتخار ہیں اور آنجناب کی احقر پر عنایت ونوازشات کی عکس کی جھلک ہیں۔ ان ارشادات کو کتاب کے شروع میں بطور تقریظ منسلک کیا جا رہا ہے۔ ہم برادر محترم مولانا محمد اشرف صاحب کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت اور دیگر مفید کتابوں کی اشاعت میں خصوصی دلچسپی لی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

وصلى الله على النبي الكريم وعلى آله الصلوٰة

والتسليم والله نسأل مرافقتهم في دار النعيم.

برحمتك يا وهاب، يا كريم، آمين ثم آمين

احقر عبدالمقیم [illegible]

(رکن لجنۃ المصنفین ومعین تحقیق ادارہ اشرف التحقیق

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور)

۸-۵-۱۴۳۳ھ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حالاتِ مصنفؒ

اسم، لقب اور کنیت:

آپ کا اسم گرامی محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد بن حریز الزرعی (دمشق کے علاقہ "زرعہ" کی نسبت ہے) الدمشقی، لقب شمس الدین اور کنیت ابوعبداللہ ہے، آپؒ ابن قیم الجوزیہ کے نام سے معروف ہیں، یہ الجوزیہ ایک مدرسہ ہے جس کے سربراہ ان کے والد گرامی تھے۔

ولادت وتربیت:

آپؒ کی ولادت ماہ صفر ۶۹۱ھ بمقام دمشق ہوئی، اور تربیت وپرورش علم وفضل میں معروف ومشہور خاندان میں ہوئی، چنانچہ آپؒ نے چھ سال یا سات سال کی عمر میں علم کی تحصیل شروع کردی، اور مختلف علوم وفنون کو حاصل کرنے پر توجہ دینا شروع کردی۔ چنانچہ بہت سے علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل کی، خصوصاً علم تفسیر، علم حدیث، علم اصول تفسیر اور علم اصول حدیث میں کامل دسترس حاصل کی، حتی کہ آپؒ افادہ وتدریس کے اعلیٰ مقام ومرتبہ پر فائز ہوئے اور منصب افتاء وامامت کے اہل ہوئے، صدریہ میں تدریس اور جوزیہ میں ایک مدت تک امامت کی۔

شیوخ واساتذہ:

امام ابن قیم الجوزیہؒ نے علم عربیت مجد الدین ابوبکر بن محمد المرسی التونسی (المتوفی ۷۱۸ھ) اور محمد بن ابو الفتح البعلبکی الحنبلی (المتوفی ۷۰۹ھ) سے پڑھا، علم الفرائض اپنے والد گرامی سے خصوصیت سے حاصل کیا، علم فقہ مجد الدین اسماعیل الحرانی (المتوفی ۷۲۹ھ) اور تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابو العباس بن تیمیہ الحنبلی (المتوفی ۷۲۸ھ) سے حاصل کیا، اور علم الاصول شیخ ابن تیمیہؒ اور صفی الدین محمد بن عبد الرحیم الهندی الشافعی (المتوفی ۷۱۵ھ) سے حاصل کیا، علم حدیث جن شیوخ کرام سے حاصل کیا ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱۔ علی زین الدین ابراہیم بن محمد ابو نصر بن الشیرازی الشافعی (المتوفی ۷۱۳ھ)

۲۔ صدر الدین اسماعیل بن یوسف بن مکتوم السریدی الدمشقی (المتوفی ۷۱۶ھ)

۳۔ ابوبکر بن احمد بن عبد الدائم النابلسی (المتوفی ۷۱۸ھ)

۴۔ تقی الدین سلیمان بن حمزہ ابو الفضل المقدسی (المتوفی ۷۱۵ھ)

۵۔ عیسیٰ بن عبد الرحمن الصالحی الحنبلی المعروف بالمطعم (المتوفی ۷۱۷ھ)

۶۔ ام محمد فاطمہ بنت ابراہیم بن جوهر البطائحی (المتوفی ۷۱۱ھ)

جب شیخ تقی الدین ابن تیمیہ دیار مصر سے ۷۱۲ھ میں واپس ہوئے تو آپ نے ان کے ساتھ علمی وابستگی تاحیات قائم کر لی اور ان سے علم کثیر حاصل کیا، دیگر مشاغل بھی جاری رہے، چنانچہ امام ابن قیمؒ علم و ہنر کی کثرت طلب کے ساتھ ساتھ فنون کثیرہ میں یگانۂ روزگار بنے۔

شاگرد:

بعض تلامذہ کرام کے اسماء گرامی یہ ہیں

۱۔ آپؒ کے بیٹے عبداللہ

۲۔ حافظ ابن کثیرؒ صاحب البدایہ والنہایہ، وتفسیر القرآن العظیم

۳۔ حافظ ابن رجب الحنبلیؒ

۴۔ ابن عبدالہادیؒ

۵۔ شمس الدین محمد بن عبدالقادر النابلسیؒ

عبادت وعادات:

حافظ ابن کثیرؒ "البدایہ والنہایہ" میں رقمطراز ہیں۔ "آپ خوش اخلاق، خوش الحان اور بہت محبت وتعلق والے تھے۔ کسی سے حسد نہیں رکھتے تھے، نہ اذیت دیتے نہ کینہ وبغض رکھتے اور نہ کسی کی عیب جوئی کرتے، میں نے ان کی سب سے زیادہ صحبت اٹھائی ہے، اور میں ان سے سب سے زیادہ محبت وتعلق رکھنے والا ہوں، میرے علم کے مطابق اس جہاں میں ان سے بڑھ کر کوئی عبادت گزار نہیں، نماز کا ایک خاص طریقہ تھا، نماز کو بہت طویل کرتے، رکوع اور سجدہ میں دیر لگاتے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے، خیر واخلاق حسنہ ان پر غالب تھے۔"

طور وطریق اور عقیدہ:

ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ تعالیٰ پاک صاف عقیدہ کے مالک تھے۔ آپ عقیدہ کے ابواب ومفردات کو کتاب وسنت کے علم سے ڈھونڈتے اور جانچتے تھے، اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کو بھی سامنے رکھتے اور ان کے علاوہ آپ

فلاسفہ اور متکلمین کے منہج اور طرز سے بھی واقف تھے۔ آپ کا اعتقاد تھا کہ حق صرف نصوص کی اتباع اور احترام میں ہے۔ آپ کسی قسم کی تاویل، تعطیل اور تشبیہ و تمثیل کے روادار نہ تھے۔ آپ گمراہ اور بدعت پسند فرقوں کے دشمن تھے۔ آپ اپنے ادلہ کے انوار سے ان فرقوں کی خواہشات کی ظلمت کی تصویب و اصلاح کرتے تھے۔ ان کے بطلان و ضلالت کا کشف و اظہار کرتے تھے۔ آپ انسانی عقول کو بیدار کرنے، ان کی طلب دلیل و حجت پر حوصلہ افزائی کرنے اور نفوس کو سموم عصبیت اور قابل نفرت خواہشات سے دور رکھنے کے داعی تھے۔ آپ کے منہج میں یہ تھا کہ آپ قرآن و سنت پر کسی چیز کو مقدم نہیں سمجھتے تھے، اور نہ ہی کسی کے اقوال کو اقوال صحابہؓ کے برابر و مساوی سمجھتے تھے، جب کسی مسئلہ میں قرآن و سنت اور قول صحابیؓ نہ پاتے تو پھر قیاس کی طرف رجوع فرماتے۔ آپ دو متماثل امور میں تفریق کو جائز نہیں قرار دیتے تھے اور نہ ہی دو مختلف الحکم میں جمع کے قائل تھے۔ آپ کا خیال یہ تھا کہ یہ ناممکن ہے کہ قیاس صحیح ثابت شدہ نص کے متعارض ہو۔ امام ابن قیمؒ نے اپنی ساری حیات راہ دعوت میں جہاد کرتے ہوئے، لوگوں کو عقیدہ خیر القرون اور عشرہ مبشرہ بالجنۃ کی عبادت پر واپس لانے، فرقہ و افتراق کے ترک کرنے اور نزاع و اختلاف کو اللہ و رسولؐ کے احکامات کے مطابق حل کرنے میں گزار دی۔ آپ کو اپنی دعوت اپنے اصول پر ثابت قدمی اور معاصر لوگوں کے خواہشات کے خلاف فتویٰ دینے کے سبب طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں۔ اور آپ نے شیخ عظیم ابن تیمیہؒ کے ہمراہ ایک قلعہ میں منفرداً قید و بند کی صعوبتیں اٹھائیں، شیخؒ کی وفات کے بعد ہی اس صعوبت گاہ سے خلاصی حاصل ہوئی۔

تالیفات:

امام ابن قیمؒ ان ممتاز علماء میں سے ہیں جنہیں تالیف کے میدان میں

طلبا وافر نصیب ہوا، ایک بڑی تعداد میں چھوٹی بڑی تصانیف یادگار چھوڑیں، بہت سی کتب خوش خطی سے رقم کیں، آپؒ نے سلف وخلف کی کتب میں سے بہت سی کار آمد چیزیں جمع کیں جو دوسروں کے لیے ممکن نہ ہوسکیں، آپؒ کی نمایاں تالیفات وتصنیفات مندرجہ ذیل ہیں

۱۔ زاد المعاد فی هدی خیر العباد (طبع فی الهند ۱۲۹۸ھ وفی مصر ۱۳۲٤ و ۱۳٤۷ھ)

۲۔ حادی الارواح الی بلاد الافراح

۳۔ كتاب الداء والدواء (او) الجواب الكافی لمن سأل عن الدواء الشافی

٤۔ مدارج السالكين بين منازل اياك نعبد واياك نستعين (یہ کتاب شیخ الاسلام عبداللہ بن محمد انصاری ھروی کی "منازل السائرین" کی شرح ہے)

۵۔ تحفة الودود فی احكام المولود

۶۔ الروح (برهان الدین بقاعی نے اس کا "سر الروح" کے نام سے اختصار کیا ہے)

۷۔ عدة الصابرين وذخيرة الشاكرين ۸۔ بدائع الفوائد

۹۔ طريق الهجرتين وباب السعادتين

۱۰۔ مفتاح دار السعادة ومنشور ولاية العلم والارادة

۱۱۔ الصواعق المنزلة على الجهمية والمعطلة

۱۲۔ أعلام الموقعين عن رب العالمين

۱۳۔ امثال القرآن ۱٤۔ اغاثة اللهفان فی حكم طلاق الغضبان

۱۵۔ اغاثة اللهفان فی مصائد الشيطان

۱۶۔التبیان فی أقسام القرآن

۱۷۔التحریر فیما یحل ویحرم من لباس الحریر

۱۸۔بطلان الکیمیاء من اربعین وجھاً

۱۹۔الرسالة الجلیةفی الطریقة المحمدیة

۲۰۔روضة المحبین ونزھة المشتاقین

۲۱۔زاد المسافرین الی منازل السعداء فی ھدی خاتم الانبیاء

۲۲۔حرمة السماع

۲۳۔حکم تارک الصلاة

۲۴۔جوابات عابدی الصلبان وأن ماھم علیه دین الشیطان

۲۵۔جلاء الافھام فی ذکر الصلاة والسلام علی خیر الانام

۲۶۔تفسیر المعوذتین

۲۷۔تفسیر الفاتحة

۲۸۔تفضیل مکة علی المدینة

۲۹۔الصراط المستقیم فی احکام اھل الجحیم

۳۰۔الطاعون

۳۱۔شرح الأسماء الحسنی

۳۲۔شفاء العلیل فی القضاء والقدر والحکمة والتعلیل

۳۳۔السنة والبدعة

۳۴۔الصبر والسکن

۳۵۔الفوائد المشوق الی علوم القرآن وعلم البیان "[illegible]"

"الایجاز" نام سے ان کی ایک کتاب مذکور ہے غالبا یہ وہی ہے)

۳۶۔المہذی

۳۷۔الکلم الطیب والعمل الصالح

۳۸۔الکبائر

۳۹۔معانی الادوات والحروف

۴۰۔نور المومن وحیاتہ

وفات:

ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے جمعرات کی شب ۱۳ رجب المرجب ۷۵۱ھ بوقت اذان عشاء وفات پائی۔ اگلے روز جامع اموی میں بعد از نماز ظہر نماز جنازہ ادا کی گئی، اور اپنی والدہ مکرمہ کے پہلو میں باب الصغیر کے قبرستان میں مدفون ہوئے، جنازہ میں کثیر تعداد میں لوگ جمع تھے۔ آپ کے جنازہ میں اکابرین وصالحین، عوام وخواص اور ہر طبقہ کے لوگ شریک تھے۔ جنازہ کے اٹھانے کے وقت لوگوں کا اژدحام کثیر تھا، وفات کے وقت عمر نفیس ساٹھ سال کی تھی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

کچھ اس کتاب کے متعلق

یہ کتاب ''الداء والدواء'' یا ''الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی'' امام ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ کے رشحاتِ قلم اور قلمِ بصیرکا نتیجہ ہے۔ ان کی یہ تصنیف بہت عمدہ، باعثِ ہدایت اور ذریعہ شفاء ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ صاحبِ کتاب، کتاب اللہ اور حدیثِ رسولؐ کے متعلق کس درجہ بصیرت ومہارت کے مالک تھے۔ کتاب وسنت کی نصوص کی مدد سے انسانی نفس کی حقیقت واصلیت جان کرکے اس کے علل وامراض اور عیوب وآفات کا کشف وبیان آپؒ کے بس میں تھا، اور پھر ان امراض وعیوب کے علاج کو مثالی طریقے سے بلیغ عبارت اور شاندار وسہل اسلوب میں پیش کرنا بھی آپ ہی کا کارنامہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کتاب کو ان کے میزانِ حسنات میں سے بنائے اور اس کے ذریعہ تمام مسلمانوں کو نفع عطا فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور ائمہ دین اس شخص کے بارے میں جو ایک مصیبت اور آزمائش سے دوچار ہے، اور اسے یقین ہے کہ اگر وہ مصیبت و آفت برقرار اور قائم رہی تو اس کی دنیا و آخرت تباہ ہو جائے گی جبکہ وہ اپنے طور پر اس کے دفعیہ میں ہر ممکن کوشش بھی کرتا ہے مگر اس آفت میں بجائے کمی آنے کے اضافہ اور شدت ہی آتی جاتی ہے، اس آفت ومصیبت کو دور کرنے کی تدبیر کیا ہو؟ کیا اس مشکل سے نکلنے کی کوئی راہ ہے؟ اللہ تعالیٰ گرفتار مصیبت کی اعانت کرنے والے کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ فرماتے۔ اور (حدیث مبارک بھی ہے کہ) جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس بندہ کی مدد میں رہتے ہیں۔ افادہ سے نوازکر ماجور ہوں۔ رحمکم اللہ تعالیٰ۔

پہلا جواب:

(اب یہاں سے ساری کتاب اسی استفتاء کا مفصل و مدلل جواب ہے)

شیخ و امام، عالم، شیخ الاسلام، مفتی المسلمین، ابو عبداللہ شمس الدین بن ابی بکر ایوب مدرسہ جوزیہ کے امام رحمہ اللہ تعالیٰ جواب دیتے ہیں۔

ہر مرض قابل علاج ہے:

الحمد للہ

اما بعد! صحیح بخاری میں حدیث ابی ہریرہؓ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

﴿مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ دَاءً إِلَّا أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً﴾[1]

یعنی "اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کی شفاء نازل کی ہے۔"

صحیح مسلم میں حدیث جابر بن عبداللہؓ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ، فَإِذَا أُصِيبَ دَوَاءُ الدَّاءِ بَرَأَ بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾[2]

یعنی "ہر بیماری کا علاج ہے۔ اور جب وہ دوا پہنچتی ہے تو اللہ کے حکم سے بیماری دور ہو جاتی ہے۔"

مسند احمد میں حدیث اسامہ بن شریکؓ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يُنْزِلْ دَاءً إِلَّا أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً، عَلِمَهُ مَنْ عَلِمَهُ وَجَهِلَهُ مَنْ جَهِلَهُ﴾[3]

---

١ بخاری (ج ١٠ ص ١٣٤ مع فتح الباری) ٢ مسلم (ج ٤ ص ١٧٢٩ ...)

٣ مسند احمد (ج ٤ ص ٢٧٨) ترمذی (ج ٤ ص ٣٨٣)

یعنی "یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کی شفا نازل کی ہے۔ جاننے والے اس کو جانتے ہیں اور نہ جاننے والے نہیں جانتے۔"

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ شِفَاءً أَوْ دَوَاءً إِلَّا دَاءً وَاحِدًا فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا هُوَ؟ قَالَ: اَلْهَرَمُ﴾

یعنی "اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کی شفا یا علاج رکھا ہے سوائے ایک بیماری کے، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کونسی لاعلاج بیماری ہے؟ فرمایا: بڑھاپا۔"

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

جہالت کا مرض اور اس کا علاج:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہالت و ناواقفیت کو ایک حدیث مبارک میں بیماری اور مرض قرار دیا، اور اہل علم سے پوچھ لینا اس کا علاج بتایا، اور یہ علاج قلب وروح اور جسم وبدن دونوں کے امراض کو شامل ہے، چنانچہ امام ابوداؤدؒ نے "سنن ابی داؤد" میں حدیث جابرؓ بن عبداللہ نقل کی ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: ہم لوگ ایک سفر میں نکلے راستہ میں ہم میں سے ایک آدمی کو سر پر پتھر لگا جس سے اس کا سر زخمی ہوگیا، پھر اتفاق سے اسے احتلام بھی ہوگیا، اس نے اپنے ساتھیوں سے مسئلہ دریافت کیا کہ مجھے بتاؤ کیا میں ایسے حال میں تیمم کرسکتا ہوں؟ ساتھیوں نے کہا تمہیں تیمم کی اجازت نہیں ہے، اس لئے کہ تم پانی استعمال کرسکتے ہو، چنانچہ اس نے غسل کیا اور اس صدمہ سے فوت ہوگیا، جب ہم لوگ سفر سے واپس نبی محترم ومکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ آنجناب علیہ السلام کو بتایا تو آپؐ نے فرمایا: "ساتھیوں نے اس کو مار ڈالا، اللہ ان کو مارے، جب وہ مسئلہ نہیں جانتے تھے تو پوچھ کیوں نہ لیا، کیونکہ ناواقف کی شفاء پوچھ لینے ہی میں ہے، اس (بیچارے)

کے لئے تو یہی تیمم ہی کافی تھا اور زخم پر پٹی باندھ لیتا، پھر اس پٹی پر مسح کر لیتا، اور باقی جسم دھو لیتا۔" (ابو داؤد) معلوم ہوا کہ جہالت یعنی ناواقفیت بھی ایک مرض ہے جس کا علاج اہل علم سے سوال کر لینا ہے۔

قرآن حکیم باعث شفاء ہے:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قرآن حکیم کا باعث شفاء ہونا ذکر فرمایا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ﴾

یعنی "اگر ہم اس کو عجمی (زبان کا) قرآن بناتے تو یوں کہتے کہ اس کی آیتیں صاف صاف کیوں نہیں بیان کی گئیں۔ یہ کیا بات کہ عجمی کتاب اور عربی رسول، آپ کہہ دیجئے کہ یہ قرآن ایمان والوں کے لئے تو رہنما اور شفا ہے۔" (حم سجدہ ۴۴)

نیز فرمایا:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾

یعنی "اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں تو شفاء اور رحمت ہے" (اسراء ۸۲)

یہاں "من" بعض کے لئے نہیں بلکہ بیان جنس کے لئے ہے، اس لئے کہ سارا قرآن پاک ہی باعث شفاء ہے، جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا گیا، چنانچہ قرآن جہل اور ریب و شک جیسے امراض قلب کے لئے شفاء کا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ

---

(۱) ابو داؤد [illegible] (۳۳۶ [illegible])

وتعالیٰ نے ازالۂ مرض کے لئے قرآن سے بڑھ کر کوئی چیز زیادہ نافع زیادہ عظیم اور کارگر دوا وشفاء نازل نہیں فرمائی۔ چنانچہ صحیحین میں حدیث ابی سعیدؓ موجود ہے۔ حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں:" ایک مرتبہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سفر پیش آیا، سفر کے دوران عرب کے ایک محلّہ میں پڑاؤ ڈالا، اہل محلّہ سے ضیافت چاہی مگر انھوں نے مہمان بنانے سے انکار کردیا، اتفاق سے محلّہ کے سردار کو سانپ وغیرہ نے ڈس لیا، چنانچہ ان لوگوں نے ہر طرح کا علاج کیا مگر کوئی شے کارگر ثابت نہ ہوئی، کسی نے کہا کہ اگر اس محلّہ میں آئی ہوئی جماعت کے پاس جایا جائے تو بہتر ہوگا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ان کے پاس اس کا کوئی علاج ہو، چنانچہ اہل محلّہ صحابہ کی جماعت کے پاس آئے اور آکر کہنے لگے۔ اے جماعت کے لوگو! ہمارے سردار کو سانپ نے ڈس لیا ہے، ہم نے اس کے علاج میں سرتوڑ کوشش کرلی مگر کسی چیز سے اس کو نفع نہیں ہورہا ہے، کیا تم میں سے کسی کے پاس اس کے علاج کی کوئی صورت ہے؟ (ہم بہت پریشان ہیں) جماعت کے ایک فرد نے جواب میں کہا کہ بخدا! میں دم کرسکتا ہوں، لیکن واللہ (تم ایسے بے مروت ہو کہ) ہم نے ضیافت تم سے چاہی تھی پر تم نے ہمیں مہمان بنانا قبول نہیں کیا، لہذا جب تک تم اس پر اجرت مقرر نہیں کروگے میں دم وغیرہ نہیں کروں گا، چنانچہ بکریوں کے ایک ریوڑ پر مصالحت ہوگئی۔ وہ صاحب اس سردار پر سورۃ الحمد شریف پڑھ کر دم کرتے رہے حتیٰ کہ وہ ایسے ٹھیک ہوگیا کہ جیسے رسی میں بندھا تھا اور اب دم کرنے سے وہ رسی کھل گئی، اور ساری بیماری دور ہوگئی، اور چلنے لگا، اور پھر ان لوگوں نے مصالحت کردہ اجرت پوری پوری ادا کردی، صحابہؓ کی جماعت میں سے کسی نے کہا کہ یہ مال آپس میں تقسیم کرلو، تو دم کرنے والے نے کہا کہ جب تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر سارا واقعہ ذکر نہیں کردیا جاتا اور آپ کا حکم معلوم نہیں کرلیا جاتا ایسا نہیں کرتا

چاہیے، چنانچہ صحابہؓ کی وہ جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سارا واقعہ بتایا تو آپؐ نے فرمایا: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ سورۂ فاتحہ بھی دم ہے؟ پھر فرمایا کہ تم نے ٹھیک کام کیا، یہ مال آپس میں بانٹ لو، اور میرا حصہ بھی اپنے ساتھ نکالو۔[1]

دیکھئے اس دوا نے اس مرض میں اپنا اثر دکھایا، اس کو زائل اور کالعدم کر دیا، یہ سورۂ فاتحہ سب سے سہل اور آسان دوا و علاج ہے۔ اگر کوئی شخص سورۂ فاتحہ کے ذریعہ حسن علاج کرے تو وہ اس میں عجیب تاثیر دیکھے گا۔ خود میرے ساتھ واقعہ پیش آیا، مکہ مکرمہ میں امراض سے دوچار ہوا، یوں ہی ایک عرصہ تک پڑا رہا، نہ کوئی معالج تھا اور نہ ہی دوا، بس میں اپنا علاج سورۂ فاتحہ سے کرتا رہا چنانچہ میں ٹھیک ہو گیا۔ میں اس سورہ کی عجیب تاثیرات دیکھتا ہوں، جو کوئی میرے سامنے کسی بھی درد تکلیف کی شکایت کرتا ہے میں اسے سورۂ فاتحہ ہی کا بتاتا ہوں، بہت سوں کو بہت جلد اس کے ذریعہ شفا نصیب ہوئی ہیں۔ لیکن یہاں ایک امر قابل توجہ ہے کہ یہ اذکار و آیات اور دعائیں جن کے ذریعہ دم وغیرہ کیا جاتا ہے اور طلب شفاء کی جاتی ہے یہ آیات و ادعیہ فی ذاتہ نافع اور باعث شفاء ہیں، در حقیقت یہ اذکار وغیرہ محل کی قبولیت اور فاعل کی ہمت و قوت اور اس کی تاثیر کا تقاضا کرتے ہیں، شفاء میں تخلف اصل میں فاعل کی تاثیر کے ضعف اور منفعل (محل) کے قبول نہ کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے، یا پھر کوئی قوی مانع ہوتا ہے جو دوا کے اثر ظاہر ہونے میں رکاوٹ ہوتا ہے، جیسا کہ یہ امر دوسری حسی امراض و علاج میں بھی واقع ہے۔ جس کا سبب کبھی تو طبیعت کا اس دوا کو قبول نہ کرنا ہوتا ہے اور کبھی کوئی قوی مانع موجود ہوتا ہے جو اس دوا کی تاثیر سے روکنے کا سبب ہوتا ہے، کیونکہ (یہ اصول ہے کہ) انسانی طبیعت جب مکمل طور پر دوا کو قبول کر لے تو بدن کو اس سے فائدہ اسی قبولیت کے مطابق حاصل ہوتا ہے۔ یہی حال قلب کا ہے کہ جب قلب انسانی تعویذ اور دم وغیرہ کو قبولیت تام کے ساتھ قبول

[1] بخاری (ج ۲ ص ۷۴۹، ۸۶۲)، فتح الباری ۴، مسلم (ج ۲ ص ۲۲۴)

کرتا ہے اور تعویذ دم کرنے والا بہت مقبول ہوتا ہے تو یہ چیز اس مرض کے ازالہ میں موثر ہوتی ہے۔

دُعا مصیبت کو دور کرتی ہے:

یہی حال دعا کا ہے، کیونکہ دعا دفع مصیبت اور حصول مراد میں قوی ترین سبب کا درجہ رکھتی ہے لیکن کبھی دعا اپنا اثر چھوڑ دیتی ہے۔ (۱) اس کی وجہ خود دعا کا ضعیف ہونا ہوتا ہے یا یہ صورت کہ وہ دعا کسی زیادتی اور تجاوز پر مبنی ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو ناپسندیدہ ہوتی ہے۔ (۲) یا پھر اس کی وجہ قلب کا ضعف، اس کا متوجہ الی اللہ نہ ہونا اور بوقت دعا اس طرح جمعیت حاصل نہ ہونا ہوتا ہے جیسے یہ کہ جیسے کوئی کمان بہت ہی ڈھیلی ہو۔ ظاہر ہے اس سے نکلنے والا تیر بھی زیادہ دور نہیں جائے گا۔ (۳) یا پھر قبولیت دعا سے کوئی چیز مانع ہے۔ جیسے حرام کھانا، دلوں کا زنگ آلود ہونا اور ان پر غفلت، شہوت اور لہو و لعب کا غلبہ ہونا۔ مستدرک حاکم میں حدیث ابی ہریرہؓ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تم قبولیت دعا کا یقین رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرو۔ (۱)"

غافل کی دُعا:

یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ غافل اور بے پرواہ شخص کی دعا قبول نہیں فرماتے۔ اور اگرچہ مرض کے ازالہ کے لئے نافع دوا ہے لیکن دعا کی قوت اللہ سے غفلت کی وجہ سے ختم ہو کر رہ جاتی ہے، اسی طرح حرام خوری بھی دعا کی قوت کو ضعیف کر دیتی ہے، جیسے صحیح مسلم میں حدیث ابی ہریرہؓ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

"اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہیں، پاک چیز ہی قبول فرماتے ہیں"

---

(۱) مستدرک حاکم ج ۱ ص ۴۹۳)

اور اللہ تعالیٰ نے جس بات کا حکم پیغمبروں کو دیا ہے اسی کا حکم مسلمانوں کو بھی دیا ہے،
اللہ جل شانہ فرماتے ہیں:

﴿یٰٓاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا
صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ﴾ (المومنون ۵۱)

یعنی ”اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ، اور نیک عمل کرو،
میں بے شک تمہارے اعمال کو جاننے والا ہوں۔“

دوسری جگہ فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾

یعنی ”اے ایمان والو! ہمارے دیئے ہوئے پاکیزہ رزق میں
سے کھاؤ۔“ (البقرۃ ۱۷۲)

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کا ذکر فرمایا جو لمبے لمبے سفر کرتا ہے، پراگندہ بال وحال ہے، آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعائیں کرتا ہے۔ پروردگار! پروردگار! حالانکہ اس کا کھانا حرام کا ہے، اس کا لباس حرام کا ہے، اس کا بدن حرام مال سے ہی پرورش پایا ہے۔ (بتاؤ) اس کی دعا کہاں اور کیسے قبول ہوگی؟[1] امام احمدؒ کے بیٹے عبداللہ نے کتاب الزھد میں یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ بنی اسرائیل کسی بلا ومصیبت میں مبتلا ہوئے اور توبہ کیلئے گھروں سے باہر نکلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے پیغمبر پر وحی نازل کی کہ ان لوگوں کو بتادیجئے کہ تم لوگ ناپاک بدن لے کر میدان میں نکل رہے ہو، ایسے ہاتھوں کو میری طرف اٹھا رہے ہو جن کے ذریعہ تم نے خونریزیاں کیں اور جن کے ذریعہ تم نے اپنے گھروں کو حرام مال سے بھر

[1] صحیح مسلم (ج ۱ ص ۳۲۶ کراچی)

رکھا ہے، اب عقل آئی ہے جب میرا غضب شدت اختیار کرچکا ہے؟ اب تو ہمیشہ کے لئے تمہیں میری دوری ہی حاصل ہوگی۔" ابوذرؓ فرماتے ہیں: جس قدر کھانے کے لئے نمک کافی ہوتا ہے اتنی ہی نیکی دعا کے لئے کافی ہوتی ہے۔

فصل

دُعا نافع ترین دوا ہے:

دُعا واقعی نافع ترین دوا ہے، یہ دعا بلا وآفت کی دشمن ہے، بلا ومصیبت کو دور کرتی ہے، نزولِ آفت میں مانع، اس کو رفع دفع اور کم از کم اس میں تخفیف کر دیتی ہے، دعا مومن کا ہتھیار ہے۔ حاکم نے اپنی صحیح میں حدیث علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نقل کی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"دعا مومن کا ہتھیار، دین کا ستون اور آسمانوں وزمین کا نور ہے۔"[1]

دُعا کے درجات:

دُعا کے بلا ومصیبت کے مقابلہ میں تین درجات ہیں: اوّل: دُعا اس مصیبت کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہو، اس صورت میں وہ دعا اس بلا ومصیبت کو دور کر دے گی، ثانی: دعا اس بلا ومصیبت کے مقابلہ میں کمزور تر ہو، اس صورت میں بندہ پہ بلا ومصیبت قوی ہوگی یعنی بندہ اس بلا سے دو چار ہو جاتا ہے، لیکن کبھی کمزور دعا اس بلا میں تخفیف بھی کر دیتی ہے۔ ثالث- دعا اور بلا دونوں باہم مزاحم ہوں، ہر ایک دوسرے کے مقابلہ میں دافع ہو۔ حاکم نے صحیح میں حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تقدیر سے بچاؤ نہیں، اور دعا، بلا کے

---

[1] حاکم (ج۱ ص۴۹۲)

اور زاری کرنے والے سے محبت رکھتے ہیں۔" امام احمد کی کتاب الزہد میں روایت قتادہ موجود ہے کہ حضرت موسیٰ نے فرمایا میں نے مومن کے لئے سوائے اس کے اور کوئی امر قابل عبرت نہیں پایا کہ ایک آدمی سمندر کے اندر ایک (تختہ پر) کھڑا ہو اور اے رب! اے رب! پکارے، شاید کہ اللہ تعالیٰ اسے اس مصیبت سے نجات دے دیں۔"

فصل

دعا کی آفات:

دو آفات جو دعا کا اثر مرتب ہونے میں مانع ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک آفت یہ ہے کہ بندہ جلد بازی سے کام لے۔ یعنی جب قبولیت دعا میں تاخیر ہونے لگے تو وہ حسرت کرتا ہوا دعا کو ترک کر دے۔ یہ تو ایسا ہی ہوا جیسے کوئی شخص زمین میں بیج بوئے یا کوئی پودا لگائے پھر اس کی دیکھ بھال کرے اور اسے پانی وغیرہ بھی دے، لیکن جب وہ لگائی ہوئی یا بوئی ہوئی چیز اپنے کمال کو پہنچنے میں تاخیر کرے تو اسے چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ جائے۔ صحیح بخاری میں حدیث ابی ہریرہؓ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب تک بندہ عجلت سے کام نہیں لیتا۔ اس کی دعا قبول ہوتی رہتی ہے یعنی وہ یہ کہے کہ میں نے دعا کی تھی وہ قبول نہیں ہوئی۔"

صحیح مسلم میں انہی سے روایت ہے کہ ارشاد نبویؐ ہے: "بندہ کی دعا ہمیشہ قبول کی جاتی رہتی ہے۔ جب تک کہ وہ کسی گناہ کی دعا نہ کرے، یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے اور جب تک جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! جلد بازی سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا یعنی کہ وہ کہے کہ میں نے دعا کی تھی۔ میں نے دعا

بخاری (۶۳۴۰)

کی تھی۔ مجھے نہیں لگتا کہ وہ قبول بھی ہوئی ہو، آخر وہ تنگ ہو کر دعا مانگنا ترک کر دیتا ہے۔[1]

مسند احمد میں حدیث انس ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے: "بندہ جب تک عجلت سے کام نہ لے بھلائی میں رہتا ہے، صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! عجلت کیسے کرے؟ فرمایا: بندہ کہے کہ میں نے اپنے رب سے دعا کی تھی لیکن وہ قبول ہی نہیں ہوئی۔"[2]

فصل

قبولیتِ دُعا کے اوقات:

اگر دعا میں کامل حضور قلبی اور خاطر جمعی ہو اور وہ دعا قبولیت کی ان ساعات میں سے کسی مقبول ساعت کے موافق بھی ہو جائے تو اس کی دعا رد نہیں ہوتی۔ وہ چھ مقبول ساعات یہ ہیں:

۱۔ رات کا آخری تہائی حصہ
۲۔ زوال کا وقت
۳۔ اذان و اقامت کے درمیان کا وقت
۴۔ فرض نماز کے بعد
۵۔ جمعہ کے دن امام کے منبر پر بیٹھنے سے نماز جمعہ کے اختتام تک کا وقت
۶۔ عصر کے بعد کی آخری ساعت

داعی کے قلب میں خشوع اور رب تعالیٰ کے سامنے عجز و انکساری اور ذلت و رقت کا ظہور ہو، نیز داعی قبلہ رخ ہو، باوضو ہو، اللہ کے سامنے اپنے ہاتھ اٹھائے، اللہ کی حمد و ثناء سے ابتداء کرے۔ پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھے، حاجت پیش کرنے سے پہلے توبہ و استغفار اور صدقہ وغیرہ کرے، اس کے

[1] مسلم ([illegible]) [2] مسند احمد ([illegible])

بعد اللہ جل شانہ کے سامنے حاضر ہو کر خوب لجاجت و اصرار سے اپنی حاجت مانگے، اور اللہ سے رغبت و رہبت کے ساتھ دعا کرے، اور اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کو وسیلہ بنائے تو کوئی بعید نہیں کہ اس کی دعا قبول ہو جائے، خصوصاً جب ماثور و منقول دعاؤں کو شامل کر لیا جائے کیونکہ ادعیہ ماثورہ قبولیت کے امکانات کو بڑھا دیتی ہیں اور اسم اعظم کو متضمن اور مشتمل ہوتی ہیں۔

منقول دعائیں:

سنن اور صحیح ابن حبان میں حدیث عبداللہ بن بریدہ عن ابیہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا:

﴿اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ بِأَنِّيْ أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِيْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾

یعنی "اے اللہ! میں آپ سے اس واسطہ سے سوال کرتا ہوں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ہی اللہ ہیں، آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ کی ذات اکیلی، بے نیاز ہے، نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا ولد، اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے"

تو آپ نے فرمایا: اس شخص نے اللہ تعالیٰ سے ایسے اسم کے ذریعہ سوال کیا ہے کہ جب اس کے ذریعہ سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ عطا کرتا ہے، اور جب اس کے واسطہ سے دعا کی جائے تو قبول کی جاتی ہے" ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں "یقیناً تو نے اللہ سے اس کے اسم اعظم کے ذریعہ سوال کیا ہے"۔[1]

---

[1] ترمذی (ج ۲ ص ۲۷۵، ۵۳۳۳)، ابن ماجہ (ج ۲ ص ۱۲۶۸، ۳۸۵۷)

سنن اور صحیح ابن حبان میں حدیث انس بن مالکؓ بھی ہے کہ حضرت انسؓ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے، اور ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا، نماز پڑھنے کے بعد وہ یوں دعا کرنے لگا:

﴿اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَسْئَلُکَ بِأَنَّ لَکَ الْحَمْدَ لَا إِلٰہَ إِلَّا أَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ، یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِکْرَامِ، یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ﴾

یعنی ''اے اللہ! میں آپ سے اس واسطہ سے سوال کرتا ہوں کہ تیرے لئے حمد وثناء ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو احسان کرنے والا، آسمانوں زمین کا پیدا کرنے والا ہے، اے ذوالجلال والاکرام! اے حی وقیوم۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص نے اللہ تعالیٰ سے اس کے اسم اعظم کے ذریعہ دعا کی ہے، یہ اسم اعظم ایسا ہے کہ جب اس کے واسطہ سے دعا کی جاتی ہے تو قبول ہوتی ہے، اور جب اس کے ذریعہ سے سوال کیا جائے تو عطا کیا جاتا ہے۔''

امام احمدؒ نے یہ دونوں حدیثیں اپنی مسند میں بھی نقل کی ہیں۔

جامع ترمذی میں حدیث اسماء بنت یزیدؓ منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے:

﴿وَإِلٰـھُکُمْ إِلٰـہٌ وَّاحِدٌ لَا إِلٰـہَ إِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ﴾ (البقرۃ ۱۶۳)

''اور آل عمران کی ابتدائی آیت کریمہ: ''الٓمّٓ اللّٰہُ لَا إِلٰہَ إِلَّا

---

(۱) ابوداود (ج ۲، ص ۱۶۹) احمد (ج ۳، ص ۲۴۵) (۲) ترمذی (ج ۲، ص ۲۷۳)

هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ۔"

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

مسند امام احمدؒ اور صحیح حاکم میں احادیث ابی ہریرہؓ، انس بن مالکؓ اور ربیعہ بن عامر مروی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ﴿يَـا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ "کا ورد رکھو اور اس پر مداومت کرو۔"[۱]

جامع ترمذی میں حدیث ابی ہریرہؓ ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی اہم امر پیش آتا تو سر مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے، اور جب خوب دعا میں لگتے تو پڑھتے یَا حَيُّ یَا قَیُّوْمُ"۔[۲]

ترمذی میں ہی حدیث انس بن مالکؓ موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی امر درپیش ہوتا تو کہتے "یَا حَيُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ"[۳]

صحیح حاکم میں حدیث ابی امامہؓ مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "اسم اعظم قرآن کی تین سورتوں میں ہے: بقرہ، آل عمران اور طٰـہٰ" ابو قاسم کہتے ہیں کہ میں نے تلاش کیا تو یہ وہ آیت تھی "اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ"۔

جامع ترمذی اور صحیح حاکم میں حدیث سعد بن ابی وقاصؓ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا "مچھلی والے (حضرت یونس علیہ السلام) نے شکم ماہی میں جو دعا کی تھی وہ یہ ہے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (انبیاء: ۸۷)

جب بھی کوئی مسلمان کسی بھی امر میں یہ دعا پڑھتا ہے تو اس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔[۵]

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ مستدرک حاکم میں بھی حدیث

---

۱ احمد (۱۲/۴۰۳) حاکم (۱/۴۹۹) ۲ ترمذی (۳۴۳۶/۵)
۳ ترمذی (۳۵۲۴/۵) ۴ حاکم (۵۰۵/۱) ۵ صحیح جامع صغیر (۳۳۸۳)

سعدؓ مروی ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا: "کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتادوں کہ جب کوئی شخص فکر و پریشانی کی صورت میں اس کے ذریعہ دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی کو دور فرمادے، وہ چیز مچھلی والے نبی (حضرت یونس علیہ السلام) کی دعا ہے"۔

نیز صحیح حاکم میں ہے کہ حضرت سعدؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا کہ آپؐ نے فرمایا: "کیا میں تمہیں اللہ کا اسم اعظم بتادوں؟ وہ دعائے یونسؑ ہے، کسی نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا وہ دعا حضرت یونس علیہ السلام کے لئے خاص تھی؟ آپؐ نے فرمایا: کیا تمہیں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان معلوم نہیں:

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ﴾

یعنی "ہم نے ان کی دعا قبول کرلی اور انہیں غم سے نجات دی اور ہم اسی طرح مومنوں کو نجات دیا کرتے ہیں"۔ (الانبیاء: ۸۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو کوئی مسلمان مرض کی حالت میں چالیس مرتبہ اس دعا کو پڑھے اور اسی مرض میں انتقال کر جائے تو اسے شہید جیسا اجر عطا ہوگا، اور اگر اس مرض سے برأت ہوئی تو اس حال میں برأت ہوگی کہ وہ مغفرت سے نوازا جاچکا ہوگا"۔[۲]

صحیحین میں حدیث ابن عباسؓ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرب و بلا کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ

---

۱. حاکم (۵۰۵/۱) ۲. حاکم (۵۰۵/۱، ۵۰۶)

وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ﴾

مسند امام احمد میں حدیث علی بن ابی طالب سے منقول ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول آفت وبلا کے موقع پر یہ دعا پڑھنے کو فرمایا:

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَتَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾[1]

نیز مسند احمد میں حدیث عبداللہ بن مسعودؓ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب کسی کو کوئی غم وحزن پیش آئے اور وہ یہ دعا پڑھے:

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ ابْنُ عَبْدِكَ ابْنُ اَمَتِكَ نَاصِیَتِیْ بِیَدِكَ، مَاضٍ فِیَّ حُکْمُكَ، عَدْلٌ فِیَّ قَضَاؤُكَ، اَسْأَلُكَ اللّٰهُمَّ بِکُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ، سَمَّیْتَ بِهٖ نَفْسَكَ، اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ، اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ کِتَابِكَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَكَ، اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ، وَنُوْرَ صَدْرِیْ، وَجَلَاءَ حُزْنِیْ، وَذَهَابَ هَمِّیْ﴾

تو اللہ تعالیٰ اس کے غم وحزن کو دور فرمادیتے ہیں، اور اس غم وحزن کی جگہ اسے فرحت وخوشی عطا فرماتے ہیں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا یہ دعا ہم سیکھ نہ لیں؟ فرمایا: "کیوں نہیں ضرور سیکھو، سننے والے کو چاہئے کہ اس دعا کو سیکھ لے"[2]

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں "جو نبی درپیش غم وکرب وبلا میں مبتلا ہونے کے وقت تسبیح سے مدد لی ہے۔"

پھر جب تو نے تیسری مرتبہ دعا کی تو مجھے کہا گیا کہ یہ محب کی دعا ہے، میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اس دعا کے قبول کی ذمہ داری مجھے دی جائے۔ حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں لہٰذا جو شخص وضو کر کے چار رکعت نماز پڑھ کر مذکورہ دعا پڑھے تو اس کی دعا قبول ہوگی، خواہ وہ محروم ہو یا نہ ہو۔(۱)

فصل

دعا کے احوال

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک قوم نے کچھ دعائیں کیں اور وہ قبول ہوگئیں، تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس دعا میں کبھی تو صاحب دعا کی اضطراری کیفیت اور توجہ الی اللہ شامل ہو جاتی ہے، اور کبھی اس شخص کی سابقہ کوئی نیکی ہوتی ہے جس کی جزا میں اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرما لیتے ہیں، یا وہ دعا اتفاقاً کسی مقبول ساعت میں مانگی گئی ہوتی ہے، جس کی بناء پر اس کی دعا شرف قبولیت سے مشرف ہو جاتی ہے۔ خیال کرنے والا یہ خیال کرتا ہے کہ اصل راز اس دعا کے الفاظ میں ہے، چنانچہ وہ شخص ان ہی کو اختیار کرتا ہے اور اسباب کو ترک کر دیتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کوئی مفید دوا مناسب وقت اور مناسب طریقے سے استعمال کرے اور اسے اس دوا سے نفع ہو جائے اور دوسرا یہ سمجھے کہ محض اس دوا کا استعمال حصول مطلوب میں کافی ہے، تو ظاہر ہے کہ وہ غلطی پر ہے، یہ ایسا مقام ہے جہاں بہت سے لوگ مغالطہ کھا جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر کبھی کسی قبر کے پاس اضطراری کیفیت سے دعا ہو جائے تو سمجھا جاتا ہے کہ اصل راز قبر میں ہے، حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ یہاں دعا کی قبولیت کا سبب اس شخص کا اضطرار اور صدق دل سے متوجہ الی اللہ ہونا ہے، اور جب

(۱) دیکھئے "مجابی الدعوۃ" (۴۳) ابن ابی الدنیا

دعا اللہ تعالیٰ نے کسی امر میں بطور مانگی جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو بہت افضل اور پسندیدہ ہے۔

فصل

قبولیتِ دعا کی شرط:

یہ دعائیں اور تعویذات وغیرہ اسلحہ (ہتھیار) کی مانند ہیں اور ہتھیار کا صرف تیز ہونا کافی نہیں بلکہ ضارب بھی قوی ہو، لہٰذا جب اسلحہ (ہتھیار) کامل و تام ہو، بازو میں قوت ہو اور کوئی مانع موجود نہ ہو تو دشمن زیر ہوگا، لیکن جب ان تین چیزوں میں سے کوئی چیز بھی مختلف (متروک) ہوئی تو تاثیر بھی نہ ہوگی، لہٰذا دعا جب بذاتِ خود بھی نہ ہو یا دعا کرنے والا دعا کے دوران ذہن و دل کے درمیان تطبیق و یکسانیت نہ رکھتا ہو یا دعا کی قبولیت سے کوئی امر مانع ہو تو ظاہر ہے کہ دعا میں اثر و تاثیر پیدا نہیں ہوگی۔

دعا اور تقدیر:

یہاں ایک مشہور اعتراض ہے، وہ یہ ہے کہ جس امر کے لئے دعا کی جاتی ہے اگر وہ مقدر ہے تو ضرور واقع ہوگا۔ خواہ بندہ دعا کرے یا نہ کرے، اور اگر وہ امر مقدر نہیں تو پھر بھی واقع نہیں ہوگا۔ بندہ سوال اس امر کا کرے یا نہ کرے، چنانچہ ایک گروہ نے اس اعتراض کی صحت کو تسلیم کرکے دعا ہی کو ترک کر دیا اور کہا کہ دعا بالکل غیر مفید ہے، حالانکہ ان جاہلوں اور گمراہوں کے اپنے قول میں تناقض و تضاد موجود ہے، کیونکہ اگر ان کے اس قول کو مان لیا جائے تو پھر تمام اسباب کا تعطل در

کی عادت ہے، تو یہ اس شخص کو نتیجہ پیدا کرنے میں کسی قسم کا دخل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنے اس قول و مذہب میں حس، عقل، فطرت اور شرع کی مخالفت کرتے ہیں، بلکہ عقلاء کو اپنے اوپر ہنسنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ اس مسئلہ میں حق یہ ہے کہ یہاں مذکورہ دو اقسام کے علاوہ ایک تیسری قسم بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہر امر مقدر کے لئے اسباب ہوا کرتے ہیں، اور دعا بھی ان اسباب میں سے ایک سبب ہے، کیونکہ کوئی امر مقدر سبب کامل کے بغیر وقوع پذیر نہیں ہوتا، بلکہ اس کا کوئی نہ کوئی سبب مقرر ہوتا ہے، چنانچہ جب بندہ اس سبب سے کام لیتا ہے تو امر مقدر واقع ہو جاتا ہے، اور اگر سبب سے کام نہ لے تو واقع نہیں ہوتا، جیسے سیرابی اور شکم سیری کھانے پینے پر، تولد بچہ مباشرت پر، پیداوار کا حصول بیج بونے پر، حیوان کی موت قتل کرنے پر، دخول جنت اعمال صالحہ پر اور دخول دوزخ اعمال سیئہ پر موقوف ہے۔ اس مسئلہ میں یہی حق ہے، جس سے بعض محروم رکھے گئے ہیں، انہیں اس کی توفیق نہیں دی گئی۔

دعا حصول مطلوب کا قوی سبب ہے:

دعا حصول مطلوب کا ایک قوی ترین سبب ہے، کیونکہ جب حصول مراد دعا کے ساتھ مقدر ہے تو یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ دعا بے نتیجہ ہے۔ کیونکہ کوئی صاحب عقل یہ نہیں کہہ سکتا کہ کھانے پینے اور دیگر اعمال و حرکات میں کوئی فائدہ نہیں، لہٰذا حصول مطلوب و مراد کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کا نافع اور قوی سبب ہے۔

عمر بن الخطابؓ دعا سے سہارا لیتے تھے:

چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام امت سے بڑھ کر حقیقت دین سے واقف تھے۔ اس لئے سب سے بڑھ کر اس سبب اور شرائط و آداب کو جانتے تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ دشمن کے مقابلہ میں دعا ہی کا سہارا لیتے اور اسی کو اپنا عظیم لشکر سمجھا کرتے

تھے، اور صحابہؓ سے یوں فرمایا کرتے کہ ”تم اپنی کثرت تعداد سے دشمن پر غالب نہیں آتے، بلکہ تمہاری نصرت آسمان سے کی جاتی ہے۔“ نیز فرماتے کہ ”مجھے دعا کی قبولیت کی کوئی فکر نہیں، ہاں البتہ دعا کی فکر ہمیشہ دامن گیر رہتی ہے، اور جب مجھے دعا کے بارے الہام ہوتا ہے تو قبولیت اس کے ساتھ شامل ہوتی ہے۔“ چنانچہ اس مضمون کو کسی شاعر نے یوں نظم کیا ہے:

لو لم ترد نیل ما أرجو وأطلبه ۔۔۔۔ من جود کفک ما عودتنی الطلبا

”اے ممدوح! تیرے دونوں ہاتھوں کی بخشش سے جس عطا کی میں امید رکھتا ہوں اور اسے مانگتا ہوں اگر تو نے اس کے دینے کا ارادہ نہ کیا ہوتا تو مجھے مانگنے کی عادت ہی نہ ڈالتا، (ایک نسخہ میں علمتنی ہے یعنی مجھے مانگنا ہی نہ سکھاتا)

معلوم ہوا کہ جسے دعا کے بارے الہام ہوا ہو تو اسے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اس کی دعا ضرور قبول ہوگی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾

یعنی ”تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ (غافر: ۶۰)

نیز فرمایا:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾

یعنی ”جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے پوچھیں تو (کہہ دو) میں بہت قریب ہوں، جب پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں“ (البقرۃ: ۱۸۶)

سنن ابن ماجہ میں حدیث ابی ہریرہؓ مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

﴿من لم یسأل اللہ یغضب علیہ﴾

یعنی "جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتے ہیں۔"

معلوم ہوا کہ اللہ جل شانہٗ کی رضا و خوشنودی سوال کرنے اور عبادت بجا لانے میں ہے، اور اس کی رضا میں ہر قسم کی خیر داخل ہے، جس طرح اس کی ناراضی معصیت و نافرمانی کرنے میں ہے۔ امام احمدؒ نے کتاب الزہد میں یہ اثر ذکر کیا ہے

﴿انی انا اللہ لا الٰہ الا انا اذا رضیت بارکت ولیس لبرکتی منتہی، واذا غضبت لعنت ولعنتی تبلغ السابع من ولدہ﴾

یعنی "میں ہی حقیقی ایک معبود ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، جب میں راضی ہوتا ہوں تو خیر و برکت نازل کرتا ہوں، اور میری خیر و برکت کا کوئی ٹھکانا نہیں، اور جب میں ناراض ہوتا ہوں تو میں لعنت (رحمت سے دور) کرتا ہوں، اور میری لعنت ساتویں پشت تک اپنا اثر دکھاتی ہے۔"

اور اس امر پہ عقل و نقل، فطرت الٰہی، اور مختلف اقوام کے تجربات شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب، اس کی رضامندی حاصل کرنا اور مخلوق کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک، ہر قسم کی خیر و برکات حاصل کرنے کے لئے قوی اور عظیم سبب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دوری، اس کی ناراضگی اور مخلوق کے ساتھ برائی اور بدسلوکی ہر قسم کے شر کا

موجب ہیں، ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی تحصیل اور بلاؤ مصائب کے دفع کرنے میں عبادت وطاعت، قرب خداوندی اور مخلوق کے ساتھ حسن سلوک جیسی کوئی چیز نہیں۔

خیر وشر کا اعمال سے تعلق:

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں دنیا وآخرت میں ہر قسم کی خیر وشر کو اعمال سے اس طرح وابستہ کیا ہے جس طرح جزا شرط سے، معلول علت سے اور مسبب سبب سے متعلق ووابستہ ہوتا ہے۔ اس کی مثالیں قرآن پاک میں بے شمار ہیں، چنانچہ کبھی تو حکم خبری اور امر شرعی کسی ایسے وصف پر مرتب ہوتا ہے جو اس خبر یا حکم کے مناسب ہو، جیسے:

﴿فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ﴾

یعنی "جب انھوں نے ممنوع امر سے سرکشی کی تو ہم نے انھیں کہا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ۔" (اعراف:۱۶۶)

نیز جیسے فرمان خداوندی ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا﴾

یعنی "چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹ ڈالو، اس کام کی سزا میں جو انھوں نے کیا۔" (المائدہ:۳۸)

نیز جیسے فرمان الٰہی ہے:

﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ
وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ
وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصّٰٓئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ
وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ
كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا
عَظِيْمًا﴾

"مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں...... اللہ
کا ذکر کثیر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں، ان کیلئے
اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔" (احزاب ۳۵)

اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں، اور کبھی اس مضمون کو صیغہ شرط و جزا سے ادا
کیا جاتا ہے، مثلاً:

﴿اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ
وَيَغْفِرْ لَكُمْ﴾

یعنی "اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہیں غلبہ دے گا، اور تمہارے
گناہوں کو تم سے دور کر دے گا، اور تم کو بخش دے
گا۔" (الانفال ۲۹)

اسی طرح فرمان رب العالمین ہے:

﴿وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً
غَدَقًا﴾

یعنی "اگر وہ صراط مستقیم پر ٹھیک چلتے تو ہم انھیں آب کثیر سے

سیراب کرتے، اور کبھی اسم علت سے اس مفہوم کو ادا کیا جاتا ہے۔" (نحل ۱۰)

مثال:

﴿لیدبروا آیاته ولیتذکر اولو الالباب﴾

یعنی "تاکہ اس کی آیات میں غور کریں اور تاکہ صاحبانِ عقل نصیحت حاصل کریں" (ص ۲۹)

نیز فرمانِ ربِ دو جہاں ہے:

﴿لتکونوا شهداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شهیدا﴾

یعنی "تاکہ تم لوگوں پر شاہد ہو اور پیغمبر تم پر شاہد ہوں" (بقرہ ۱۴۳)

اور کبھی حرف کَی جس میں علت کا معنی پایا جاتا ہے، لایا جاتا ہے، مثلاً:

﴿کیلا یکون دولة بین الاغنیاء منکم﴾

یعنی "تاکہ تم میں سے دولتمندوں کے لیے ہی یہ گردش میں نہ آئے، یعنی وہی استعمال کرتے ہیں" (حشر ۷)

مثال:

﴿ذلک بما قدمت ایدیکم﴾

یعنی "یہ تمہارے ہاتھوں کے اعمال کے سبب ہے" (آل عمران ۱۸۲)

اسی طرح فرمانِ خداوندی ہے

﴿بما کنتم تعملون﴾

اور ایک جگہ

﴿بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ﴾ (آل عمران: ۱۰۶)

اور

﴿ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللّٰهِ﴾ (آل عمران ۱۱۲)

اور کبھی مفعول لہ کے ذریعہ اس مفہوم کو ادا کیا جاتا ہے، وہ مفعول لہ مذکور ہو یا محذوف، جیسے:

﴿فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى﴾

یعنی "ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جن کو تم شہادت (گواہی) میں پسند کرتے ہو، اگر ان دونوں عورتوں میں سے ایک غلطی کر جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے" (البقرۃ ۲۸۲)

اسی طرح یہ مثال:

﴿أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِينَ﴾

یعنی "اس لئے کہ کہیں تم یوں کہنے لگو کہ ہم تو اس سے غافل تھے" (الاعراف ۱۷۲)

اسی طرح یہ فرمان:

﴿أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أُنْزِلَ الْكِتَابُ عَلَى طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا﴾

یعنی "اس لئے کہ کہیں تم یوں کہنے لگو کہ ہم سے پہلے دو گروہوں پر کتاب نازل کی گئی اور ہم [illegible]" (الانعام ۱۵۶)

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ﴾

یعنی ''بے شک وہ برے لوگ تھے، سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا'' (الانبیاء: ۷۷)

کبھی ''حرف لولا'' لایا جاتا ہے جو ماقبل کے مابعد کے ساتھ مربوط ہونے پر دلالت کرتا ہے، جیسے:

﴿فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾

یعنی ''اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا تو قیامت کے دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے'' (الصافات: ۱۴۳، ۱۴۴)

اور کبھی حرف ''حرف لو'' جو شرط پر دلالت کرتا ہے، لایا جاتا ہے، جیسے:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾

یعنی ''اگر وہ لوگ نصیحت پر عمل کرتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا'' (النساء: ۶۶)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن کریم از اول تا آخر خیر و شر کی جزا اور شرعی و تکوینی احکام کے، ان کے اسباب پر مرتب ہونے کو نہایت صراحت کے ساتھ بیان کرتا ہے، بلکہ دنیا و آخرت کے تمام احکام، مصالح اور مفاسد کو اسباب اور اعمال کے متعلق قرار دیتا ہے، اور جو شخص اس مسئلہ میں خوب غور و فکر کرے گا اسے انتہائی نفع حاصل ہوگا، اور تقدیر پر محض جہالت، عجز اور کوتاہی کی بناء پر بھروسہ کر کے نہیں بیٹھے گا، کیونکہ اس طرح تو توکل عجز اور عجز توکل ہو جاتا ہے، اعلیٰ درجہ کا دانشمند شخص وہ ہے جو تقدیر کا مقابلہ تقدیر سے کرے، بلکہ انسان کی زندگی اس طریقے کے بغیر محال ہے، کیونکہ بھوک، پیاس، سردی اور ہر طرح کا خوف وغیرہ امور بھی تقدیر کا حصہ ہیں،

اور ہر ایک ان امور سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، اس پر اس شخص کو قیاس کرنا چاہئے جسے اللہ تعالیٰ نے حق کی توفیق عطا کی ہو اور ہدایت کا راستہ دکھایا ہو، کیونکہ وہ ضرور توبہ، ایمان اور اعمال صالحہ کے ذریعہ عذاب اخروی سے خود کو بچانے کی کوشش کرے گا۔ پس دنیا و آخرت دونوں کے لئے یکساں طور پر کوشش کرنی چاہئے، کیونکہ دونوں جہانوں کا پروردگار ایک اللہ ہے۔ اس کی حکمت بھی ایک ہے۔ اس کے احکام ایک دوسرے سے متعارض نہیں ہیں، اور نہ ہی باہم اختلاف کرتے ہیں۔ مسئلہ تقدیر نہایت اہم اور اشرف مسئلہ ہے، بشرطیکہ اس کو اچھی طرح سمجھ جائے اور اس کی قدر پہچانی جائے، اللہ تعالیٰ مددگار ہے۔ مگر یہاں دو امور باقی ہیں۔ جن پر سعادت وفلاح کا قیام مبنی ہے۔

امر اول:

یہ ہے کہ خیر وشر کے اسباب تفصیلی طور پر جاننا ضروری ہیں، یعنی عالم موجودات میں اپنے اور دوسروں کے تجربات، مشاہدات اور گزشتہ اور موجودہ اقوام کے حالات سے واقفیت حاصل کرنا بھی امر لازمی ہے۔

تاریخ، قرآنی واقعات کی تفصیل سے:

ان ضروریات کے پورا کرنے کے لئے قرآن مجید سے بڑھ کر کوئی چیز مفید نہیں، کیونکہ اس میں خیر وشر کے تمام اسباب کامل طور پر تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد سنت رسول ہے، جو اس بارے میں قرآن حکیم کی مثال اور وحی ثانی کا درجہ رکھتی ہے، لہٰذا جو شخص ان دونوں پر اپنی توجہ مرکوز رکھتا ہے۔ اس کو کسی اور جانب رجوع کرنے کی حاجت نہیں پڑتی، کیونکہ ان سے اس کو خیر وشر کی حقیقت اور ان کے اسباب کا پورا علم حاصل ہوتا ہے۔ جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کو دخل نہیں۔ کتاب وسنت سے ان واقعات کا علم ہو جاتا ہے جو مختلف اقوام کے

نجات، مطیع اور نافرمان قوموں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سلوک کو اگر بنظرِ تحقیق دیکھا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ یہ سب واقعات آیاتِ قرآنی کی تفصیل ہیں۔ جن کے متعلق اس نے مفصل خبر دے دی ہے، نیز واضح ہو جائے گا کہ تمام موجودات میں ہم جو کچھ دیکھتے ہیں ان کی ہر ایک چیز اس امر کی قطعی حجت و دلیل ہے کہ قرآن حکیم برحق ہے، رسول کریم برحق ہیں اور اللہ تعالیٰ ضرور اپنے وعدے پورا کیا کرتے ہیں، معلوم ہوا تاریخ ان جزوی امور کی تفصیل کا نام ہے۔ جن کے کلی اسباب کا علم ہمیں کتاب وسنت میں دیا گیا ہے۔

امرِ ثانی: اسباب کی نسبت نفس کا مغالطہ:

یہ کہ مذکورہ اسبابِ خیر و شر کی نسبت مغالطہ سے بچنا چاہئے، اور یہ بہت ضروری ہے، کیونکہ انسان اس بات کو تو جانتا ہے کہ گناہ اور طاعت وغیرہ ایسے اسباب ہیں جو دنیا و آخرت میں اس کے لئے مؤثر ہیں لیکن کبھی اس کا نفس اسے دھوکہ دیتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور عفو و درگزر پر بھروسہ کرتا ہے، اور کبھی یہ ارادہ کر لیتا ہے کہ بعد میں توبہ و استغفار کر لوں گا، اور کبھی یوں گمان لیتا ہے کہ نوافل و مستحبات کو بجالاؤں گا، کبھی کہتا ہے کہ تقدیر میں ہی ایسے لکھا تھا، یہ کہ فلاں فلاں بھی جو میری طرح کے ہیں ایسے ہی کرتے ہیں، یہ فلاں بڑے بزرگ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

استغفار کا مفہوم سمجھنے میں غلطی

اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خواہ کچھ بھی کرتا رہے، جب بعد میں توبہ کر لے اور یہ کہہ دے "استغفر اللہ" تو گناہ کا اثر بالکل زائل ہو جاتا ہے، چنانچہ ایک فقیہ بنے شخص نے مجھ سے کہا کہ میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں، بعد میں سو مرتبہ "سبحان اللہ وبحمدہ" کہہ لیا کرتا ہوں، جس سے سب کچھ معاف ہو جاتا ہے، کیونکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث صحیح میں آچکا ہے کہ "جو شخص "سبحان اللہ وبحمدہ" دن میں سو مرتبہ کہہ دے اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، اگرچہ وہ کفِ دریا کی

حج اکبر کے برابر ہوں گے۔

ایک اور شخص نے جو اہل مکہ سے تھا میرے پاس آ کر کہا کہ ہم جو چاہتے ہیں کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد غسل کر کے بیت اللہ کا طواف ہفتہ بھر کرنے سے ہمارے گناہ بالکل ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور شخص سے میں نے یوں سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "ایک شخص گناہ کر کے یوں کہتا ہے کہ پروردگار! میں نے گناہ کیا ہے، تو میرے گناہ کو معاف فرما دے، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو بخش دیتا ہے، پھر بھی وہ کوئی اور گناہ کرتا ہے اور اسی طرح کہتا ہے تو اللہ کریم فرماتے ہیں: میرے اس بندہ نے جان لیا ہے کہ میرا بھی کوئی رب ہے جو گناہ کو بھی معاف اور کبھی اس پر مواخذہ کیا کرتا ہے۔ سو میں نے اس کے گناہ بخش دیئے، وہ جو چاہے کیا کرے۔[1]

اور اس نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ میرا ایک رب ہے جو گناہ کو کبھی معاف اور کبھی اس پر مواخذہ کرتا ہے۔ اس قسم کے لوگ ان آیات واحادیث کو جن میں امید رحمت کا ذکر ہے، نہایت زور شور سے پیش کیا کرتے ہیں، اور ان پر پورا پورا بھروسہ کر بیٹھتے ہیں۔ اگر انہیں گناہ کے ارتکاب پر کسی قسم کی سرزنش کی جائے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت ومغفرت کی آیات واحادیث سنانے لگ جاتے ہیں، چنانچہ اس قسم کے نادانوں کی اس مسئلہ میں عجیب وغریب باتیں کی جاتی ہیں، حتیٰ کہ ذیل کا شعر انہی میں سے کسی نے کہا ہے:

وكثّر ما استطعت من الخطايا إذا كان القدوم على كريم

یعنی جس قدر تو گناہ کر سکتا ہے کر لے، کیوں کہ بالآخر تمہیں

---

[1] [illegible] [2] [illegible] (۷۵۰۷، ۲۷۵۸)

بڑے صاحب کرم کے حضور جاتا ہے۔''

ان ہی میں سے بعض کا یہ قول ہے کہ گناہوں سے اجتناب اللہ تعالیٰ کی وسعت عفو سے جاہل ہوتا ہے، کسی نے یوں کہا کہ آج کل وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے حق میں جسارت ہے مگر یہی مزید کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو دعا میں یہ الفاظ کہتے ہوئے سنا:

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعِصْمَۃِ﴾

یعنی ''اے اللہ! میں عصمت سے تیری پناہ لیتا ہوں۔ (مطلب یہ کہ میں عصمت نہیں چاہتا)''

جبریہ:

بعض جبریہ بھی فریب خوردہ ہیں جو جبر کے قائل ہیں، کہتے ہیں کہ انسان اپنا اختیار کچھ بھی نہیں رکھتا، بلکہ وہ گناہ کرنے پر مجبور کیا گیا ہے۔

مرجئہ:

اور بعض مرجئہ کے مسلک کے سبب فریب خوردہ ہیں، اور کہتے ہیں کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے، یعنی اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر ایمان لے آنا کافی ہے، اعمال کا ایمان میں کوئی دخل نہیں۔ چنانچہ وہ یقین کرتے ہیں کہ فاسق و زانی کا ایمان بھی جبرئیل و میکائیل علیہما السلام کے ایمان کے برابر ہے۔

محبت میں غلطی:

بعض یہ کہتے ہیں کہ فقراء، مشائخ اور صالحین سے محبت، ان کی قبور پر آمد و رفت، طلب ملاقات، تعزیت، ہاتھ چومنا اور مشائخ کے حق و حرمت سے سوال

کرنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (یعنی ان امور سے نیکی پر ثواب کی جرأت کرنا
ایک سخت مغالطہ ہے) بعض لوگ اپنے آباء واجداد کے صلاح وتقویٰ اور ان کی
فضیلت ومقام سے دھوکہ کھاتے ہیں، چنانچہ سلاطین کے ہاں یہ طریقہ ہے کہ اپنے
مقربین کے رشتہ داروں اور قریبیوں کے جرائم معاف کر دیا کرتے ہیں۔ اس سے
انہیں یقین ہوتا ہے کہ اگر ان سے کوئی جرم سرزد ہوا تو اپنے بڑوں کے توسط سے بچ
جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ:

بعض یوں دھوکہ کھاتے ہیں کہ نہ تو عذاب دینے سے اللہ تعالیٰ کی سلطنت
میں کوئی اضافہ ہوتا ہے، اور نہ رحمت کرنے پر کوئی کمی واقع ہوتی ہے۔ اس لئے وہ یہ
خیال کرتے ہیں کہ ہم اس کی رحمت کی طرف مجبور ہیں اور وہ غنی مطلق ہے۔
اگر بالفرض کوئی فقیر محتاج شخص ایسے شخص کے پاس بیٹھے جس کے گھر کے اندر نہر
جاری ہو، اور اس فقیر کو پیاس لگ جائے تو وہ اس کو ہرگز پانی پینے سے نہیں روکے گا،
اللہ تعالیٰ تو اس سے بھی زیادہ مستحق الرحمت ہیں، کیونکہ نہ رحمت سے اس کے خزانہ میں
کمی آتی ہے، اور نہ عذاب سے کچھ زیادتی۔

آیات واحادیث کے متعلق کم فہمی:

بعض لوگ اپنی کم فہمی کی وجہ سے قرآن وحدیث کا مفہوم غلط سمجھ کر بھروسہ
کر بیٹھتے ہیں، چنانچہ آیت ولسوف یعطیک ربک فترضی (الضحیٰ ۵) کے معنی یہ
بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب
تک کہ امت کا ایک فرد بھی دوزخ میں ہوگا، حالانکہ یہ انتہائی درجہ کی جہالت اور کذب
بیانی ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی اس امر میں ہے جس میں اللہ
تعالیٰ کی رضامندی ہے، اور چونکہ اللہ تعالیٰ ظالموں، فاسقوں، خائنوں اور گناہ پر

حقیقت یہ ہے کہ شیطان نفس امارہ اور جہالت و ہوائے نفس نے اس کو دھوکہ دے رکھا ہے، کیونکہ لفظ "رب کریم" کا معنی سید عظیم اور واجب الطاعت کے ہیں۔ جس کی نسبت دھوکہ کھایا جانا اور اس کے حقوق کی نگہداشت میں غفلت کرنا ہرگز شایان شان نہیں۔ سو اس جاہل نے لفظ غرور کو بے محل استعمال کیا، اور نامناسب طور پر اللہ تعالیٰ کی نسبت دھوکہ میں پڑ گیا، اور بعض جاہل آیت

﴿لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ﴾

یعنی "آتش دوزخ کی شدت کو وہی شخص برداشت کرے گا جس
نے تکذیب کی اور اعراض کیا۔"

اور آیت ﴿أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ﴾ (البقرۃ ۲۴) سے دھوکہ کھا جاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اس آتش سے وہ مخصوص آتش مراد ہے جو آیت ﴿فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ﴾ (اللیل ۱۴) میں مذکور ہے۔ اگر تمام دوزخ کی آگ مراد ہوتی تو "لا یصلاھا" کے بجائے "لا یدخلھا" کا لفظ ہوتا، اور پھر آتش دوزخ کی شدت برداشت نہ کرنے سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ وہ آتش دوزخ میں داخل بھی نہیں ہوگا، کیونکہ "لا یصلاھا" بہ نسبت "لا یدخلھا" کے خاص ہے، اور خاص کی نفی سے عام کی نفی لازم نہیں آتی ہے۔ اگر یہ جاہل مابعد کی آیت میں غور کرتا تو اس پر واضح ہو جاتا کہ "لا یصلاھا" ایسے مجرموں کو شامل نہیں ہے، اور آیت "اعدت للکافرین" سے ہرگز یہ نہیں سمجھا جاتا کہ فاسق اور ظالم لوگ اس میں داخل نہیں ہوں گے، کیونکہ جنت کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے "اعدت للمتقین" فرمایا ہے جس سے ہرگز یہ نہیں سمجھا جاتا کہ جن لوگوں کے دلوں میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا جنت

۱۔ اللیل ۱۵، ۱۶

میں داخل نہیں ہوتے۔ اور بعض جاہل یوم عاشورہ اور یوم عرفہ کے روزوں سے دھوکہ کھا جاتے ہیں، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ یوم عاشورہ کا روزہ سال بھر کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اور عرفہ کا روزہ ثواب میں اضافہ کرتا رہا۔ حالانکہ یہ جاہل نہیں جانتا کہ ماہ رمضان کے روزے اور پانچوں نمازیں جو یوم عاشورہ اور یوم عرفہ کے روزوں سے بڑھ کر موجب اجر عظیم ہیں صرف اسی صورت میں گناہوں کا کفارہ ہو سکتے ہیں کہ جب انسان کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتا رہے، تو ماہ رمضان اور ایک جمعہ تا دوسرے جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ کبائر کو ترک کر دیا جائے۔ یعنی نماز جمعہ ادا کرنا اور کبائر سے بچنا دونوں مل کر ہفتہ بھر کے گناہوں کا کفارہ ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس قسم کے نفل روزے تمام بڑے بڑے گناہوں کو ساقط کر سکتے ہیں؟ جبکہ وہ روزہ دار کبائر پر مصر ہو اور توبہ تک بھی نہ ہو، یہ محض وہم خیالی ہے۔ بالفرض والمحال اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ یوم عاشورہ اور یوم عرفہ کا روزہ سال بھر کے گناہوں کے لئے موجب کفارہ ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس قسم کے وعدوں کے لئے کچھ شرائط و موانع ہوں، چنانچہ کبائر پر اصرار بھی ایک مانع ہو سکتا ہے۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یوم عاشورہ اور یوم عرفہ کا روزہ صرف اسی صورت میں باعث کفارہ ہوتا ہے جبکہ کبائر پر اصرار نہ کیا جائے، جس طرح ماہ رمضان کے روزے اور پانچوں نمازیں صغیرہ گناہوں کے لئے صرف اسی صورت میں کفارہ ہو سکتے ہیں جبکہ کبائر سے اجتناب کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:

﴿إِن تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ
سَيِّئَاتِكُمْ﴾

یعنی "تم اگر کبائر سے پرہیز رکھو گے جن سے تمہیں منع کیا گیا

ایسی حالت میں اس کو حسن ظن کیوں ہونے لگے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نسبت سب سے زیادہ حسن ظن رکھنے والا وہی شخص ہو سکتا ہے جو اس کا سب سے زیادہ مطیع وفرمانبردار ہو۔ چنانچہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "ایماندار آدمی اللہ تعالیٰ کے حق میں نیک گمان رکھتا ہے۔ اسی لئے وہ نیک اعمال بجالاتا ہے۔ اور فاسق آدمی اللہ تعالیٰ کے حق میں بدگمان رہتا ہے۔ اسی لئے وہ برے اعمال کرتا ہے"۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جو شخص گم گشتہ راہ ہو، جیسے موجب غضب خداوندی امور بجالاتا ہو، خود کو اس کے عتاب کا مورد بناتا ہو، اس کے اوامر ونواہی کا خیال نہ رکھتا ہو، انہیں خفیف سمجھ کر ترک کر دیتا ہو اور اصرار کرتا چلا جاتا ہو، ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی نسبت حسن ظن رکھے؟ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ کرتا ہو، اس کے مقبول بندوں سے عداوت اور اس کے دشمنوں سے دوستی رکھتا ہو اور اس کی صفات کمالیہ کا منکر ہو اور جن کمالات واوصاف کے ساتھ اس نے اور اس کے رسولوں نے اسے موصوف کیا ہو، ان کی نسبت بدگمان ہو اور اپنی جہالت کی بنا پر یہ گمان کرتا ہو کہ یہ باتیں ظاہراً کفر وضلالت ہیں۔ ایسا آدمی اللہ تعالیٰ کی ذات کے حق میں نیک گمان رکھ سکتا ہے؟ اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نسبت یہ زعم رکھتا ہو کہ وہ نہ متکلم ہے اور نہ امر ونہی کرتا ہے اور نہ خوش وناخوش ہوتا ہے۔ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہو؟ حالانکہ اللہ جل جلالہ تمام جزئیات کے سننے اور دیکھنے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾

یعنی "تمہارا گمان اپنے رب کے بارے میں باطل تھا جس نے تمہیں ہلاک کیا، سو تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے"۔ (حم سجدہ ۲۳)

جب یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نسبت یہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ ان کے اعمال کا علم نہیں رکھتا تو یہ باری تعالیٰ کے حق میں سوء ظن ہے جس ظن نے انہیں ہلاک کر ڈالا، اور یہی حالت ان تمام لوگوں کی ہوا کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ اور صفات جلالیہ کا انکار کیا کرتے ہیں۔ اس ذات کو ایسی صفات سے متصف سمجھتے ہیں جو اس کی شایان شان نہیں، ایسا شخص جب یہ یقین کر بیٹھے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دیں گے تو یہ اس کے نفس امارہ کا دھوکہ اور شیطان کا فریب ہے، نہ کہ رب تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن، اس مقام پر خوب غور وفکر اور اس کی حقیقت پر آگاہ ہونا چاہیے، کیونکہ یہ ایک نہایت ضروری امر ہے۔ غور کیجئے کہ یہ بات کس طرح ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ یقین رکھ کر کہ اللہ تعالیٰ اس کے تمام حالات کو دیکھتا، سنتا اور اس کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے اور یہ یقین رکھ کر کہ اسے ایک نہ ایک دن احکم الحاکمین کے حضور اپنے اعمال کا جوابدہ ہونا ہے، وہ ایسے امور میں غلطاں رہے جو اس کے غضب کا موجب ہیں۔ اس کے احکام کو ضائع کرے، اور اس کے حقوق کی کچھ بھی پرواہ نہ کرے اور باایں ہمہ یہ کہا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حق میں حسن ظن رکھتا ہے۔ بے شک یہ اس کے نفس کا دھوکہ اور محض خام خیالی ہے۔ ابوامامہ سہل بن حنیف فرماتے ہیں کہ "میں اور عروہ بن زبیرام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے اثنائے کلام فرمایا کہ کاش تم لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھتے جبکہ وہ بیمار تھے، اور میرے پاس چھ یا سات دینار پڑے تھے، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم انہیں فی سبیل اللہ تقسیم کر دو، ام المومنینؓ فرماتی ہیں کہ میں حضور علیہ السلام کی بیماری کی فکر میں لگی رہی اور تعمیل ارشاد کا مجھے موقع نہ ملا، جب حضور پرنور علیہ السلام صحت یاب ہوئے تو مجھ سے ان دیناروں کے متعلق دریافت فرمایا کہ کیا تم نے وہ دینار تقسیم کر دیئے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ

وفات تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی وجہ سے اس تقسیم و بچ نہ سکی۔ تب حضور نے ان دیناروں کو منگوایا اور یوں فرمایا:

﴿ما ظن نبي الله لو لقي الله وهذه عنده﴾

یعنی "ایک اللہ کے نبی کا خدا تعالیٰ کے ساتھ کیا حسن ظن ہوگا جبکہ وہ اپنے حال میں احکم الحاکمین کے حضور حاضر ہو کہ یہ دینار اس کے پاس جمع تھے۔"

مجھے سخت تعجب ہے کہ جب ایک اللہ کے نبی کی یہ حالت ہے کہ وہ مذکورہ امر کو خدا تعالیٰ کی ذات کے حق میں سوء ظن سمجھتے ہیں تو ان ظالموں اور فاسقوں کی خدا کے سامنے کیا حالت ہوگی؟ جو ہزاروں بندگان خدا کے حقوق کا بوجھ اپنی گردنوں پر لے کر حاضر ہوں گے؟ اگر احکم الحاکمین کے حضور ان کا یہ جواب ہو کہ "اے اللہ! ہم تیرے حق میں نیک گمان رکھا کرتے تھے۔ اس لئے ہم نے یہ سب کچھ کر لیا" تو پھر یقیناً کوئی فاسق اور کوئی فرد بھی عذاب الٰہی میں گرفتار نہیں ہوگا۔ اس لئے ہر شخص جو چاہے کرتا پھرے، اوامر و نواہی کی مطلق پرواہ نہ کرے، کیونکہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے حق میں حسن ظن رکھنا آتش دوزخ سے بچنے کے لئے کافی ہے۔ سبحان اللہ! انسان کو دھوکہ کہاں تک لے جاتا ہے؟ دیکھو! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو کن لفظوں میں خطاب کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَئِفْكًا آلِهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ ۝ فَمَا ظَنُّكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (صافات: ۸۶، ۸۷)

یعنی "کیا تم اپنے معبودوں کو جو غیر اللہ ہیں جھوٹ موٹ چاہتے ہو؟ پس تم رب العالمین کے ساتھ کیا گمان رکھتے ہو؟"

حسنِ ظن ہی حسنِ عمل پر آمادہ کرتا ہے

الغرض جو شخص اس مسئلہ میں کامل غور کرے گا اس پر یہ حقیقت واضح ہوجائے گی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن رکھنے سے مراد صرف نیک اعمال بجالانا ہے، کیونکہ انسان کو نیک اعمال کی طرف صرف یہ خیال راغب کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو نیک اعمال پر جزائے خیر اور اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے، تو حسنِ عمل پر بھی حسنِ ظن متوجہ کرتا ہے۔ جس قدر اس کا حسنِ ظن زیادہ ہوگا اسی قدر اس کے حسنِ عمل میں اضافہ ہوگا، ورنہ خواہشاتِ نفس کی پیروی کرکے حسنِ ظن رکھنا ایک طرح کا عجز ہے، چنانچہ ترمذی اور مسند میں بحدیث شداد بن اوسؓ مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا:

الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ،
وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ[1]

یعنی "دانا آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے (یعنی اس کا نفس اس کے قبضہ میں ہو) اور مابعد الموت کے لئے نیک اعمال کرتا ہو، اور عاجز وہ ہے جو خواہشاتِ نفس کی پیروی کرے آرزؤں کا خداتعالیٰ سے طالب ہو۔"

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حسنِ ظن اسی وقت صحیح ہوسکتا ہے جبکہ نجات کے اسباب بھی تیار کرے، ورنہ اسبابِ ہلاکت تیار کرنے سے حسنِ ظن بالکل بے معنی بات ہے۔

حسنِ ظن اور فریب خوردگی میں فرق:

اگر کوئی شخص یوں کہنے لگے کہ ایسی صورت میں بھی حسنِ ظن ممکن ہے، کیونکہ

---

[1] ضعیف الجامع الصغیر (۴۳۱۰)

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار ہونا اور اس کی اطاعت نہ کرنا رسوائی اور
بیوقوفی ہے۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ وہ ذات جس نے تین درہم کے سرقہ (شافعیہ
کے نزدیک) پر اس دنیا میں قطع عضو کی سزا مقرر کی ہے۔ اس کی نسبت یہ کیسے خیال
کیا جا سکتا ہے کہ وہ آخرت میں اسی طریق پر گناہوں پر سزا نہ دے گا۔ حضرت حسنؒ
سے کسی نے کہا کہ ہم آپ کو بہت روتے دیکھتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے ڈر
ہے کہ اللہ تعالیٰ کہیں مجھے دوزخ میں نہ پھینک دے اور مجھے پرواہ بھی نہ کرے۔ آپ
فرمایا کرتے۔ لوگوں کو مغفرت کی آرزوؤں نے غافل کر رکھا ہے۔ دنیا سے توبہ کے
بغیر گزر جاتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ مجھے اپنے رب کے ساتھ نیک گمان ہے۔ وہ
جھوٹ بولتا ہے، کیونکہ اگر اسے اپنے رب کے ساتھ حسن ظن ہوتا تو یقیناً حسن عمل بھی
کرتا۔ کسی نے حضرت حسنؒ سے سوال کیا اے ابو سعید! ان لوگوں کی مجلس میں بیٹھنے
کے بارے میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں جو ہمیں عذاب الٰہی سے اس قدر ڈراتے
ہیں کہ جس سے ہمارے دل پھٹ جاتے ہیں؟" آپ نے فرمایا اللہ! تمہارا ایسے
لوگوں کے پاس بیٹھنا جن کے ڈرانے کا نتیجہ امن ہو، ان لوگوں کے پاس بیٹھنے سے
کہیں زیادہ بہتر ہے جو تمہیں عذاب الٰہی سے بے خوف کر دیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہو کہ تم
خوف و عذاب کے خطرات میں جا پھنسو۔ صحیحین میں حضرت اسامہ بن زیدؓ سے مروی ہے
کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد فرماتے سنا: "قیامت کے روز ایک
شخص پیش کیا جائے گا۔ اس کے بعد وہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ پس اس کی انتڑیاں
اس کے پیٹ سے باہر نکل پڑیں گی اور وہ دوزخ میں یوں گھومے گا جیسے چکی کے
گرد گدھا گھومتا ہے۔ اہل دوزخ اس کے پاس جمع ہو کر اس سے پوچھیں گے کہ اے
فلاں تیری یہ حالت کیسے ہے؟ کیا تو ہمیں نیکی کا حکم اور برائی سے منع نہیں کیا کرتا تھا؟ وہ
کہے گا کہ ہاں، نیکی کا حکم تو دیتا تھا مگر خود نہیں کرتا تھا، برائی سے روکتا تھا اور خود اس کا

نے پوچھا کہ جبرئیل! یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی غیبت اور آبرو ریزی کیا کرتے تھے۔[1]

نیز مسند احمد میں انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اکثر یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

﴿یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ وَالْاَبْصَارِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ﴾

یعنی ”اے دلوں اور نگاہوں کے پھیرنے والے میرے دل کو دین پر قائم رکھو۔“

ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم لوگ آپؐ پر اور قرآن پاک پر ایمان لاتے ہیں۔ کیا آپؐ کو ہماری نسبت کچھ خوف واندیشہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! کیونکہ لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان میں ہیں، وہ انھیں جس طرف چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔[2]

نیز مسند میں انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کیا وجہ ہے کہ میں نے میکائیل علیہ السلام کو کبھی ہنستے نہیں دیکھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ جب سے دوزخ پیدا ہوئی ہے وہ کبھی نہیں ہنسے۔[3]

صحیح مسلم میں حدیث انس بن مالکؓ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”قیامت کے روز اہل دوزخ میں سے ایسا شخص جو دنیا میں سب سے زیادہ نازونعمت میں رہا ہوگا پیش کیا جائے گا۔ اس کو آگ میں رگڑنے کے بعد پوچھا جائے گا کہ اے ابن آدم! کیا تو نے مال و دولت اور نازونعمت کو کبھی دیکھا بھی تھا؟“ وہ کہے گا کہ واللہ! نہیں دیکھا تھا اے میرے پروردگار! پھر اہل جنت میں سے بھی ایسا شخص جو دنیا میں سب سے زیادہ تنگی میں جکڑا رہا تھا، پیش کیا جائے گا اور اس کو جنت

---

[1] [illegible]
[2] [illegible]
[3] [illegible]

میں رکھنے کے بعد پوچھا گیا کہ اے ابن آدم! کیا تو نے بھی کوئی مصیبت کو دیکھا بھی تھا؟ وہ کہے گا واللہ! اے پروردگار! نہ تو کبھی مجھ پر کوئی آئی تھی، اور نہ میں نے کوئی مصیبت دیکھی ہے۔

مسند احمد میں حدیث براء بن عازبؓ منقول ہے کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک انصاری کا جنازہ پڑھنے کے لئے نکلے اور قبر تک پہنچے، قبر ابھی تیار نہیں ہوئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوگئے، ہم بھی آپ کے ارد گرد چپ چاپ بیٹھ گئے، حضورؐ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ زمین کو کرید رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضورؐ نے سر مبارک اٹھایا اور دو یا تین مرتبہ فرمایا: عذاب قبر سے اللہ کی پناہ لو۔ پھر فرمایا: مومن جب دنیا کو چھوڑ کر آخرت کی طرف متوجہ ہونے لگتا ہے تو آسمان سے آفتاب کی طرح چمکتے چہروں والے فرشتے اہل جنت کا کفن اور خوشبو لے کر حاضر ہوتے ہیں اور میت کی حد نگاہ کے فاصلہ تک بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت اس شخص کے سرہانے آکر بیٹھ جاتا ہے، اور اس کی روح کو یوں خطاب کرتا ہے: اے نفس مطمئنہ! اللہ کی مغفرت اور خوشنودی کی طرف باہر نکل چل۔ وہ اس طرح بہہ نکلتی ہے جس طرح مشک کے دہانے سے پانی کا قطرہ، ملک الموت اس کو لے لیتا ہے، اس کے بعد حاضر فرشتے فوراً ان کے ہاتھ سے لے کر کفن اور خوشبو میں لپیٹ لیتے ہیں، جس سے مشک کی اعلیٰ ترین پاکیزہ خوشبو نکلتی ہے جو روئے زمین کی تمام خوشبوؤں سے بڑھ کر ہوتی ہے، پھر اس کو اوپر لے چلتے ہیں فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گذرتے ہیں وہ جماعت ملائکہ ان سے پوچھتی ہے کہ یہ کس شخص کی پاک روح ہے؟ وہ اس کا ان کے سب سے اچھے نام سے ذکر کرتے ہیں جس سے وہ دنیا میں موسوم ہوتا تھا کہ یہ فلاں بن فلاں کی روح ہے۔ تا آنکہ یہاں پہنچ کر فرشتے آسمان کا دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں، دروازہ کھول دیا جاتا

آدمی جب دنیا چھوڑنے اور آخرت کی طرف متوجہ ہونے لگتا ہے تو آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے ٹاٹ یا کمبل لے کر اترتے ہیں، اور اس کے پاس حدنگاہ کے فاصلہ تک بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت آتا ہے اور سرہانے بیٹھ کر اسے یوں کہتا ہے: اے نفسِ خبیث! اللہ کے غیظ وغضب کی طرف نکل، آپؐ نے فرمایا: اس کی روح اس کے جسم میں متفرق ہو جاتی ہے۔ ملک الموت اس کو اس طرح کھینچتا ہے جس طرح تر اون سے لوہے کی گرم سیخ، ملک الموت اس کو قابو کر لیتا ہے، اس کے بعد حاضر فرشتے فی الفور اسے لیکر اس کمبل میں ڈال دیتے ہیں، جس سے نہایت گندی مردار کی سی بدبو آنے لگتی ہے، پھر وہ اس کو اوپر کی طرف لے جاتے ہیں، فرشتوں کی جس جماعت سے ان کا گزر ہوتا ہے وہ جماعت ان سے پوچھتی ہے کہ یہ کس کی خبیث روح ہے؟ وہ اس شخص کو نہایت برے سے برے نام سے یوں ظاہر کرتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں کی روح ہے۔ پس اس کے لئے آسمان کا دروازہ کھولنے کی استدعا کی جاتی ہے لیکن دروازہ نہیں کھولا جاتا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ﴾

یعنی "ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ جنت میں داخل ہوں گے، جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے گزر نہ جائے۔" (الاعراف ۴۰)

پھر اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ اس شخص کا نامہ اعمال سب سے نچلی زمین کے مقام سجین میں لکھ دو، پھر اس کی روح پھینک دی جاتی ہے۔

آپؐ نے یہ آیت پڑھی:

﴿وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ﴾

یعنی ''جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے وہ آسمان سے گر پڑے اور اس کو پرندے اچک لیں یا ہوا اس کو دور دراز مقام میں اڑا کر لے جائے۔'' (حج:۳۱)

پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور دو فرشتے آکر اس کو بٹھاتے ہیں، اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ آہ آہ میں نہیں جانتا، پھر اس سے پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے آہ آہ، مجھے معلوم نہیں، پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ یہ شخص (حضور علیہ السلام) جو تم میں مبعوث ہوئے کون ہیں؟ وہ کہتا ہے آہ آہ میں نہیں جانتا، تب آسمان سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے، میرے بندے نے تکذیب کی ہے۔ اس کے لئے آگ کا بستر بچھا دو۔ آگ ہی کا لباس پہنا دو اور دوزخ کی جانب اس کے لئے ایک دروازہ کھول دو، جہاں سے اس کو سخت حرارت اور گرم ہوا پہنچتی ہے، اور قبر اس پر اتنی تنگ ہو جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں باہم مل جاتی ہیں اور ایک نہایت بدصورت، بدلباس اور بدبودار آدمی اس کے پاس آکر کہتا ہے: خوشخبری ہو اس غم والم کی جو تجھے غمناک کرتی ہے، یہ وہی دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ وہ کہتا ہے تو کون ہے؟ جس کے چہرے سے آثار شر نمایاں ہو رہے ہیں؟ وہ کہتا ہے کہ میں تیرا عمل بد ہوں، وہ کہنے لگتا ہے، خدایا! قیامت قائم نہ کیجیو۔ مسند احمد کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: پھر ایک اندھے، بہرے اور گونگے کو اس پر مقرر کیا جاتا ہے جس کے ہاتھ میں ایک ایسا گرز ہوتا ہے کہ اگر پہاڑ پر مارا جائے تو وہ مٹی ہو جائے، وہ اسے مارتا ہے جس سے وہ چکنا چور ہو جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو اصلی حالت پر لاتے ہیں اور اسی طرح پھر وہ مارتا ہے اور وہ اس زور سے چیخ چلاتا ہے کہ جن و انس کے سوا ہر چیز سنتی ہے، حضرت براءؓ فرماتے

ہیں کہ اس کے بعد دوزخ کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، اور آگ کا بستر اس کے لئے بچھایا جاتا ہے، نیز مسند احمد میں انہی سے مروی ہے کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، آپؐ نے چند آدمیوں کو ایک جگہ دیکھ کر پوچھا: یہ لوگ کیوں جمع ہو رہے ہیں؟ کسی نے جواب دیا کہ قبر کھود رہے ہیں، نبی علیہ السلام بے چینی سے ہو کر صحابہؓ سے آگے نکل گئے، اور اس قبر تک پہنچ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے، میں آپؐ کے سامنے کی جانب ہو کر دیکھنے لگا کہ آپ کیا کرتے ہیں، میں نے دیکھا کہ آپؐ رو رہے ہیں، آنسوؤں سے خاک تر ہوگئی، پھر آپؐ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

﴿أَيْ إِخْوَانِيْ لِمِثْلِ هٰذَا الْيَوْمِ فَأَعِدُّوْا﴾[1]

یعنی "اے بھائیو! ایسے دن کے لئے تمہیں بھی تیاری کرنی چاہئے۔"

مسند احمد میں حدیث بریدہؓ مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز ہماری طرف تشریف لائے، اور تین دفعہ پکار کر فرمایا: "اے لوگو! جانتے ہو میری اور تمہاری مثال کیا ہے؟ صحابہؓ نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ خوب جانتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: میری اور تمہاری مثال جیسے ان لوگوں کی سی ہے جو کسی آنے والے دشمن سے خوف زدہ ہوں، اور کسی کو دشمن کے دیکھنے کے لئے بھیجیں، اور وہ دشمن کو دیکھ لے اور انہیں دشمن سے ڈرانے کے لئے واپس لوٹے اور اسے یہ بھی خوف ہو کہ ان لوگوں کو ڈرانے سے پہلے ہی کہیں دشمن ان کو آنہ پکڑے، پس وہ وہیں اپنے کپڑے سے اشارہ کر کے یوں کہنے لگے۔ لوگو! دشمن آگیا، لوگو! دشمن آگیا، یہ آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا۔"[2]

صحیح مسلم میں بحدیث جابرؓ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

۱ مسند احمد (۲۹۴/۴)   ۲ احمد (۳۴۸/۵)

ارشاد فرمایا: "ہر نشہ آور چیز حرام ہے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ عہد کر لیا ہے کہ جو شخص نشہ آور چیز پئے گا اس کو "طینۃ الخبال" پلائے گا۔ کسی نے پوچھا "طینۃ الخبال" کیا ہے؟ فرمایا: دوزخیوں کا پسینہ یا ان کی پیپ ہے۔"[1]

نیز مسند احمد میں بروایت ابی ذرؓ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میں ایک ایسی حالت دیکھتا ہوں جس کو تم نہیں دیکھتے، اور ایسی باتیں سنتا ہوں جن کو تم نہیں سن سکتے، آسمان سے اونٹ کے کجاوہ کی طرح آواز آرہی ہے، اور ضروری ہے کہ وہ ایسی آواز کرے (کیونکہ) اس میں چار انگل کی بھی جگہ خالی نہیں جس میں کوئی فرشتہ سجدہ میں پڑا اللہ کی تسبیح نہ کر رہا ہو، اگر تم لوگ اس حالت کو جانتے جس کو میں جانتا ہوں تو تم کبھی نہ ہنستے اور ہمیشہ رویا کرتے، اور بستروں پر عورتوں سے لطف اندوز نہ ہوتے، اور چھپنا گھروں سے باہر میدانوں میں نکل جاتے، اور اللہ کے سامنے گڑگڑاتے، ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ واللہ! میں نے چاہا کہ میں درخت بن جاؤں جو کاٹ دیا جائے۔"

نیز مسند احمد میں بروایت حذیفہؓ مروی ہے کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں تھے۔ جب ہم قبر پر پہنچے تو حضور علیہ السلام پنڈلیوں کے بل بیٹھ گئے، اور اس قبر کو بار بار دیکھتے رہے، پھر فرمایا: "مومن کو قبر میں زور سے بھینچا جاتا ہے، جس سے اس کی خصیتین کی رگیں علیحدہ ہو جاتی ہیں، اور کافر کو آگ میں دبا دیا جاتا ہے۔"[2]

نیز مسند احمد میں حدیث جابرؓ مروی ہے کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سعد بن معاذؓ کے جنازہ کے لئے نکلے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا جنازہ پڑھ چکے اور انہیں قبر میں رکھ کر مٹی برابر کر دی گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

۱ مسلم (ج ۲ ص ۱۶۷) الاشربۃ ۲ مسند احمد ص ۳۶۴

نے تسبیح پڑھی، ہم لوگ بھی دیر تک تسبیح پڑھتے رہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی، ہم نے بھی تکبیر کہی، آپ سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے کیوں تسبیح پڑھی اور پھر تکبیر کہی؟ آپ نے فرمایا:

﴿لَقَدْ تَضَايَقَ عَلَى هَذَا الْعَبْدِ الصَّالِحِ قَبْرُهُ حَتَّى فَرَّجَهُ اللَّهُ عَنْهُ﴾[1]

یعنی ''اس صالح آدمی پر قبر تنگ ہوگئی تھی، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے تنگی کو دور فرمایا۔''

صحیح بخاری میں حدیث ابی سعیدؓ مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جب جنازہ تیار ہو جاتا ہے، اور لوگ اس کو اپنی گردنوں پر اٹھا کر لے چلتے ہیں، تو اگر نیک صالح ہو تو کہتا ہے کہ مجھے آگے لے چلو، اگر غیر صالح ہو تو کہتا ہے کہ ہائے مصیبت! کہاں لے جا رہے ہو؟ اس کی آواز کو انسان کے سوا باقی تمام چیزیں سنتی ہیں۔ اگر انسان سن لیتا تو بے ہوش ہو کر گر پڑتا۔''[2]

مسند امام احمدؒ میں حدیث ابی امامہؓ مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن آفتاب ایک میل کے فاصلہ پر آ جائے گا، اور شدت حرارت میں بڑھتا ہوا ہوگا۔ جس سے لوگوں کے سر ہنڈیا کی طرح جوش مارتے ہوں گے، اور اپنے اپنے گناہوں کے مطابق پسینہ میں ڈوبے ہوئے ہوں گے، بعض ٹخنوں تک، بعض پنڈلیوں تک، بعض کمر تک، بعض منہ تک پسینہ میں غرق ہوں گے۔''[3]

نیز مسند احمد میں حدیث ابن عباسؓ منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ مسند احمد (۳/۳۶۰)　　۲۔ بخاری (۱۳۱۴) فتح الباری

۳۔ مسند احمد (۵/۲۵۴)

نے ارشاد فرمایا: "میں کیسے خوش ہو سکتا ہوں، حالانکہ یہ ہے کہ اسرافیل علیہ السلام سینگ
کو منہ میں لئے کھڑے ہیں، اور ان کی پیشانی ایک طرف کو جھکی ہوئی ہے۔ (یعنی صور
پھونکنے کو بالکل تیار ہیں) جونہی حکم ہوگا صور پھونک دیں گے، صحابہؓ نے سوال کیا کہ
پھر ہم کیا کہا کریں؟ آپؐ نے فرمایا تم یہ کہا کرو

﴿حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلْنَا﴾ [1]

نیز مسند احمد میں حدیث ابن عمر مرفوعاً مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص خود کو بڑا سمجھتا ہے، یا اترا کر چلتا ہے، وہ اللہ سے
غضب کی حالت میں ملاقات کرے گا۔" [2]

صحیحین میں انہی سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد
فرمایا "تصویر بنانے والے قیامت کے دن عذاب دیئے جائیں گے، اور انہیں کہا
جائے گا کہ اپنی پیدا کردہ چیزوں کو زندہ کرو۔"

نیز صحیحین میں انہی سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد
فرمایا: "تم میں سے جب کوئی مرتا ہے تو صبح وشام اس کو اس کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے۔
اگر وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے تو اہل جنت کا اور اگر اہل جہنم میں سے ہوتا ہے تو
اہل جہنم کا، اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تجھے قیامت
کے دن اٹھائے۔" نیز صحیحین میں انہی کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے ارشاد فرمایا" جب اہل جنت جنت میں، اور اہل دوزخ، دوزخ میں چلے
جائیں گے تو موت کو جنت و دوزخ کے درمیان لا کھڑا کر کے ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر
ایک پکارنے والا پکارے گا کہ اہل جنت! اب تمہارے لئے ہمیشگی ہے اور موت نہیں
اور اے اہل دوزخ اب تمہارے لئے ہمیشگی ہے اور موت نہیں، جس سے اہل جنت کو

[1] [illegible]　　[2] صحیح الجامع الصغیر [illegible]

بہت خوش ہوں گے لیکن اہل دوزخ سخت غمزدہ اور پریشان۔"

نیز مسند میں انہی سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: "جو شخص دس درہم کا کوئی کپڑا خریدے، جس میں ایک درہم حرام کا ہو تو جب تک وہ کپڑا اس شخص کے بدن پر رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی نماز کو قبول نہیں فرماتے، پھر انھوں نے اپنے کانوں میں دونوں انگلیاں ڈالیں، اور کہا کہ خدا کرے یہ کان بہرے ہو جائیں اگر میں نے یہ بات نبی کریم علیہ السلام کو ارشاد فرماتے نہ سنی ہو۔"

نیز مسند میں حدیث عبداللہ بن عمرو مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص نشہ کی حالت میں نماز کو چار دفعہ چھوڑ دیتا ہے تو ضروری ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو طینۃ الخبال پلائے، اور دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ! طینۃ الخبال کیا چیز ہے؟ فرمایا: اہل جہنم کی پیپ۔"[1]

نیز مسند احمد میں انہی سے مرفوعاً مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "جو شخص ایک دفعہ شراب پیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں فرماتے، اگر وہ باز آ جائے، توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں، اگر وہ پھر شراب پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں فرماتے، اگر وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں، مجھے نہیں معلوم تیسری مرتبہ یا چوتھی مرتبہ فرمایا: اگر وہ دوبارہ شراب نوشی کا ارتکاب کرتا ہے تو ضروری ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اہل دوزخ کی پیپ پلائے گا۔"[2]

نیز مسند میں بروایت ابی موسیٰ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص شراب کے عادی ہونے کی حالت میں مر جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو "نہر غوطہ" سے پلائے گا، دریافت کیا گیا کہ "نہر غوطہ" کیا ہے؟ فرمایا: وہ ایک نہر

---

[1] احمد (۲/۱۷۸)

[2] احمد (۲/۱۸۹)

سے جو بدکار عورتوں کی شرمگاہوں سے نکلی ہے۔ جس کی کراہت سے اہل جہنم تکلیف محسوس کریں گے۔

نیز مسند میں انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قیامت کے روز لوگ تین مرتبہ پیش کئے جائیں گے، دو مرتبہ پیش ہونے پر جھگڑا اور عذر کریں گے، تیسری دفعہ نامہ اعمال ان کے ہاتھوں میں اڑ کر جا گریں گے، بعض دائیں ہاتھ میں لیں گے اور بعض بائیں ہاتھ میں۔"

نیز مسند احمد میں بحدیث ابن مسعودؓ مروی ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا: "معمولی گناہوں سے بچو، کیونکہ وہ آدمی پر جمع ہو کر اسے ہلاک کر دیتے ہیں۔ آپ نے ایسے گناہوں کی مثال یوں بیان فرمائی جیسے چند آدمیوں کا گروہ ایک جنگل میدان میں جا اترے، ہر ایک اپنے اپنے کام میں لگ جائیں اور ادھر ادھر سے لکڑیاں اکٹھی کریں، حتیٰ کہ وہ بہت سی لکڑیاں جمع کر کے آگ روشن کریں اور جو اس میں ڈالیں اس کو پکا کر نکال لیں۔"

صحیح میں حدیث ابی ھریرہؓ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جہنم پر پل قائم کیا جائے گا، پہلے گزرنے والا میں ہوں گا، رسول اللہ کی اس دن پکار ہوگی اے اللہ! بچا لیجیو، بچا لیجیو، اور اس کے دونوں کناروں پر کانٹے ہوں گے، سعدان کے کانٹوں کی طرح، جو لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق اچک لیں گے، بعض اپنے عملوں کے بدلے ان سے باندھے جائیں گے، اور بعض ان سے بھڑے جائیں گے، لیکن پھر نجات پائیں گے، جب اللہ تعالیٰ بندوں کے فیصلوں سے فارغ ہو جائیں گے، اور جن کو آگ سے اپنی رحمت سے نکالنا چاہے گا یعنی جو لوگ لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتے تھے تو فرشتوں کو حکم دے گا کہ ان کو نکالو، وہ ان کو

---

۱ احمد ([illegible])

تجدد کی علامت سے پہچانیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ حرام کر دیا ہے کہ سجدہ کے
مقام کو جلائے۔ چنانچہ وہ ان کو اس حال میں نکالیں گے کہ وہ جلے ہوئے ہوں گے۔ ان پر
پانی ڈالا جائے گا جس کو ماء الحیات کہا جاتا ہے، پس جس طرح سیلاب کے کنارے تخم
خس و خاشاک میں دانے اُگ پڑتے ہیں اسی طرح وہ اُگ پڑیں گے۔ انہی سے
صحیح مسلم میں یہ روایت مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: "سب سے
پہلے قیامت کے دن تین آدمیوں کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اول جس نے شہادت پائی،
اسے پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتوں سے شناسا کرے گا، اور وہ انہیں
پہچان لے گا، تب اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ تو نے ان نعمتوں کو کیسے استعمال کیا
تھا؟ وہ کہے گا کہ خدایا! میں تیری رضا کی خاطر لڑا اور مارا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو
اس لئے لڑا تھا کہ تجھے لوگ بہادر کہیں، سو تجھے یہ کہا گیا، پھر حکم ہوگا کہ اس کو منہ
کے بل کھینچ کر دوزخ میں ڈال دو، دوسرا وہ عالم جس نے علم سیکھا اور قرآن پڑھا اور
دوسروں کو پڑھایا، اسے بھی پیش کیا جائے گا، اس کو بھی اپنی نعمتوں سے شناسا کرے گا،
اور وہ انہیں پہچان لے گا، تب اس سے پوچھے گا کہ تو نے ان کو کیسے استعمال کیا؟ وہ کہے
گا کہ خدایا! میں نے تیرے لئے علم سیکھا اور دوسروں کو سکھایا تھا، اور تیرے لئے قرآن
پڑھا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو جھوٹ کہتا ہے، تو نے اس لئے علم سیکھا تھا کہ تجھے
لوگ عالم کہیں، وہ تو تجھے کہہ دیا گیا، اور تو نے قرآن اس لئے پڑھا تھا کہ تجھے قاری
کہا جائے، پھر حکم ہوگا کہ اس کو منہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دو، اور ایک
حدیث کے الفاظ اس طرح آتے ہیں کہ تینوں قسم کے لوگ تمام مخلوق سے پہلے دوزخ
میں ڈالے جائیں گے۔" میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لوگوں
میں بہترین انبیاء علیہم السلام ہیں۔ ان کے بعد بدترین وہ لوگ ہیں جو خود کو ان کے منسوب
کرتے ہیں۔ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم بھی ان میں سے ہیں۔ حالانکہ وہ ان میں سے نہیں

ہیں اور انبیاء کے بعد بہترین لوگ علماء، شہداء، صدیقین اور مخلصین ہیں۔ اس کے بدترین لوگ وہ ہیں جو خود کو ان کے مشابہ بناتے ہیں حالانکہ ان میں سے نہیں ہوتے۔

صحیح بخاری میں حدیث ابی ھریرہؓ مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "جس کسی نے اپنے بھائی مسلمان کا کوئی مال واسباب ناجائز طور پر لیا ہوگا جس کی دادخواہی ہوسکتی ہو، اسے چاہئے کہ وہ اس کے پاس آ کر اس سے معاف کرائے، قبل اس کے کہ قیامت کے دن اس سے لیا جائے۔ اور اس وقت اس کے پاس کوئی درہم یا دینار نہ ہوگا۔ (اگر ایسا نہیں کریگا) تو اس شخص کی نیکیاں اس مظلوم کو دلا دی جائیں گی (بصورت دیگر) مظلوم کے گناہ اس ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے، اور وہ ان کے بدلہ میں دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔"

نیز صحیح ہی میں بروایت ابی ھریرہؓ مروی ہے کہ جناب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص ناحق کسی کی بالشت بھر زمین دبائیگا، قیامت کے دن اس کو سات زمینوں کے نیچے تک دھنسا دیا جائے گا۔"

صحیحین میں انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یہ آگ جس کو تم لوگ جلاتے ہو آتش جہنم کے ستر اجزاء میں سے ایک جزو ہے، صحابہؓ نے عرض کیا کہ واللہ! یہ (دنیا) کی آگ ہی کافی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اسے انہتر اجزاء سے فوقیت دی گئی ہے ہر جزو اس کی حرارت کے مثل ہے۔"

مسند میں حدیث معاذؓ مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں وصیت فرمائی: "اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا، اگرچہ تو قتل کر دیا جائے، جلا دیا جائے، اور والدین کی نافرمانی نہ کرنا، اگرچہ وہ تجھے یہ حکم دیں کہ تو اپنے مال ودولت سے الگ ہو جائے، اور کوئی فرض نماز قصداً بالکل نہ چھوڑنا، کیونکہ جو شخص عمداً فرض نماز کو ترک کرتا ہے وہ اللہ کے عہد سے نکل جاتا ہے، اور شراب نہ پینا کیونکہ شراب تمام

برائیوں کی جڑ ہے، اور گناہ سے بچو، کیونکہ گناہ اللہ کے غضب کو دعوت دیتا ہے۔" اس بارے میں بے شمار احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اس لئے کسی شخص کو جو اپنی بہتری کا خواہاں ہو ان سے قصداً چشم پوشی نہیں کرنی چاہیے۔ ابوالوفا بن عقیلؒ فرماتے ہیں "ذرہ اور جو کو سستا مت کھاؤ، کیونکہ (عندالشوافع) تین درہم کے بدلہ ہاتھ کاٹا جاتا ہے، اور سوئی کے سرے کے برابر شراب نوشی پر حد لگائی جاتی ہے، اور ایک عورت بلی کے مارنے کی بناء پر دوزخ میں چلی گئی، اور ایک شخص جس نے مال زکوۃ میں خیانت کی تھی اس کو آگ کی چادر پہنائی گئی، حالانکہ اس نے مرتبہ شہادت حاصل کیا تھا۔" امام احمدؒ طارق بن شہاب سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ایک شخص ایک مکھی کی وجہ سے جنت میں داخلہ کا مستحق قرار پایا، اور ایک شخص اسی ایک مکھی کی وجہ سے مستحق دوزخ، صحابہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ! وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا: "دو آدمی کہیں ایک قوم کے پاس سے گزرے جو بت پرستی میں مبتلا تھی، ان کے ہاں یہ قاعدہ تھا کہ کوئی شخص اس بت کی قربانی دیئے بغیر گزرنے نہیں پاتا تھا، انہوں نے ایک سے کہا کہ قربانی دو، اس نے جواب دیا کہ میرے پاس کچھ نہیں، انھوں نے کہا کہ خواہ ایک مکھی ہی ہو، مگر قربانی ضرور دو، چنانچہ اس شخص نے ایک مکھی کی قربانی دی، اور وہ بچ کر نکل گیا اور داخل جہنم ہوا، دوسرے شخص کو بھی انھوں نے قربانی دینے کے لئے کہا، اس نے جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی قربانی نہیں دیا کرتا۔ انھوں نے اسے مار ڈالا چنانچہ وہ مستحق جنت ٹھہرا، معلوم ہوا کہ کبھی ایک ہی ایسا کلمہ انسان کی زبان سے نکل جاتا ہے جو اسے بہت دور جہنم میں جا پھینکتا ہے۔" اور بعض ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو دنیا کے مال و متاع پر مغرور ہو کر یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ یہ مال و متاع انھیں اس لئے ملا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے اور آخرت میں اس سے بڑھ کر انھیں نعمتیں ملیں گی، یہ ایک بہت بڑا دھوکہ ہے،

مسند امام احمدؒ میں عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی آدمی کو گناہوں کے باوجود دنیا کی دولت سے مالا مال عطا کر رہا ہے تو اسے استدراج (ڈھیل) سمجھو، پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت کی

﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ﴾

یعنی "جب انھوں نے احکام الٰہی کو جو انھیں بتائے گئے تھے، بھلا دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے، حتیٰ کہ جب وہ نشہ دولت سے خوب بدمست ہوگئے، تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا، اور وہ ناکام رہ گئے۔" (انعام: ۴۴)

بعض اسلاف (بزرگ) سے منقول ہے کہ "جب تم دیکھو کہ اللہ کی طرف سے تم پر متواتر نعمتیں آرہی ہیں، اور تم گناہوں پر برابر اڑے چلے جارہے ہو تو تمہیں ڈرنا چاہئے، کیونکہ یہ ایک قسم کا استدراج ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ تمہیں بتدریج عذاب کی طرف کھینچ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْلَا أَن يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَن يَكْفُرُ بِالرَّحْمَٰنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفًا مِّن فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ ۔ وَلِبُيُوتِهِمْ أَبْوَابًا وَسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُونَ ۔ وَزُخْرُفًا وَإِن كُلُّ ذَٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ عِندَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ﴾

یعنی "اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ ایک ہی گروہ ہو جاتے تو ہم کفار کے گھروں کی چھتیں اور سیڑھیاں چاندی کی بنا دیتے۔

جن پر وہ چڑھتے، اور ان کے گھروں کے دروازے اور آرام کرنے کے پلنگ اور دیگر زیب و زینت کی چیزیں بھی، یہ سب کچھ چند روزہ زندگی کے لئے سود مند ہیں، اور آخرت خدا کے ہاں صرف اہل تقوی کے لئے ہے۔'' (الزخرف: ۳۳۔۳۵)

اللہ تعالی نے دھوکہ فریب کھانے والوں کے خیال کی اس طرح تردید کی ہے۔

﴿فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ، وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ، كَلَّا﴾

یعنی ''جب اللہ تعالی انسان کا امتحان لیتا ہے، اور اسے مال و دولت دیتا ہے، تو انسان کہتا ہے کہ اللہ تعالی نے میری تکریم کی، اور جب اللہ تعالی انسان کا اس طرح امتحان لیتا ہے کہ اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے تو پھر وہ یوں کہنے لگتا ہے کہ اللہ تعالی نے میری توہین کی، ایسا ہرگز نہیں۔'' (الفجر: ۱۵۔۱۷)

مطلب یہ ہے کہ وہ سب لوگ جن کو اللہ تعالی نے مال و دولت دے رکھا ہے، صاحب عزت و اکرام نہیں، اور نہ ہی وہ سب لوگ جو تنگی معاش میں مبتلا ہیں ذلیل و خوار ہیں، بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ اللہ تعالی دولت مندوں کا امتحان مال و دولت سے اور تنگ دستوں کا تنگی رزق سے لیتا ہے۔

جامع ترمذی میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالی دنیا کی دولت دوستوں اور غیر دوستوں سب کو دیتا ہے، لیکن ایمان کی دولت صرف اپنے دوستوں کو عطا فرماتا ہے۔'' کسی بزرگ کا قول ہے کہ '' اکثر لوگ ایسے

ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ مال و دولت دے کر بتدریج سوء عذاب بناتا ہے، اور وہ نہیں جانتا (کہ کس طرح یہ اسباب اس کے حق میں مخالف نتیجہ پیدا کر دیں گے) اور اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں جو لوگوں کی مدح وستائش پر مفتون ہو جاتے ہیں، اور انہیں اپنی جہالت کا علم نہیں ہوتا، اور اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں پر پردہ ڈالتا ہے اور وہ مغرور بنے بیٹھے ہیں، اور وہ نہیں جانتے کہ یہ محض اللہ کے حلم کا نتیجہ ہے"

دنیا کے مال ومتاع سے دھوکہ کھانا:

سب سے بڑا مغرور وہ شخص ہے جو دنیا کے مال ومتاع پر فریب خوردہ ہو جاتا ہے۔ اس کی ناپائیدار لذتوں کو آخرت کی نعمتوں پر ترجیح دے کر انھی پر راضی رہتا ہے، چنانچہ اس قسم کے لوگ یوں کہا کرتے ہیں کہ دنیا اور دنیا کی لذتیں نقد ہیں اور آخرت اور اس کی نعمتیں ادھار ہیں، اور نقد ادھار سے بہرحال بہتر ہوتا ہے، اور بعض یوں کہتے ہیں کہ نقد مال لے لو اور وعدہ کو چھوڑ دو، اور بعض یوں کہتے ہیں کہ دنیا کی لذتیں یقینی ہیں جبکہ آخرت کی لذتیں غیر یقینی ہیں۔ اس لئے غیر یقینی امر کے لئے یقینی امر کو نہیں چھوڑنا چاہئے، حالانکہ یہ سب باتیں محض شیطان کا دھوکہ اور فریب ہے، ایسے لوگوں سے تو جانور چوپائے زیادہ سمجھدار ہیں، کیونکہ وہ کسی نقصان دہ چیز سے دور رہتے ہیں خواہ انہیں مارا جائے، پھر بھی اس چیز پر اقدام نہیں کرتے، جبکہ یہ لوگ ایسے امور پر اقدام کرتے ہیں جن میں ان کی ہلاکت وحسرت ہوتی ہے۔ حالانکہ اسے دیکھ رہے ہوتے ہیں اور یہ لوگ کبھی تو اس کو سچ مانتے ہیں اور کبھی اسے جھوٹ سمجھتے ہیں۔ اگر اس قسم کے لوگ اللہ، اس کے رسولؐ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں تو ان سے بڑھ کر حسرت زدہ اور کوئی نہ ہوگا، کیونکہ وہ علم رکھنے کے باوجود ایسا کرتے ہیں، اور اگر وہ اللہ ورسولؐ پر ایمان نہیں لاتے ہیں تو رحمت خداوندی سے دور پھینک دیئے

جاتے ہیں۔ اور اس کا یہ کہنا کہ فقر اعمار سے بہتر ہے، یہ اس صورت میں ٹھیک ہے
ہے جبکہ فقر اور اعمار دونوں مساوی ہوں، لیکن جب اعمار کی صورت فقر سے کہیں
بڑھ کر ہو تو اعمار ہی بہتر ہوگا، کیونکہ دنیا و ما فیہا کے سانس عالم آخرت کے مقابلہ میں
صرف ایک (مرتبے کے) سانس کے برابر ہیں۔

مسند امام احمدؒ اور ترمذی میں بروایت مستورد بن شداد مروی ہے کہ حضور
اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے
جیسے کوئی شخص دریا میں اپنی انگلی ڈبو دے پھر دیکھے کہ اس کی انگلی سے کس قدر پانی آیا
ہے۔" (یعنی دنیا اور آخرت میں وہی نسبت ہے جو انگلی کی تری اور دریا میں ہے)
چنانچہ اس فقر کو اپنے اعمار پر ترجیح دینا بڑے خسارہ اور جہالت کی بات ہے، جب
اس دنیا کو آخرت سے یہ نسبت ہے تو غور سے قیاس کرنا چاہیے کہ انسان کی دنیوی
زندگی کو عالم آخرت کی زندگی سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ ہر ایک عاقل کے لئے ان
دونوں میں سے کونسی زندگی زیادہ اولیٰ اور بہتر ہے؟ کیا اس مختصر سی زندگی کا حاصل کرنا
اور آخرت کی دائمی نعمت سے محروم رہنا بہتر ہے؟ یا اس حقیر و قلیل کو چھوڑنا اور ایک
عیش یہ غیر فانی نعمت کا حاصل کرنا بہتر ہے؟ اور پھر اس قائل کو یہ کہنا کہ یقینی امر کو
غیر یقینی کے بدلے نہیں چھوڑنا چاہیے، سخت گمراہی ہے، کیونکہ ایسے شخص کو یہ کہہ سکتے
ہیں کہ تجھے اللہ تعالیٰ کے وعدہ وعید اور صداقت نبوت کے متعلق شک ہے یا ان امور
پر یقین ہے؟ اگر تجھے یقین ہے تو تیرا اس دنیا کو چھوڑنا ایک حقیر اور سریع الزوال ذرہ
کا چھوڑنا سمجھا جائے گا، اور اگر تجھے شک ہے تو تجھے ان آیات الٰہیہ میں غور کرنا
چاہیے جو اس کے وجود، قدرت، مشیت، وحدانیت اور صدق رسل پر دال ہیں، اور
جن کے متعلق انبیاء علیہم السلام نے خبر دی ہے ان میں غور کرنا چاہئے، یا دوسروں سے
مناظرہ کرنا چاہئے تاکہ تجھے یقینی معلوم ہو سکے کہ انبیاء علیہم السلام جو کچھ اللہ تعالیٰ

﴿وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾ (الذاریات:۲۱)

ذکر کیا ہے۔ انسان کی اپنی ذات وجود خالق، اس کی توحید، صدق رسل اور صفات کمالیہ کے اثبات پر دلیل ناطق ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آخرت کو دنیا کے بدلہ کھو دینے والا شخص تصدیق و یقین اور شک و تکذیب یعنی دونوں حالتوں میں سخت فریب و دھوکہ میں پڑا ہوا ہے۔

آخرت کا یقین اور عمل میں غفلت، کیسے ممکن ہے؟:

اگر کوئی شخص یوں اعتراض کرنے لگے کہ آخرت اور جنت وجہنم کی پختہ تصدیق کر لینے کی صورت میں کوئی شخص عمل سے کیسے پیچھے رہ سکتا ہے؟ حالانکہ فطرت انسانی اس بات پر جاری ہے کہ انسان کو اگر یقیناً معلوم ہو کہ اسے کل بادشاہ کے حضور عذاب بھگتنے یا عزت واکرام کے حصول کے لئے حاضر ہونا ہے تو وہ اس کے حضور میں حاضر ہونے اور حاضری کی تیاری سے کبھی غافل نہیں رہے گا۔ بعض کا خیال ہے کہ واقعی یہ سوال صحیح ہے، جو اکثر لوگوں کو پیش آتا ہے۔ ان دونوں امور (یقین اور غفلت) کا جمع ہونا بہت تعجب خیز ہے۔ اس کے چند اسباب ہیں: ایک سبب ضعف علم اور نقصان یقین ہے کیونکہ علم کے درجات مختلف ہوتے ہیں، جو یہ کہتا ہے کہ علم کے درجات مختلف نہیں ہو سکتے اس کا قول باطل و بے بنیاد ہے۔ غور کیجئے! ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مردوں کے زندہ کرنے کے مشاہدہ کا سوال کیا، حالانکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا پورا پورا یقین تھا، مگر اس سوال سے ان کی غرض ایک قسم کا اطمینان حاصل کرنا تھا، نیز یہ مقصود تھا کہ جو چیز پردۂ غیب میں ہے اس کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں۔ جیسا کہ مسند احمد میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ﴾[1]

یعنی "شنیدہ کے بود مانند دیدہ یعنی سنی ہوئی بات دیکھی ہوئی بات کی طرح کیسے ہو سکتی ہے؟"

معلوم ہوا کہ کسی چیز کے علم کے مختلف مدارج ہو سکتے ہیں تو جب ایسے شخص کے لئے ضعفِ علم کے ساتھ دوسرے موانع مثلاً امرِ عاقبت کا عدمِ استحضار، مخالف امور میں مشغول ہونے کی وجہ سے کبھی اس کا خیال بھی نہ گزرنا وغیرہ جمع ہو جائیں، اور ان حالات کے ساتھ تقاضائے طبیعت، غلبۂ ہوائے نفس و شہوت، نفس کی فریب کاری، غرورِ شیطان، طولِ امل، خوابِ غفلت، محبتِ دنیا، رخصتِ تاویل اور الفتِ مرغوبات وغیرہ بھی مل جائیں تو ایسی حالت میں دل میں ایمانی قوت کو قائم و برقرار رکھنا صرف اسی ذات کا کام ہے جو زمین و آسمان کو سنبھالے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ ایمان اور اعمال کے اعتبار سے مختلف الدرجات ہوتے ہیں حتی کہ سب سے ادنیٰ درجہ ایمانی قوت کا یہ ہے کہ دل میں ایک ذرہ کی مقدار ایمان باقی رہ جائے۔ ان تمام مذکورہ اسباب کا مرجع یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو صبر اور بصیرت سے بہت کم حصہ ملا ہوتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے صبر اور یقین والوں کی بار بار مدح فرمائی ہے اور انہیں کو ائمہ دین قرار دیا ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ﴾

یعنی "ہم نے انہیں ائمہ دین مقرر کیا ہے جو ہمارے حکم سے لوگوں کو راہ دکھاتے ہیں، جبکہ انھوں نے (دنیا کی ناجائز لذتوں سے) خود کو روکے رکھا اور ہمارے واضح نشانات پر انہیں

---

[1] مسند احمد (۱/۲۷۱)

پورا یقین حاصل تھا۔" (سجدہ ۲۴)

حسنِ ظن اور غرور میں فرق:

مذکورہ بیان سے حسنِ ظن اور غرور و دھوکہ میں فرق واضح ہوگیا کہ اگر حسن ظن کسی شخص کو اعمالِ حسنہ پر آمادہ کرے تو یہ صحیح حسن ظن ہے اور اگر بطالت اور معصیت کی طرف لے جائے تو یہ محض غرور (دھوکہ) ہے کیونکہ حسن ظن حقیقت میں امید کا نام ہے۔ لہٰذا جس شخص کی امید اسے اطاعت وعبادت کی طرف لے جائے اور گناہ سے روک دے تو یہ درست امید ہے، اور جو شخص بطالت کو امید اور امید کو بطالت بنادے اور اعمال میں کوتاہی کرے تو وہ مغرور ہے، مثلاً اگر کسی شخص کے پاس زمین ہو اور وہ اس کی پیداوار کی امید رکھتا ہو لیکن اس میں تخم ریزی اور دیگر ضروری اعمال عمل میں نہ لائے، اور یہ حسن ظن کر بیٹھے کہ محنت، تخم ریزی اور آب رسانی کے بغیر ہی پیداوار حاصل ہوجائے گی تو لوگ اس کو بہت بڑا بیوقوف سمجھیں گے یا اگر یہ حسن ظن رکھے کہ بیوی سے ہمبستر ہوئے بغیر بچہ پیدا ہوگا، یا علم حاصل کئے بغیر ہی عالم وفاضل بن جائے گا تو اس کی ایسی امیدیں کبھی بھی رنگ نہیں لاسکتیں۔ اسی طرح سمجھو کہ اگر کوئی اطاعت اور اوامر ونواہی کی بجا آوری کے بغیر ہی قیامت کے روز عالی درجات اور ابدی انعامات حاصل کرنے کے متعلق امیدوار بن بیٹھے اور محض حسن ظن پر بھروسہ کرلے تو یہ اس کی سراسر حماقت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ﴾

یعنی "جو لوگ ایمان لائے، اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہوسکتے

اللّٰہ غالیۃٌ، الا ان سلعۃ اللّٰہ الجنۃ﴾[1]

یعنی: ”جو شخص ڈرتا ہے وہ رات ہی سے چل پڑتا ہے، اور جو رات ہی سے چل پڑے وہ منزلِ مقصود تک جا پہنچتا ہے، یاد رکھو! اللہ کا سامانِ تجارت گراں قیمت ہے، یاد رکھو! اللہ کا مالِ تجارت جنت ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے جس طرح اعمالِ صالحہ والوں کو امید کا حکم دیا ہے اسی طرح انہیں خوف کا بھی حکم دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امید اور خوف اسی صورت میں مفید ہو سکتے ہیں جبکہ ان کے ساتھ اعمال کی بجا آوری بھی ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ، وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ، وَالَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ، وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ، أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ﴾ (المؤمنون ۵۷۔۶۱)

یعنی: ”جو لوگ اللہ کے خوف سے ڈرتے ہیں، اس کی آیت پر ایمان رکھتے ہیں اپنے پروردگار کے ساتھ شرک نہیں کرتے، جو دیتے ہوئے دل سے دیتے ہیں، اور ان کے دل اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں، یہی لوگ ہیں جو نیک کاموں کی بجا آوری میں جلدی کرتے ہیں، اور ان کی طرف سبقت کرتے ہیں۔“

---

۱ جامع ترمذی (۲۴۵۰)

نیز جامع ترمذی میں حدیث عائشہؓ مروی ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق سوال کیا کہ آیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب نوشی کرتے ہیں، زنا کاری کرتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اے بنت صدیق! یہاں نہیں بلکہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو روزہ رکھتے، نماز پڑھتے اور صدقہ دیتے ہیں، اور اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی نیکیاں نامقبول نہ ہو جائیں۔ یہ ہیں وہ لوگ جو نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں۔ یہ روایت بحدیث ابی ہریرہؓ بھی مروی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل سعادت کی تعریف یوں کی ہے کہ وہ نیکی بھی کرتے ہیں اور ڈرتے بھی ہیں، اور اہل شقاوت کی نسبت فرمایا وہ گناہ کرتے ہیں اور عذاب سے بے خوف رہتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کا خوف خدا:

جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حالات میں غور کرے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ وہ لوگ اعلیٰ عملی حالت کے باوجود اعلیٰ درجہ کا خوف بھی دل میں رکھتے تھے، اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے اعمال میں سر مرکوتاہی کے باوجود خود کو بے خوف اور نڈر بنا رکھا ہے۔ امام احمدؒ حضرت صدیق اکبرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ صدیق اکبرؓ فرمایا کرتے تھے: "میں چاہتا ہوں کہ مجھے بندۂ مومن کے متاثل ایک بال کے برابر قدر و منزلت حاصل ہو جائے۔" نیز انہی سے مروی ہے کہ آپؓ اپنی زبان پکڑ لیتے اور فرمایا کرتے: "یہی ہے جو مجھے مورد عذاب میں وارد کرے گی۔" نیز آپؓ بہت رویا کرتے تھے، اور فرماتے "لوگو! رویا کرو، اگر تم نہیں رو سکتے تو بہ تکلف رویا کرو۔ جب آپ نماز کے لئے اٹھا کرتے تو خوف خدا کی وجہ سے ایک لکڑی کی طرح ہو جاتے۔ آپ کے سامنے ایک پرندہ لایا گیا، آپ نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور

فرمایا: کوئی پرندہ شکار نہیں کیا جاتا، اور نہ کوئی درخت کاٹا جاتا ہے، مگر اس وقت جبکہ وہ اللہ کی تسبیح کو ضائع کردے۔ اور جب آپ کا وقت نزاع آیا تو حضرت عائشہؓ سے فرمایا: "پیاری بیٹی! دیکھو، بیت المال میں سے چوغہ، دودھ دوہنے کا برتن، اور یہ خدمتگار میرے پاس تھے۔ بس تو انہیں بہت جلد عمر بن خطابؓ کے سپرد کردینا، اور فرمایا کرتے کہ بخدا! میں یہ چاہتا ہوں کہ میں درخت ہوتا جو کھایا جاتا، اور کاٹا جاتا۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ارشاد فرمایا: "کاش میں گھاس ہوتا جسے چوپائے کھاجاتے۔" حضرت عمر بن الخطابؓ سورہ طور کی آیت (۷) "انّ عذاب ربّک لواقع" پڑھ کر اس قدر روئے کہ آپ بیمار ہوگئے، اور لوگ آپ کی عیادت کو آئے۔ جب آپ مرض الوفات میں تھے تو آپ نے اپنے بیٹے کو حکم دیا تیرا ناس ہو، میرا چہرہ زمین پر رکھ دے، شاید کہ خدا مجھ پر رحم کرے، پھر یوں کہا: "آہ، افسوس، اگر خدا نے مجھے نہ بخشا۔ یہ کلمات تین دفعہ ارشاد فرمائے۔ پھر جان جان آفریں کے سپرد کردی، رات کو جب آپ اپنے اوراد وظائف کے دوران کسی آیت عذاب کو پڑھتے تو اس قدر روتے کہ آپ کا دم رک جاتا، اور کئی دنوں تک گھر سے باہر نہ نکلتے، اور لوگ انہیں بیمار سمجھ کر عیادت کو آتے، آپ کے چہرہ پر آہ و بکاء کی کثرت سے دو سیاہ دھاریاں نظر آتی تھیں۔ ابن عباسؓ نے آپ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ سے شہروں کو آباد کیا اور بہت سی اسلامی فتوحات کو ظاہر کیا، اور اسلامی شان و شوکت کو قائم کیا، تو آپ نے فرمایا: "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ مجھے نجات مل جائے، میں کسی قسم کا اجر نہیں چاہتا۔ حضرت عثمان بن عفانؓ جب قبر پر کھڑے ہوتے تو اس قدر رویا کرتے کہ آپ کی داڑھی مبارک تر ہوجایا کرتی۔ اور فرمایا کرتے: "کاش میں جنت اور دوزخ کے درمیان ڈال دیا جاؤں، میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے کس جگہ کا میرے لئے حکم دیا جائیگا، میری یہ خواہش ہے کہ میں

اس سے پہلے کہ معلوم کروں کہ ان دونوں میں سے کس جگہ کا یار ہوں تا پہنچنے تک
خاک ہو جاؤں۔" اور حضرت علی بن ابی طالبؓ کے خوف و بکاء کا تو کچھ ٹھکانہ ہی
نہیں۔ آپ طول امل اور خواہش نفس کی پیروی سے بہت ڈرا کرتے تھے، اور
فرماتے "طول امل آخرت کو بھلا دیتا ہے، اور خواہش نفس کی پیروی حق سے روک
دیتی ہے، یاد رکھو! دنیا بہت جلد پیٹھ پھیر جائے گی، اور آخرت ہمارے سامنے آرہی
ہے، اور دنیا وآخرت دونوں فرزند ہیں۔ پس تم آخرت کے فرزند بنو، دنیا کے فرزند
نہ بنو، کیونکہ آج کا دن عمل کا ہے، حساب کا نہیں، اور کل کو حساب ہوگا، عمل نہیں۔
ابودرداءؓ فرمایا کرتے تھے کہ سب سے زیادہ جس چیز کا قیامت کے دن مجھے خوف
ہوسکتا ہے وہ یہ ہے کہ مجھے یوں کہا جائے گا: اے ابودرداء! تو جانتا تھا، تو نے کیا
عمل کیا ہے؟ یہ فرمایا کرتے: "اگر تمہیں مرنے کے بعد کی حالت کا علم ہوجائے تو تم
کبھی دل کی خوشی سے پیٹ بھر کر نہ کھاتے، نہ پانی پیتے، اور نہ ہی گھروں میں آرام
وراحت سے بیٹھتے (بلکہ) تم گھر سے باہر نکل کر راہوں میں اپنے سینے پیٹا کرتے اور اپنی
جانوں پر روتے، میں یہ چاہتا ہوں کہ میں درخت ہی ہوتا جو کاٹ ڈالا جاتا اور وہی تو
کھا لیا جاتا۔" عبداللہ بن عباسؓ کی دونوں آنکھوں کے نیچے کثرت آہ وبکاء کی وجہ
سے پرانے تسمہ کی شکل کے دھبے نظر آتے تھے، اور ابوذرؓ فرمایا کرتے "کاش میں
درخت ہوتا کہ کاٹ دیا جاتا، اور مجھے یہ خواہش ہوئی کہ میں پیدا ہی نہ ہوتا۔" آپ کے
سامنے کچھ خرچ پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا "ہمارے پاس ایک بکری ہے جس کا
دودھ دوہتے ہیں اور گدھے ہیں جن کے ذریعہ نقل وحرکت کرتے ہیں۔ ایک غلام
ہے جو خدمت کرتا ہے، اور ایک عبا بچھونا ہے، مجھے تو ان اشیاء کے بارے میں
قیامت کے روز حساب کتاب کا خوف ہے۔" حضرت تمیم داریؓ نے ایک رات سورۂ
جاثیہ پڑھی، جب اس آیت پر پہنچے۔

﴿أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ (الجاثیہ ۲۱)

تو اس کو بار بار دہراتے تھے اور روتے روتے صبح کر دی۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح فرماتے ہیں "میں یہ چاہتا ہوں کہ میں دنبہ ہوتا، مجھے میرے گھر کے لوگ ذبح کر کے کھا لیتے اور میرا شوربا پی جاتے۔" الغرض اس قسم کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں جن کا ذکر موجب طوالت ہے۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں ایک باب قائم کیا ہے۔

﴿بَابُ خَوْفِ الْمُؤْمِنِ أَنْ يَحْبَطَ عَمَلُهُ وَهُوَ لَا يَشْعُرُ﴾

یعنی "اس باب میں ایمان والے کے اس خوف کا بیان ہے کہ کہیں اس کا عمل اس کی بے خبری میں اکارت نہ ہو جائے۔"

ابراہیم تیمی فرماتے ہیں "میں اپنے قول کو اپنے عمل پر پیش کر کے اس بات سے ڈرا کرتا ہوں کہ کہیں میں جھٹلانے والا نہ ہو جاؤں۔" یعنی مجھے یوں نہ کہہ دیا جائے کہ تیرے قول عمل میں مطابقت نہیں۔ ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ میری نبی علیہ السلام کے تیس صحابہ سے ملاقات ہوئی۔ سب کے سب اپنی نسبت نفاق کا خوف رکھتے تھے۔ کوئی ان میں سے ایسا نہ تھا جو یہ کہے کہ وہ جبرئیل و میکائیل جیسا ایمان رکھتا ہے۔" حضرت حسن کے متعلق مذکور ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے "ایماندار ہی نفاق سے ڈرا کرتا ہے اور منافق ہی اس سے بے خوف ہوا کرتا ہے۔" عمر بن الخطاب نے حضرت حذیفہؓ سے فرمایا "میں تجھے اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے سامنے میرا نام منافقوں میں لیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا نہیں اور نہ ہی میں آپ کے بعد کسی کو بری الذمہ کہہ سکتا ہوں۔" میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے سنا کہ حضرت حذیفہ کا مقصود یہ نہیں تھا کہ آپ کے سوا دوسرا

کوئی تعلق سے بری نہیں ہے، بلکہ انھوں نے اس جواب سے اس قسم کے دوسرے لوگوں کے سوالات کا سلسلہ بند کردیا، کیونکہ جو شخص ان سے آئندہ اس قسم کا سوال کرتا تو انھیں اس کو بھی ایسا ہی جواب دینا پڑتا، تو پھر یہ سلسلہ ختم نہ ہوتا میں (مصنف) کہتا ہوں کہ اس واقعہ سے پتہ چلا حضور علیہ السلام کا وہ فرمان ہے، جب آپؐ نے ایک طالب دعا کے لئے ستر ہزار بلا حساب وکتاب جنت میں جانے والوں میں داخل ہونے کے لیے دعا فرمائی تھی، اور ایک دوسرے طالب دعا کو جس نے یہی سوال کیا تھا فرمایا کہ عکاشہؓ تجھ سے پہلے اس دولت کا مالک ہو چکا ہے، کیونکہ اس جواب سے پیغمبر علیہ السلام کا یہ مطلب نہیں تھا کہ دوسروں کی نسبت صرف عکاشہؓ ہی اس دولت کا زیادہ مستحق ہے، بلکہ مطلب یہ تھا کہ اگر اس دوسرے سائل وطالب کے لئے بھی دعا فرماتے تو ایک اور اٹھ کھڑا ہوتا، اس طرح سے دیکھا دیکھی کوئی ایک غیر مستحق بھی سوال کرنے کو تیار ہو جاتے، بہرحال یہ جواب ہی زیادہ مناسب تھا۔"

❁ فصل ❁

گناہ زہر کی طرح خطرناک ہوتے ہیں:

اب ہم اصل مقصود کی طرف آتے، یعنی اس مرض کا علاج بتاتے ہیں جس سے انسان کی دین و آخرت تباہ ہوتی ہے۔

جاننا چاہیے کہ معاصی اور گناہ یقیناً نقصان دہ چیزیں ہیں۔ دلوں میں ان کا ضرر وہی اثر پیدا کرتا ہے جو بدن انسانی میں زہر، اور جس طرح مختلف قسم کے زہر سے ضرر و نقصان مختلف ہوتا ہے، اسی طرح مختلف گناہوں کا ضرر بھی مختلف درجات رکھتا ہے، دنیا وآخرت کی کوئی برائی اور بیماری ایسی نہیں جس کا سبب معاصی اور گناہ نہ ہوں، غور کیجئے! آدم وحوا علیہما السلام جنت جیسی نعمت ولذت اور فرحت والی جگہ سے دنیا جیسی حزن وغم اور مصائب خانہ کی طرف کیوں نکالے گئے؟ اور ابلیس کو جماعت

ملائکہ سے کس چیز نے ذلیل کر کے باہر نکال دیا تھا۔ جس سے وہ ہمیشہ کی لعنت کا
مستحق ہو گیا، اور اس کا ظاہر و باطن مسخ کر دیا گیا، اور اس کی صورت بدترین صورت
بنا دی گئی، اس کا باطن اس کے ظاہر سے زیادہ بدتر بنا دیا گیا، خدا کے قرب کے عوض
اسے بعد و دوری، رحمت کے بدلے لعنت، خوبصورتی کے عوض بدصورتی، جنت کے بدلے
جہنم، ایمان کی جگہ کفر، خدائے برتر کی محبت و دوستی کی بجائے اس کی عداوت و دشمنی،
اور تسبیح، تقدیس اور تہلیل کے بدلے کفر، شرک، و کذب اور فحش، اور لباسِ ایمان کے عوض
لباسِ کفر و فسق اس کا حصہ ٹھہرا، جس سے وہ اللہ کے نزدیک نہایت ذلیل سمجھا گیا، اور
بارگاہِ عزت سے دور کر دیا گیا۔ اس پر خدا کے غیظ و غضب کا نزول ہوا، خدا کے عذاب
کا مورد بن کر فاسقوں اور مجرموں کا امام و پیشوا قرار پایا۔ نعوذ باللہ من ذلک، سوچئے!
آخر کس چیز نے اہل دنیا کو طوفان میں غرق کر دیا تھا جو پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے بھی
گزر گیا تھا؟ اور کس چیز نے قوم عاد پر بادِ صرصر کو مسلط کر دیا تھا، جس سے تمام نفوس
روئے زمین پر مردہ ہو کر گر پڑے؟ ان کے تمام کھیت، مویشی اور مکانات نیست و نابود
کر دیئے گئے، اور وہ ہمیشہ کے لئے عبرت کا نشان بن گئے۔ اور قوم ثمود پر کس وجہ
سے ایک ایسی سخت کڑک کا عذاب نازل کیا گیا جس سے لوگوں کے دل پارہ پارہ
ہو گئے؟ اور وہ سب کے سب مر گئے، اور وہ کیا چیز تھی جس نے قوم لوط کی بستیوں کو
اس قدر اونچا لے جا کر اوندھا گرا دیا کہ ان بستیوں کے کتوں کی آوازوں کو ملائکہ بھی
سنتے تھے، پھر ان پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسائی گئی، ان پر ایسا عذاب بھیجا گیا
کہ جو ان سے پہلے کسی اور امت پر نازل نہیں ہوا تھا۔ ظالموں کے ساتھ ایسا ہونا
عادتِ الٰہی سے کچھ بعید نہیں، نیز کس چیز نے قوم شعیب پر بادل کی شکل میں عذاب
بھیجا جس سے ان پر آگ برسنے لگی؟ اور کس چیز نے فرعون اور قوم فرعون کو سمندر
میں غرق کر کے واصلِ جہنم کیا؟ کس چیز نے قارون، اس کے خزانہ، اہل و عیال اور گھر
کو زمین میں دھنسایا؟ نیز کس چیز نے نوح علیہ السلام کے بعد کی امتوں کو مختلف قسم
کے عذاب سے ہلاک و تباہ کیا؟ اور کس چیز نے صاحب یٰسین کی قوم کو ایک مہیب
آواز سے نیست و نابود کر دیا؟ اور کس چیز نے بنی اسرائیل پر ایک بڑے رعب داب سے

والی قوم کو مسلط کر دیا جو ان کے گھروں کے اندر گھس گئے، مرد و زن اور چھوٹے بڑے سب کو تہ تیغ کر ڈالا؟ گھر جلا دیئے مال و اسباب لوٹ لیا، پھر دوسری بار بھی انھیں مسلط کیا جنھوں نے حسب قدرت قتل و غارت میں کوئی کوتاہی نہ کی، اور کس چیز نے ان پر مختلف قسم کے عذاب نازل کیے؟ کبھی تو قتل و غارت اور قید و بند سے، اور کبھی ظالم بادشاہوں کو مسلط کرنے سے، اور کبھی ان کو بندروں کی شکل میں مسخ کر دینے سے، بالآخر اللہ تبارک و تعالیٰ نے قسم کھا کر یہ فرمایا:

﴿لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ﴾

یعنی "ان پر ان لوگوں کو مسلط رکھا جائے گا جو انھیں بہت بری طرح سے عذاب دیتے رہیں گے۔" (الاعراف: ۱۶۷)

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ بروایت ولید بن مسلم نقل کرتے ہیں: جب جزیرہ قبرص مسلمانوں نے فتح کیا اور وہاں کے لوگ ایک دوسرے سے جدا کر دیئے گئے، جدا ہوتے وقت عزیز و اقارب ایک دوسرے سے گلے لگتے اور روتے تھے، تو لوگوں نے دیکھا کہ ابوذرؓ علیحدہ اکیلے بیٹھے رو رہے ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آج آپ کیوں رو رہے ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام اور مسلمانوں کو عزت و فتح سے نوازا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ: "کیا تم عبرت نہیں پکڑتے، کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجز مخلوق کی کوئی حیثیت نہیں، دیکھو! یہ لوگ اپنے ملک کے مالک تھے اور اپنے دشمن پر غالب، مگر جب انھوں نے اللہ کی نافرمانی کی، تو اللہ نے دوسروں کو ان پر مسلط کر دیا اور وہ ذلیل ہو گئے۔" علی بن الجعد بروایت ابوالبختری نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب تک لوگ بہت گناہ نہ کرنے

نکلیں، بلکہ نہیں ہوں گے۔" مسند احمد میں حدیث ام سلمہؓ منقول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جب میری امت میں گناہ ظاہر ہونے لگیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو عذاب میں مبتلا کریں گے۔ ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا اس وقت لوگوں میں نیک صالح آدمی نہ ہوں گے؟ فرمایا: ہوں گے، عرض کیا: ان کے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا وہ بھی اس مصیبت میں مبتلا ہوں گے جس میں دوسرے لوگ مبتلا ہوں گے، پھر وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کی طرف چلے جائیں گے۔ مراسیل حسن میں مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یہ امت ہمیشہ اللہ کی حفاظت اور پناہ میں رہے گی جب تک کہ قرآن پڑھنے والے امراء کی مداہنت نہ کریں گے، صالح لوگ فاجر لوگوں کو پاک نہ کہیں، اور نیک لوگ برے لوگوں کے ہاں قیمت نہ پائیں، جب وہ ایسا کرنے لگیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت ان سے اٹھا لے گا، اور ان پر ظالموں کو مسلط کر دے گا۔ جو انہیں بری طرح عذاب دیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فقر وفاقہ لازم کر دیں گے۔"

مسند میں حدیث ثوبانؓ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "آدمی گناہ کی وجہ سے ملنے والے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔" نیز مسند میں مروی ہے: "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "عنقریب دوسری قومیں چاروں طرف سے تم پر آ پڑیں گی، جس طرح کھانے والے ایک برتن پر آ جمع ہوتے ہیں، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ حالت تعداد میں کمی کی وجہ سے پیش آئے گی؟ فرمایا تمہاری تعداد بہت ہوگی، لیکن تم سیلاب کے خس وخاشاک کی طرح ہوں گے، دشمنوں کے دل سے تمہاری ہیبت اٹھ جائے گی، اور تمہارے دلوں میں سستی آ جائے

احمد ([illegible]) — [illegible] ([illegible])

کی بجائے معاش کیا کہ سستی سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا زندگی سے محبت اور موت سے نفرت۔

مسند میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "معراج کی رات میرا ایک ایسی قوم پر گزر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے۔ جس سے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے۔ میں نے پوچھا، جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں؟ جواب ملا: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی غیبت کیا کرتے تھے۔ ان کی عزتیں خراب کرتے تھے۔" جامع ترمذی میں حضرت ابی ہریرہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "آخر زمانہ میں ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو دین کے بہانے دنیا کمایا کریں گے، لوگوں کو دکھانے کے لئے صوف پہنا کریں گے، ان کی زبان نہایت شیریں ہوگی، اور ان کے دل بھیڑیوں کے سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کیا تم مجھ پر دھوکہ کھاتے ہو اور مجھ پر جرأت کرتے ہو، مجھے اپنی ذات کی قسم ہے میں ان لوگوں پر ایک ایسا فتنہ بھیجوں گا جو ان میں سے دانا و عقلمند کو بھی حیرت زدہ بنادے گا۔" ابن ابی الدنیا حضرت جعفر بن محمدؒ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا "لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلام کا صرف نام ہی رہ جائے گا اور قرآن مجید کے صرف نقوش موجود رہیں گے۔ مسجدیں آباد ہوں گی مگر ہدایت کا نام و نشان نہ ہوگا، علماء بدترین خلائق ہو چکے ہوں گے۔ انہی سے فتنہ نکلے گا اور انہیں میں لوٹے گا۔"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ "جب کسی بستی میں زنا کاری اور سود خوری عام ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی ہلاکت کا حکم دے دیتے ہیں۔" مراسیل حسن میں ہے: "جب لوگ اپنے علم کا اظہار کرنے لگیں، اور عمل کو ضائع کر دیں گے، زبان

---

۱ [illegible] (۸۔۲۰۲)

سے ہمدردی اور دل سے بغض رکھیں گے اور قطع رحمی کرنے لگیں گے تب اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کا نزول کرے گا اور انھیں اندھا بہرا کردے گا۔ سنن ابن ماجہ میں حدیث عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ مروی ہے کہ "میں اور مہاجرین میں سے نو آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ سامنے سے ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ اے جماعت مہاجرین! پانچ باتیں ہیں، خدا کی پناہ! تم ہرگز انھیں اختیار نہ کرنا۔ جب کسی فاحش امر کو لوگ کھلم کھلا کرنے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں طاعون اور دردی بیماریوں میں مبتلا کردیتا ہے، جو ان سے پہلے لوگوں میں کبھی نمودار نہ ہوئی تھیں، اور جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ انھیں قحط، ظلم اور حاکم کی مصیبتوں میں مبتلا کردیتا ہے، اور جب کوئی قوم اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتی، تو باران رحمت سے محروم کردی جاتی ہے، اگر دوسرے حیوانات روئے زمین پر نہ ہوتے تو ان پر کبھی بارش نہ ہوتی، اور جب کوئی قوم عہد شکنی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کردیتا ہے، اور وہ ان کے ہاتھ سے سب کچھ چھین لیتے ہیں، اور جب اس قوم کے ائمہ کتاب اللہ کے مطابق عمل پیرا نہیں ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان پر دشمنوں کا خوف غالب کردیتا ہے"[1]

مسند اور سنن میں روایت عبداللہ بن مسعودؓ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "پچھلی امتوں میں دستور یہ تھا کہ جب کوئی شخص کسی قسم کا گناہ کرتا تو دوسرا اس کو بطور تعذیر منع کرتا اور اسے کہتا کہ اے فلاں! اللہ کا خوف کر، جب دوسرا دن ہوتا تو اس کے ساتھ میل جول اور خورد ونوش کیا کرتا، جس سے یہ لگتا کہ جیسے اس نے گزشتہ کل اس کو گناہ کرتے نہیں دیکھا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی اس حالت کو دیکھا تو ایک دوسرے کے دلوں کو آپس میں یکساں کردیا۔ (یعنی گمراہ ہوگئے) پھر وہ بزبان داؤد وعیسیٰ علیہما السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مستحق لعنت ہوگئے،

[1] ابن ماجہ

یہ سب کچھ ان کی نافرمانی اور سرکشی کی وجہ سے ہوا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے۔ تم ضرور نیکی کا حکم اور برے کاموں سے روکا کرو گے، اور بے وقوفوں کو حق کی طرف موڑ کر لایا کرو گے، حتی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو آپس میں یکساں کر دے گا، پھر اسی طرح تم پر لعنت کرے گا جس طرح اگلوں پر لعنت کی گئی ہے۔

ابن ابی الدنیا ابراہیم بن عمرو الصنعانیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ: "اللہ تعالیٰ نے یوشع بن نون کی طرف وحی کی کہ: اے یوشع! میں تیری قوم کے چالیس ہزار نیک لوگوں اور ساٹھ ہزار برے لوگوں کو ہلاک کروں گا۔ یوشع علیہ السلام نے عرض کیا خدایا! برے تو برے ہیں، مگر نیک لوگوں کا کیا قصور؟ جواب ملا۔ انھوں نے مستحقین غضب کے جرم پر غضب کا اظہار نہیں کیا۔ ان سے مل جل کر کھاتے پیتے رہے۔"

ابو عمر بن عبدالبرؒ ابو عمران سے روایت کرتے ہیں کہ: "اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کی طرف دو فرشتوں کو بھیج کر حکم دیا کہ تمام لوگوں کو ہلاک کر دو، انھوں نے اس بستی میں ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھ کر عرض کیا: خدایا! تیرا فلاں بندہ نماز پڑھ رہا ہے، جواب ملا کہ اسے بھی ان مجرموں کے ساتھ ہلاک کر ڈالو، کیونکہ اس کے چہرے پر (دینی غیرت میں) کبھی آثار غضب نمودار نہیں ہوئے۔" حمیدی سفیان بن عیینہ سے بروایت سفیان بن سعید راوی ہیں کہ: "ایک فرشتہ کو حکم ہوا کہ ایک بستی کو زمین میں دھنسا دے، اس نے عرض کیا، الٰہی! اس بستی میں فلاں عبادت گزار شخص رہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو وحی کی کہ پہلے اسی کو ہلاک کرو، کیونکہ (میرے دین کی غیرت میں) کبھی اس کے چہرے پر آثار غضب ظاہر نہیں ہوئے۔"

ابن ابی الدنیا وھب بن منبہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ: "جب داؤد علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی، تو آپ نے دعا کی کہ یا اللہ! مجھے بخش دے، جواب ملا، ہم نے تجھے بخش دیا اور گناہ کی عار بنی اسرائیل پر ڈال دی، داؤد علیہ السلام نے عرض کیا

مسند (٣٩١/١)

الٰہی تیرا عدل اس بات کا مقتضی ہے کہ خطا میں کروں اور اس کی عار دوسروں کو لاحق ہو؟ جواب ملا: "ہماری غیرت کا یہی تقاضا ہے کیونکہ جب تجھ سے خطا سرزد ہوئی تھی تو انھوں نے تمہاری تعزیت میں جلدی نہیں کی تھی۔" ابن ابی الدنیا انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ "میں اور ایک آدمی حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس دوسرے آدمی نے عرض کیا ام المؤمنین! زلزلے کے متعلق ارشاد فرمایئے۔ آپؓ نے فرمایا: "جب لوگوں میں زنا کاری، شراب خوری اور آلات موسیقی کا استعمال عام ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان پر غیرت کرتا ہے، اور زمین کو حکم دیتا ہے کہ انھیں ذرا جھٹکا دے دے، پس اگر وہ باز آجائیں تو بہت بہتر ورنہ زمین ان پر منہدم کردی جاتی ہے۔ اس نے پوچھا ام المؤمنین! کیا ان سے یہ سلوک بطور عذاب کیا جاتا ہے؟" فرمایا: "نہیں بلکہ اہل ایمان کے لئے موعظت اور رحمت کے طور پر، اور کفار کے لئے عذاب اور غضب کے طور پر ایسا کیا جاتا ہے۔"

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: "میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسی حدیث نہیں سنی جس سے میں اس حدیث کی نسبت زیادہ خوش ہوا ہوں۔" ابن ابی الدنیا مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں زلزلہ آیا، آپؐ نے اپنا دست مبارک زمین پر رکھ کر فرمایا: ٹھہر جا! ابھی تیرا وقت نہیں آیا، پھر آپ صحابہؓ کی جانب متوجہ ہوکر فرمانے لگے کہ: "اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ تم اس کی رضا تلاش کرو تاکہ وہ تم سے راضی ہو۔" اس کے بعد حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانہ میں زلزلہ آیا تو آپ نے فرمایا: "اس زلزلہ کا سبب کوئی ایسا گناہ ہے جس کا تم لوگوں نے ارتکاب کیا ہے۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر دوبارہ زلزلہ آیا تو میں تمہارے ساتھ رہنے کے لئے یہاں سکونت نہیں کروں گا۔" ابن ابی الدنیا نے مناقب عمرؓ میں لکھا ہے کہ "آپ کے زمانہ خلافت میں زلزلہ آیا تو آپ نے اپنا ہاتھ

(مجمع الزوائد ج ۷ صفحہ ۲۸۰)

مسند امام احمدؒ میں روایت ابن عمرؓ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جب لوگ درہم و دینار میں بخل کریں گے، اور بیع عینہ[1] کریں گے، اور بیلوں کے پیچھے لگیں گے، اور جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیں گے، تو اللہ ان پر بلا و مصیبت نازل کریں گے، اور جب تک وہ اپنے دین کی طرف واپس نہیں لوٹیں گے، ان سے وہ مصیبت دور نہیں فرمائیں گے۔" (رواہ ابوداؤد باسناد حسن)

ابن ابی الدنیا روایت ابن عمرؓ ذکر کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ "ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے درہم و دینار کا اپنے مسلمان بھائی سے زیادہ مستحق نہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جب لوگ درہم و دینار میں بخل کریں گے، اور بیع عینہ کریں گے، اور جہاد فی سبیل اللہ ترک کردیں گے، بیلوں کے پیچھے لگیں گے، تو ان پر آسمان سے بلا و آفت نازل ہوگی اور جب تک وہ لوگ اپنے دین پر واپس نہیں آجائیں گے ان سے وہ بلا دور نہیں ہوگی۔"

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ واللہ! بیع عینہ اللہ کی طرف سے بندوں پر ایک عذاب ہے، بنی اسرائیل کے ایک نبی نے بخت نصر کے ظلم و ستم کو دیکھ کر فرمایا کہ "الٰہی! ہمارے برے اعمال کے سبب آپ نے ہم پر ایک ایسے شخص کو مسلط کیا ہے جسے نہ تو تیرا خوف ہے اور نہ ہماری حالت زار پر رحم۔" بخت نصر نے دانیال پیغمبر سے کہا

---

[1] بیع عینہ کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے ہاتھ کوئی سامان معین قیمت پر مقررہ مدت تک بیچے، پھر اسی سے اس کو نقد کم قیمت دے کر خرید لے۔ (مترجم)

نافرمانی کرنے لگتے ہیں تو میں ان پر ان لوگوں کو مسلط کر دیتا ہوں جو میری معرفت نہیں رکھتے۔" ۱۳: بروایت ابن عمر مرفوعاً مذکور ہے کہ حضور سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا "اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے والے امراء، فاجر فاسق وزراء، خیانت کرنے والے معاونین، ظالم سرداروں اور فاسق قاریوں کو جو راہبوں کی سی شکل و وضع رکھتے ہوں گے، ان کے دل مردار سے زیادہ بدبودار ہوں گے اور ان کی خواہشیں مختلف ہوں گی، پیدا نہیں کر دے گا، پھر اللہ تعالیٰ ان کے لئے ایک عام تاریک فتنہ برپا کر دے گا جس میں وہ سب لوگ حیران ہوں گے، اللہ کی قسم! اسلام کڑی کڑی ہو جائے گا، حتیٰ کہ کوئی اللہ کا نام نہیں لے گا، تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو گے، یہاں تک اللہ تعالیٰ تم پر برے لوگوں کو مسلط کر دیں گے، جو تمہیں بری تکلیفیں پہنچائیں گے، پھر تم میں سے نیک لوگ دعا کریں گے جو قبول نہ ہوگی، تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو گے، حتیٰ کہ اللہ تم پر ایسے لوگوں کو مسلط کر دے گا، جو چھوٹوں پر رحم نہ کریں گے اور بڑوں کی توقیر نہیں کریں گے۔" ۱۴: معجم طبرانی وغیرہ میں ابن عباس سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "کوئی قوم پیمانہ و ناپ نہیں گھٹاتی اور ترازو کے وزن کو کم نہیں کرتی مگر اللہ تعالیٰ اس گناہ کی پاداش میں باران رحمت لوگوں سے روک لیتے ہیں، اور کسی قوم میں زنا نہیں پھیلتا مگر ان میں موت نمودار ہوتی ہے، اور کسی قوم میں سود خوری ظاہر نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر دیوانگی مسلط کر دیتے ہیں، اور کسی قوم میں کشت و خون کی رو نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ ان پر ان کے دشمنوں کو غالب کر دیتا ہے، اور کسی قوم میں لواطت عام نہیں ہوتی مگر ان میں خسف (زمین میں دھنسنا) ظاہر ہوتا ہے، اور کوئی قوم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (کا فریضہ) ترک نہیں کرتی مگر ان کے اعمال آسمان

کی طرف نہیں اٹھائے جاتے (یعنی قبول تو قبول نہیں ہوتے) اور ان کی دعائیں نہیں جاتیں۔" (رواہ ابن ابی الدنیا من حدیث ابراہیم بن الاشعث)

اور مسند وغیرہ میں یہ حدیث بالفاظ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اس حال میں کہ آپ ہانپ رہے تھے، میں نے آپ کے چہرۂ انور کے آثار سے پہچان لیا کہ آپ کو کوئی امر پیش آیا ہے۔ آپ نے کوئی کلام نہیں کیا، وضو فرما کر باہر تشریف لائے، اور میں حجرے کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی، اتنے میں آپ منبر پر چڑھ گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا: "لوگو! اللہ کے عذاب سے ڈرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم لوگوں کو نیک کام کرنے اور برے کام سے باز رہنے کی ہدایت کرو، قبل اس کے کہ تم دعا کرو اور میں قبول نہ کروں، تم مدد طلب کرو اور میں تمہاری مدد نہ کروں، اور تم مجھ سے مانگو اور میں تمہیں عطا نہ کروں۔"[1]

عمری الزاہد فرماتے ہیں کہ کسی ایسے امر کو جو غضب الٰہی کا ذریعہ ہو ٹال دینا اور امر و نہی سے کسی ایسے شخص کے خوف سے باز رہنا جو اپنی ذات کے لئے بھی نفع و نقصان کا مالک نہیں، یہ اپنے نفس سے غافل ہونے اور اللہ تعالیٰ سے روگردانی کا نتیجہ ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ جو شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو کسی مخلوق کے خوف سے ترک کر دے تو دوسرے لوگ بھی اس کی فرمانبرداری نہیں کرتے، اگر وہ اپنے بیٹے یا غلام کو کسی کام کا حکم دے تو وہ بھی اس کے حق کا پاس نہیں کرتے۔"

امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت قیس بن ابی حازم سے نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "لوگو! تم یہ آیت مبارکہ پڑھتے ہو"

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ

---

[1] احمد (۶/۱۵۹)

(صحیح ابی داؤد [illegible])

یعنی اس کو بے محل رکھتے ہو، میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، آپؐ نے فرمایا: "جب لوگ کسی ظالم کو برے کام کرتے دیکھ کر نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ جلد ان پر اپنا عمومی عذاب نازل کرتے ہیں۔"

امام اوزاعیؒ بروایت ابی ھریرہؓ نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب گناہ خفیہ طور پر کیا جائے تو وہ گناہ کرنے والے کے سوا کسی اور کو نقصان نہیں پہنچاتا، اور جب علانیہ کیا جائے تو اس کا وبال سب پر آتا ہے۔"

امام احمدؒ حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت کرتے ہیں انھوں نے فرمایا: "عنقریب آباد بستیاں ویران ہو جائیں گی۔ صحابہؓ نے پوچھا وہ کیسے؟ آپؐ نے فرمایا: جب فاجروں کا نیک کاروں پر غلبہ ہو جائے گا، اور منافق لوگ حکومت کرنے لگیں گے، تو ایک عام خرابی پھیل جائے گی۔" امام اوزاعیؒ حسان بن عطیہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "عنقریب میری امت کے برے لوگ نیک لوگوں پر غالب آ جائیں گے، حتیٰ کہ ایماندار آدمی ان میں اسی طرح مخفی رہے گا جس طرح آج ہم میں منافق لوگ مخفی ہیں۔" ابن ابی الدنیا، بحدیث ابن عباسؓ مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "ایک زمانہ آئے گا کہ اس میں ایماندار آدمی کا دل اس طرح پگھلے گا جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے، صحابہؓ نے سوال کیا، یا رسول اللہ! کیونکر؟ آپؐ نے فرمایا: "برے افعال کو دیکھ کر ان کو روکنے پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے ایسا ہوگا۔"

امام احمدؒ نے بحدیث جابرؓ مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس قوم میں گناہ کثرت سے ہونے لگیں اور ان کی تعداد گناہ کرنے

لے احمد [illegible]

والوں سے زیادہ ہوں اور وہ صاحب اقتدار ہوں اور اس پر روک ٹوک نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر ایک عام عذاب نازل کر دیتے ہیں۔" صحیح بخاری میں روایت اسامہ بن زید سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قیامت کے روز ایک آدمی لایا جائے گا اور آگ میں ڈال دیا جائے گا، پس اس کی آنتیں اس آگ میں نکل پڑیں گی، اور وہ اس طرح گھومے گا جس طرح چکی کے گرد گدھا گھومتا ہے، پھر اس کے پاس اہل جہنم جمع ہوں گے اور اسے کہیں گے کہ اے فلاں! تیری کیا حالت ہے؟ کیا تو ہمیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کیا کرتا تھا؟ وہ کہے گا کہ بے شک میں کیا کرتا تھا مگر خود اس پر عمل نہیں کرتا تھا۔"

امام احمدؒ مالک بن دینار سے نقل کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں سے ایک عالم کے گھر پر مرد اور عورتیں جمع ہوتی تھیں، اور وہ انہیں وعظ و نصیحت کیا کرتا تھا۔ ایک دن اپنے ایک بیٹے کو دیکھا کہ وہ عورتوں سے نظر بازی کر رہا ہے تو اس نے اس سے کہا، پیارے بیٹے! ایسا مت کرو، یہ کہتے ہی وہ گر پڑا اور اس کا فقرہ ٹوٹ گیا، اور اس کی بیوی کا حمل ساقط ہو گیا اور اس کے بیٹے ہلاک کر دیئے گئے، اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے نبی کی طرف یہ وحی کی کہ تم فلاں عالم کو یہ خبر دے دو کہ میں تیری نسل میں کبھی صدیق پیدا نہیں کروں گا، اور میرے اس غضب کی وجہ یہ ہے کہ تم نے اپنے بیٹے کو برے کام سے اس طرح روکا جس سے ایک قسم کی نرمی اور پیار کا اظہار ہوتا تھا۔"

امام احمدؒ نے حدیث عبداللہ بن مسعودؓ ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بچو، کیونکہ وہ جمع ہوتے ہوتے اس قدر ہو جاتے ہیں کہ کرنے والے کو ہلاک و تباہ کر ڈالتے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے گناہوں کی مثال یوں بیان کی ہے، جیسے لوگوں کا ایک گروہ کسی

کے چھوٹ جانے پر تیرا رنجیدہ ہونا گناہ سے کہیں بڑھ کر ہے، اور تیرا گناہ کرتے وقت ہوا کے تیز ہونے سے پردے کی حرکت سے اس خیال پر کہ کوئی دیکھ لیگا ڈرنا اور اللہ تعالیٰ کا تجھے گناہ کرتے وقت دیکھنا اور تیرا مضطرب نہ ہونا تیرے گناہ سے کہیں بڑھ کر ہے، تیرا برا ہو، کیا تو جانتا ہے کہ ایوب علیہ السلام کس لغزش کی پاداش میں تکلیف میں مبتلا ہوئے، جس سے وہ جسمانی بیماری اور مالی تباہی سے دوچار ہوئے؟ وہ لغزش یہ تھی کہ ایک مسکین آدمی نے آپ سے استغاثہ کیا تھا کہ آپ مجھے فلاں ظالم کے ظلم سے بچالیں، آپ نے اس کی فریاد رسی نہ کی، اور ظلم کا انسداد نہ کیا، تب اللہ تعالیٰ نے ان کو تکلیف میں مبتلا کیا۔"

امام احمدؒ بروایت ولید امام اوزاعیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

﴿لا تنظر الی صغر الخطيئة ولكن انظر الى من عصيت﴾

یعنی "یہ مت خیال کرو کہ گناہ چھوٹا ہے، بلکہ اس ذات کا خیال کرو جس کی تم نے نافرمانی کی ہے۔"

فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ: "جس قدر کوئی گناہ تمہارے نزدیک چھوٹا سمجھا جاتا ہے، اسی قدر اللہ کے ہاں وہ بڑا سمجھا جاتا ہے، اور جس قدر وہ گناہ تمہارے نزدیک بڑا ہوگا اللہ کے ہاں اسی قدر چھوٹا سمجھا جاتا ہے۔" کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی، اے موسیٰ! سب سے پہلے میری مخلوق میں سے جس کو موت آئی وہ ابلیس تھا، وجہ اس کی یہ ہے کہ سب سے پہلے اس نے نافرمانی کی، اور میں ایسے نافرمانوں کو مُردوں میں شمار کرتا ہوں۔" مسند اور جامع ترمذی میں حدیث ابی ھریرہؓ مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:" مومن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ لگ جاتا ہے، اگر وہ توبہ

گناہ کرے اور باز آ جائے اور استغفار کرے تو اس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے، اور اگر وہ گناہ میں برابر لگا رہے تو وہ نکتہ بڑھتا رہتا ہے، حتیٰ کہ اس کے تمام دل پر پھیل جاتا ہے۔ یہی وہ رین (زنگ) ہے جس کا خدا تعالیٰ کریم نے "کلا ــــــــ بل ران" (المطففین ۱۴) میں ذکر کیا ہے۔" امام ترمذی فرماتے ہیں ھذا حدیث حسن صحیح"

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جب آدمی کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ پیدا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اس کا دل خاکستری رنگ بکری کی طرح ہو جاتا ہے۔" امام احمدؒ نے حدیث عبداللہ بن مسعودؓ ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " قریش کی جماعت! تم منصب امامت کے اہل بنے رہو گے جب تک کہ تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو گے، اور جب تم نافرمانی کرنے لگو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسے لوگوں کو مسلط کرے گا جو تمہاری بے عزتی کریں گے، جس طرح کہ اس چھڑی سے چھال اتار لی جائے، اس وقت آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس کی آپ نے چھال اتار دی، اور وہ نیچے سے سفید اور صاف نکل آئی، (اسی طرح یہ ظالم لوگ تمہاری پردہ دری کریں گے، یہ تمہیں کوئی پوری ہو گی) امام احمد بن حنبلؒ نے وھبؒ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا:" اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی تعلیمات میں فرمایا ہے کہ جب میری اطاعت کی جاتی ہے، تو میں راضی ہوتا ہوں، اور جب میں راضی ہوتا ہوں تو خیر و برکت نازل کرتا ہوں، اور میری خیر و برکت کی کوئی انتہا نہیں، اور جب میری نافرمانی کی جاتی ہے تو میں ناراض ہوتا ہوں، اور جب میں ناراض ہوتا ہوں تو لعنت بھیجتا ہوں، اور میری لعنت ساتویں پشت تک اثر کرتی ہے۔" نیز بروایت عامر فرماتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے امیر معاویہؓ کو لکھا " بعد از صلوٰۃ واضح ہو کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو لوگوں میں اس کو اچھا کہنے والے برا کہنے لگتے ہیں۔" ابو نعیم ابو درداءؓ سے یہ کلمات نقل

کرتے ہیں: ''انسان کو چاہیے کہ وہ اس بات سے بچتا رہے کہ مومنوں کے دل اس کی بے خبری میں اس پر لعنت بھیجتے رہیں، پھر خود ہی فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ میں نے یہ کلمات کیونکر کہے؟ سامعین نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا کہ انسان جب لوگوں سے چھپ کر گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مومنوں کے دلوں میں اس کا بغض ڈال دیتے ہیں۔ جس کی اسے خبر تک نہیں ہوتی۔'' عبداللہ بن احمد کتاب الزھد میں محمد بن سیرین سے متعلق نقل کرتے ہیں کہ: ''جب وہ مقروض ہو گئے تو بڑے پریشان ہوئے، اور فرمایا: اس غم کی وجہ وہی گناہ ہے جو چالیس سال پہلے مجھ سے سرزد ہوا تھا۔''

کبھی گناہ کا اثر جلدی ظاہر نہیں ہوتا:

یہاں ایک باریک نکتہ ہے جس کے سمجھنے میں اکثر لوگ غلطی کھا جایا کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ وہ گناہ کی فوری تاثیر کو محسوس نہیں کرتے، کیونکہ اس کی تاثیر ایک زمانہ کے بعد ظاہر ہوتی ہے، اور وہ اس مدت میں کردہ گناہ کو بھول چکے ہوتے ہیں اور یوں سمجھتے ہوں گے کہ آئندہ بھی اس گناہ کا کوئی اثر نہیں ہوگا، اور اپنا معاملہ شعر ذیل کے مطابق سمجھ لیتے ہیں۔

﴿اذا لم يغبر حائط في وقوعه فليس له بعد الوقوع غبار﴾

''جب دیوار سے گرتے وقت کوئی گردوغبار نہیں ظاہر ہوا تو اس کے گر چکنے کے بعد بھی گردوغبار نہیں ہوگا۔''

تعجب ہے! کس قدر لوگ اسی غلط فہمی سے ہلاک ہوئے؟ اور اللہ کی نعمتیں ان سے چھن گئیں؟ اور وہ مورد عذاب بن گئے۔ جاہل تو جاہل، اچھے پڑھے لکھے اہل علم وفضل بھی اس غلط فہمی میں مبتلا دیکھے گئے ہیں۔ دراصل ان لوگوں کو ایک قسم کا دھوکہ لگ جاتا ہے اور یہ نہیں جانتے کہ ایک نہ ایک دن اس کا اثر ضروری ظاہر ہوکر

رہے گا، جیسے وہ زخم آپ نے ایک دن بھرتا ہے جو بظاہر مندمل ہو جانے اور اس کے اندر فاسد مادہ باقی ہو۔ امام احمد ابوداؤدؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھتے ہو اور خود کو مردوں میں شمار کرو، اور جان لو کہ وہ قلیل مال جو تمہیں کافی ہو اس کثیر سے بہت بہتر ہے جو تمہیں غافل کر دے، اور جان لو کہ نیکی پرانی نہیں ہوتی اور گناہ فراموش کیا جا سکتا ہے۔" کہا جاتا ہے کہ کسی عابد نے ایک حسین لڑکے کو دیکھا اور اس کے خدوخال کو پسند کیا، خواب میں اسے کہا گیا کہ چالیس سال کے بعد تم اس کا اثر ضرور محسوس کرو گے۔"

علاوہ ازیں گناہ کا ایک فوری اثر بھی ہوتا ہے، سلیمان تیمیؒ کہتے ہیں "آدمی چھپ کر رات کو گناہ کرتا ہے تو صبح ہوتے ہی اس کے چہرے سے ذلت کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ یحییٰ بن معاذ الرازیؒ فرماتے ہیں: "مجھے اس صاحب عقل و ہوش شخص پر تعجب ہے جو اپنی دعا میں یوں کہتا ہے، اے اللہ! میرے دشمنوں کو مجھ پر نہ جتا، اس کے باوجود وہ خود دشمنوں کو اپنے اوپر جتاتا ہے، لوگوں نے پوچھا: یہ کیسے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی نافرمانی کرنے سے، جس کی وجہ سے اس کے دشمن قیامت کے دن اس پر ہنسیں گے۔ حضرت ذوالنون فرماتے ہیں:

﴿من خان اللہ فی السر هتک سترہ فی العلانیة﴾

یعنی "جو شخص چھپ کر اللہ کے حق میں خیانت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ علانیہ طور پر اس کی پردہ دری کرتے ہیں۔"

گناہ کے چند بُرے نتائج و نقصانات:

گناہ کے قبیح اور بُرے آثار و نتائج جو روح و بدن کو دنیا و آخرت میں

ضرر و نقصان پہنچتے ہیں وہ اس قدر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

☆ ان میں سے ایک حقیقی علم سے محروم ہونا ہے، کیونکہ علم ایک نور ہے جو اللہ کی طرف سے قلب مومن میں القا کیا جاتا ہے۔ اور معصیت اس نور کو بجھا دیتی ہے، غور کیجئے! جب امام شافعیؒ امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ پڑھا تو امام مالکؒ اپنے شاگرد کی فطانت و ذہانت دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ اور فرمانے لگے "میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے قلب میں نور کو القا کیا ہے، لہٰذا احتیاط رکھنا، کہیں گناہ کی ظلمت سے بجھ نہ جائے۔" امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

شکوت الی وکیع سوء حفظی ... فارشدنی الی ترک المعاصی

وقال اعلم بان العلم فضل ... وفضل اللہ لا یؤتاہ عاصی

"میں نے اپنے شیخ امام وکیعؒ سے حافظہ کی کمی کی شکایت کی تو انھوں نے مجھے گناہوں کے چھوڑ دینے کی ہدایت ارشاد فرمائی اور فرمایا کہ یقین جانو! علم اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے اور گنہگار اس فضل کے لائق نہیں ہے۔"

☆ گناہ کا ایک نقصان یہ ہے کہ رزق سے محرومی ہو جاتی ہے، جیسا کہ مسند میں مروی ہے "بندہ گناہ کی وجہ سے ملنے والے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔"

جس طرح تقویٰ اختیار کرنا رزق کو آسمان کی طرف سے کھینچ لاتا ہے اسی طرح تقویٰ ترک کرنا مفلسی اور تنگدستی لاتا ہے، لہٰذا یاد رکھنا چاہیے کہ گناہ کے ترک سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہے جو حصول رزق کا ذریعہ ہو۔

☆ گناہ کا ایک ضرر یہ ہے کہ گنہگار اپنے دل میں اللہ تعالیٰ سے ایک طرح کی وحشت محسوس کرتا ہے۔

جس کا مداوا دنیا کی کوئی لذت و راحت نہیں کر سکتی اور یہ ایسا امر ہے کہ

روحانی قلب کے سوا اسے کوئی محسوس نہیں کر سکتا۔ کیونکہ فاسق و فاجر کا قلب مردہ ہوتا
ہے، اور مردہ زخم لگنے کا درد محسوس نہیں کر سکتا، پس اگر گناہوں کا چھوڑ دینا صرف
مذکورہ وحشت سے بچنے کے لئے ضروری ہوتا اور اس وحشت کے علاوہ اور کوئی قباحت
گناہ میں نہ ہوتی، تب بھی ایک ذی ہوش عقلمند اس کے چھوڑ دینے کو ضروری خیال کرتا
اور سمجھتا۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص نے کسی عارف باللہ کے پاس وحشتِ قلب کی
شکایت کی تو انھوں نے فرمایا:

اذا کنت قد اوحشتک الذنوب   فدعها اذا شئت واستأنس

یعنی "جب گناہوں کے باعث تجھے اس طرح کی وحشت ستایا
کرے تو تو گناہوں کو ترک کر دیا کر، اور انسیت حاصل کر۔"

یاد رکھنا چاہیے کہ قلب کے لئے کوئی چیز وحشتِ گناہ سے زیادہ تکلیف دہ
نہیں ہو سکتی۔ فاللہ المستعان۔

☆ گناہ کا ایک برا اثر یہ بھی ہے کہ اس سے گنہگار اور دوسرے لوگوں خصوصاً نیک
لوگوں کے درمیان ایک وحشت سی پیدا ہو جاتی ہے، کیونکہ ایسا شخص خود اپنے
تئیں ان سے متنفر پاتا ہے، اور جوں جوں یہ وحشت بڑھتی جاتی ہے اہل خیر و
صلاح سے دور سے دور اور ان کی برکات و استفادات سے محروم ہوتا جاتا ہے،
اور شیاطین کے گروہ کے قریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ وحشت بڑھ کر اس قدر
ترقی کر جاتی ہے کہ گناہ کرنے والے اور اس کی بیوی بچوں اور دیگر رشتہ داروں
میں اپنا پورا پورا اثر ظاہر کرتی ہے، حتیٰ کہ یہ وحشت بڑھتے بڑھتے اس کو خود اپنی
ذات سے متنفر کر دیتی ہے۔ کسی بزرگ کا قول ہے "مجھ سے جب کوئی گناہ
سرزد ہوتا ہے تو میں اس کا اثر وحشت اپنی بیوی اور سواری کے گھوڑے میں

محسوس کرتا ہوں۔"

☆ گناہ کا ایک وبال یہ ہوتا ہے کہ گناہگار آدمی پر اس کے امور دشوار ہو جاتے ہیں، چنانچہ وہ ہر امر کو مشکل اور ممتنع الحصول خیال کرتا ہے۔ بخلاف اس شخص کے جو تقویٰ کا پابند ہو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام مشکل سے مشکل امور بھی آسان کر دیئے جاتے ہیں، لہٰذا جو شخص تقویٰ سے دستبردار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر تمام امور دشوار بنا دیتے ہیں۔ ایسے شخص کی حالت پر تعجب ہے جو خیر و سعادت کا دروازہ مسدود پاتا ہے اور اس کے کھلنے کی کوئی راہ نہیں دیکھتا۔

☆ گناہ کا ایک نقصان یہ ہے کہ وہ اپنے دل میں ظلمت محسوس کرتا ہے۔ شب تاریک کی ظلمت کی طرح۔ کیونکہ گناہ کی تاریکی اس کے قلب پر اس طرح چھا جاتی ہے جس طرح آنکھوں کے سامنے شب تاریک کی تاریکی، اس کی وجہ یہ ہے کہ طاعت ایک نور ہے اور معصیت ظلمت، اور جس قدر ظلمت قوی ہوتی چلی جاتی ہے اسی قدر اس کی ظلمت بڑھتی چلی جاتی ہے، حتیٰ کہ وہ بدعت وضلالت اور دیگر مہلک امور میں گرفتار ہو جاتا ہے اور وہ بے خبر رہتا ہے، اور وہ بعینہ اس اندھے کی طرح ہو جاتا ہے جو شب تاریک میں اکیلا چلتا ہو۔ پھر یہ ظلمت اس قدر قوی ہو جاتی ہے کہ اس کا اثر آنکھوں میں ظاہر ہونے لگتا ہے، مزید قوی ہوتی ہے تو وہ چہرے پر چھا جاتی ہے، اور چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے جسے ہر ایک دیکھ سکتا ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: "نیکی سے انسان کے چہرہ پر روشنی، دل میں نور، رزق میں وسعت و فراخی، بدن میں قوت اور لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ اور گناہ سے چہرہ پر سیاہی، دل میں تاریکی، بدن میں کمزوری، رزق میں کمی اور لوگوں کے دلوں میں اس کی عداوت و بغض جاگزیں ہوتی ہے۔"

☆ ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ انسان کے قلب وبدن کو سست کر دیتا ہے۔ قلب کی سستی تو بالکل ظاہر ہے، کیونکہ رفتہ رفتہ اس کی روحانیت بالکلیہ زائل ہو جاتی ہے، اور بدن کی سستی کی وجہ یہ ہے کہ مومن کو قلب سے قوت حاصل ہوتی ہے، اور جس قدر قلب قوی ہوتا ہے۔ اسی قدر اس کا بدن بھی قوی ہوتا ہے، فاسق اور فاجر آدمی کا بدن اگرچہ بظاہر قوی نظر آتا ہے مگر بوقت ضرورت اس کا ضعف بالکل ظاہر ہو جاتا ہے اور وہ قوت اس کی یاوری نہیں کرتی۔

غور کرو! اہل فارس اور اہل روم کو ان کی بدنی قوت نے بوقت ضرورت کام نہ دیا، اور اہل ایمان محض ایمانی قوت سے ان پر غالب آ گئے۔"

☆ ایک بڑا نقصان طاعت سے محرومی یعنی گناہ کرنے والا شخص طاعت وعبادت کی سعادت سے محروم رہتا ہے، بالفرض اگر گناہ کی سزا صرف یہ ہوتی کہ وہ عبادت سے روک دیتا ہے جس سے آہستہ آہستہ وہ تمام عبادات سے دستبردار ہو جاتا ہے جو اس کے لئے دنیا ومافیہا سے کہیں بڑھ کر تھیں (تو عقلمند کبھی بھی گناہ کی جرأت نہ کرتا) اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک شخص غذا میں بے اعتدالی کی وجہ سے بیمار ہو کر آئندہ ہر قسم کے عمدہ کھانوں سے محروم ہو جائے۔ واللہ المستعان۔

عمر کا کم اور زیادہ ہونا:

☆ معصیت اور گناہ عمر کو کم کر دیتا ہے اور عمر کی برکت کو زائل کر دیتا ہے، کیونکہ جس طرح نیکی عمر کو بڑھاتی ہے، اسی طرح بدی اس کو کم کر دیتی ہے۔

اس مقام پر محققین کا اختلاف ہے، بعض تو یہ کہتے ہیں کہ عمر کے کم ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کی عمر سے آثار خیر وبرکت زائل ہو جاتے ہیں اور یہی حق ہے، اور یہ گویا شمر گناہ کا ایک ثمرہ ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ حقیقۃً مدت عمر کم ہو جاتی ہے۔

جیسے رزق میں کمی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رزق میں برکت پیدا کرنے کے لئے اسباب قائم کر دیئے ہیں جو اس کو بڑھاتے ہیں، اور عمر میں برکت پیدا کرنے کے لئے بھی ایسے اسباب قائم کر دیئے ہیں جو اس میں اضافہ کرتے ہیں، وہ یہی کہتے ہیں کہ عمر کا اسباب کے ذریعہ زیادہ ہونا کوئی ممنوع امر نہیں جس طرح کہ عمر اسباب کے ذریعہ کم ہو جاتی ہے، اس لئے رزق، عمر، سعادت، شقاوت، صحت، مرض، مالداری اور فقیری وغیرہ امور اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر سے جاری ہوتے ہیں، مگر اس نے اپنی حکمت کاملہ سے ان امور کے لئے مناسب اسباب مقرر کر دیئے ہیں۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ گناہ کی تاثیر عمر کے کم کرنے میں یوں ظاہر ہوتی ہے کہ گناہ کرنے والے شخص کے ہاتھ سے حقیقی زندگی یعنی روحانی زندگی جاتی رہتی ہے، یہی وجہ ہے کہ کافر کو میت یعنی مردہ قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ﴾

یعنی "وہ کافر مردے ہیں زندے نہیں ہیں۔" (النحل ۲۱)

کیونکہ حقیقی زندگی، روحانی وقلبی حیات کا نام ہے، اور انسان کی عمر سے مراد اس کی مدت حیات ہے، لہٰذا اس کی عمر انہی اوقات میں مفید ہوگی جن میں وہ اللہ کے ساتھ وابستہ رہا، انہی اوقات کو اس کی عمر کی ساعات بنانا زیادہ مناسب ہے، پس نیکی، تقویٰ اور طاعت ان اوقات کو جو حقیقۃً اس شخص کے اوقات عمر ہیں زیادہ کرتے ہیں اور ان کے سوا دوسرے اوقات اس کی مدت عمر میں محسوب نہیں ہوتے۔

حاصل یہ ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ سے منہ پھیر لیتا ہے اور گناہوں میں پڑ جاتا ہے تو اس کی حقیقی زندگانی کے ایام رائیگاں جاتے ہیں جن پر قیامت کو حسرت کرتے ہوئے یوں کہے گا:

﴿يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ﴾ (الفجر ۲۴)

یعنی اے کاش! میں اپنی حیات کے لئے نیک اعمال بجالایا ہوتا۔"

بہرحال انسان کو یا تو دینی اور دنیوی امور کی طرف توجہ کرنے کا کچھ بھی موقع نہیں ملا، یا اس نے کسی قدر اس طرف توجہ کی ہے، پہلی صورت میں گویا اس نے اپنی عمر کو بالکل ضائع کردیا، اور دوسری صورت میں جس قدر اس کو دنیوی امور میں مشغولیت کا موقع ملا ہوگا۔ اسی قدر اسباب خیر کا حصول اس کے لئے دشوار ہوگا۔ وہ مشاغل طریق سعادت میں اس کے لئے رکاوٹیں پیدا کریں گے، اور یہ اس کی عمر کا حقیقی اور واقعی نقصان ہے، الغرض انسان کی عمر سے مراد اس کی مدت حیات ہے، اور اس کے سوا اس کی کوئی حیات نہیں کہ وہ اپنے رب اور مولیٰ کی طرف توجہ کرے، اور اس کی محبت اور رضامندی کو اپنی عمر کا مقصود حقیقی سمجھ کر تمام چیزوں پر ترجیح وفوقیت دے۔

ایک گناہ دوسرے گناہ کا ذریعہ بنتا ہے:

۱۶: ایک گناہ دوسرے گناہ کا بیج ہوتا ہے، اور بعض گناہ بعض کا باعث بنتے ہیں، حتی کہ انسان کے لئے ان سے علیحدہ اور جدا ہونا دشوار ہوجاتا ہے، چنانچہ کسی بزرگ کا قول ہے: "گناہوں کا ایک عذاب یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے گناہ کا سبب بنتا ہے، اور نیکی کا ایک ثواب یہ ہے کہ وہ ایک دوسری نیکی کا ذریعہ بنتی ہے۔" کیونکہ انسان جب ایک نیکی کرتا ہے تو فوراً دوسری نیکی کہتی ہے کہ مجھے بھی کرو (یعنی دوسری نیکی کی ہدایت مل جاتی ہے) جب وہ اس کو بھی کرلیتا ہے تو اسے ایک اور نیکی کی ہدایت ہوجاتی ہے، علیٰ ھذا القیاس اس کی نیکیاں بڑھتی چلی جاتی ہیں، یہی حال گناہ کا ہے کہ ایک گناہ دوسرے گناہ کو کھینچتا ہے، حتی کہ نیکی اور گناہ رفتہ رفتہ اس کی نفس میں پختہ راسخ صفت لازمہ اور ملکہ ثابتہ کی

طرح قائم ہو جاتے ہیں، اس کے بعد اگر کوئی نیکوکار نیک کام بھی چھوڑ دے تو اس کی جان تنگ ہو جاتی ہے اور وہ اپنے دل میں اس طرح مضطرب اور بے چین ہوتا ہے جس طرح مچھلی پانی سے جدا ہو کر مضطرب ہوتی ہے جب تک وہ نیکی کر نہیں لیتا اسے سکون و آرام نہیں ملتا، اسی طرح اگر کوئی گنہگار آدمی گناہ چھوڑ دے تو اس کی جان عذاب میں پڑ جاتی ہے، سینہ تنگ ہونے لگتا ہے، اور اسے کوئی راہ فرار نہیں سوجھتی، جب تک وہ اپنی عادت کو پورا نہیں کر لیتا اسے سکھ اور چین نہیں آتا۔ چنانچہ بہت سے فاسقوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنی اس عادت کو پورا کیے بغیر نہیں رہ سکتے، خواہ انہیں اس میں کچھ لذت حاصل نہ ہو۔ اس کا سبب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ وہ اس مذموم عادت کو ترک کرنے پر تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ اسی بات کو شیخ ابوالحسن بن ہانی نے اس شعر میں یوں ادا کیا ہے:

﴿وكأس شربت على لذة وأخرى تداويت منها بها﴾

"بسا اوقات میں خوب مزے لے لے کر ایک جام شراب پیتا ہوں اور دوسرا جام محض خمار دور کرنے کی غرض سے استعمال کرتا ہوں۔"

اسی طرح کسی کا قول ہے:

﴿وكانت دوائي وهي دائي بعينه كما يتداوى شارب الخمر بالخمر﴾

"میری دوا بعینہ میرا مرض ہے، جس طرح سے خوار شراب پی کر اپنی تکلیف دور کرتا ہے۔"

انسان ہمیشہ نیکی کرنے کے لئے تکلیف اٹھاتا رہتا ہے، اس کو پسند کرتا ہے اور دیگر امور پر اسے ترجیح دیتا رہتا ہے تا آنکہ رفتہ رفتہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت کاملہ سے اس پر ملائکہ کا نزول فرماتے ہیں جو اس کو نیکی کی طرف آمادہ کرتے ہیں اور

اس کو خواب استراحت سے دور اور علیحدہ کرتے ہیں (یعنی نیکی کرنا اس کے لئے سہل ہوجاتا ہے) اسی طرح انسان گناہوں کو دوست اور پسند رکھتا رہتا ہے تا آنکہ اللہ تعالیٰ شیاطین کو اس پر مسلط کر دیتا ہے جو اسے گناہ پر ابھارتے رہتے ہیں۔ پہلا تو اپنے لئے نیکی کے مددگار پیدا کرتا ہے اور دوسرا اس کے برخلاف اپنے لئے گناہ کے معاون مہیا کرتا ہے۔

گناہ نیکی کے ارادہ کو کمزور کردیتا ہے:

☆ گناہ کا سب سے زیادہ خوفناک نتیجہ یہ ہے کہ گنہگار کا قلب آہستہ آہستہ گناہ کے ارادہ میں قوی اور توبہ کے ارادہ میں کمزور ہوتا جاتا ہے، حتیٰ کہ توبہ کے ارادہ سے بالکلیہ دور ہوجاتا ہے، اگر اسی حالت میں مرجائے تو بلا توبہ مرجاتا ہے۔ جھوٹا آدمی اکثر زبان سے توبہ کیا کرتا ہے، اس کا دل برابر گناہ سے وابستہ رہتا ہے جب موقع پاتا ہے فوراً کر گذرتا ہے۔ یہ ایک عظیم اور مہلک مرض ہے۔

فصل

گناہ سے محبت اور لگاؤ:

☆ گناہ کی ایک نحوست یہ ہے کہ دل سے گناہ کی قباحت کا خیال بالکل دور ہوجاتا ہے، اور یہ گناہ اس کی عادت بن جاتا ہے، وہ اس کو برا نہیں سمجھتا کہ لوگ اس کو گناہ کرتے دیکھتے یا اسے برا کہتے ہیں، اہل فسق وفجور اس حالت کو اپنے لئے باعث لذت ومسرت خیال کرتے ہیں، حتیٰ کہ بعض فساق اپنے گناہوں پر اظہار فخر کیا کرتے ہیں، اور جنھیں ان کے فعل کا علم نہیں ہوتا انھیں کہا کرتے ہیں کہ اے فلاں! میں نے آج یہ کام کیا وہ کام کیا۔ اس قسم کے لوگ نا قابل

معاف ہوتے ہیں، ان پر توبہ کی راہ بالکل مسدود ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''تمام لوگ قابل معافی ہیں مگر وہ لوگ جو کھلم کھلا علانیہ طور پر گناہ کرتے ہیں، اور یہ بات بھی کھلم کھلا گناہ کرنے میں داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے گناہ پر پردہ ڈالے اور وہ خود کو اپنی زبان سے رسوا کرنے لگے، اور یوں کہے آج ہم نے یہ کیا، وہ کیا، سو ایسا شخص خود اپنی پردہ دری کرتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تھی۔''[1]

گناہ گزشتہ قوموں کی میراث ہے

☆ ہر گناہ گزشتہ امتوں اور قوموں میں سے کسی نہ کسی امت و قوم کی میراث اور بقیہ سمجھا جاتا ہے۔ جن پر اس گناہ کی وجہ سے عذاب الٰہی نازل ہوا، مثلاً لواطت قوم لوط کی، اپنا مال زیادہ ناپ تول سے لینا اور دوسرے کا حق ناقص ناپ تول سے ادا کرنا قوم شعیب کی، فتنہ و فساد قوم فرعون کی، ظلم و تکبر قوم ہود کی میراث اور یادگاریں سمجھی جاتی ہیں لہٰذا جو شخص ان گناہوں میں سے جو گناہ اختیار کرتا ہے وہ اسی امت کی روش اختیار کرتا ہے، جو اعداء اللہ کی جماعت قرار پا کر مستحق عذاب ہوئی۔ عبداللہ بن احمد کتاب الزہد میں مالک بن دینار سے روایت کرتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ نے انبیائے بنی اسرائیل میں سے ایک نبی کی طرف یہ وحی نازل کی کہ تم اپنی قوم کو کہہ دو کہ تم اعداء اللہ کے پاس مت جاؤ، ان کے لباس مت پہنو۔ ان کی سواریوں پر مت سوار ہو اور ان کا کھانا مت کھاؤ، ورنہ تم بھی ان کی طرح میرے دشمن ہو جاؤ گے۔''

مسند امام احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں قرب قیامت تلوار کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں۔ تاکہ

---

[1] صحیح بخاری ۱۰/۴۸۶، صحیح مسلم

ں وقت تک جہاد کروں کہ لوگ خدائے واحد لاشریک کی عبادت کرنے لگیں، اور اللہ تعالیٰ نے میرا رزق میرے نیزے کے سایہ کے نیچے کر دیا ہے، اور میرے حکم کی مخالفت کرنے والے کے مقدر میں ذلت و رسوائی رکھ دی ہے، جو شخص کسی اور قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں سے ایک ہوتا ہے"۔

٭ گناہ کا ایک برا اثر یہ بھی ہے کہ گناہ انسان کے لئے اللہ کے حضور موجب ذلت ہو جاتا ہے، اللہ کی نظر رحمت سے گر جاتا ہے، حسن بصری فرماتے ہیں: "لوگ اللہ کی نظروں میں ذلیل ہوگئے، وہ اس کی نافرمانی کرنے لگے، اگر اس کی نظروں میں عزیز ہوتے تو انہیں گناہوں سے بچاتے۔"

قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص اللہ کے نزدیک ذلیل ہو جاتا ہے تو کوئی اس کی عزت نہیں کرتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ومن یھن اللہ فما لہ من مکرم﴾

یعنی "جس کو اللہ تعالیٰ ذلیل کرتا ہے پھر کوئی اس کی عزت نہیں کرتا" (حج: ۱۸)

ایسے شخص کی اگرچہ لوگ بظاہر اپنی حاجات یا اس کی خوشامد کی وجہ سے تعظیم کرتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں وہ نہایت ہی حقیر اور ذلیل سمجھا جاتا ہے۔

﴿فصل﴾

گناہ کو معمولی سمجھنا:

٭ گناہ کا ایک نقصان یہ ہے کہ آدمی گناہ کرتے کرتے اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ گناہ اس کی نظروں میں ایک حقیر اور معمولی محسوس ہونے لگتا ہے۔ جس کی

[illegible]

وہ مطلق پرواہ نہیں کرتا۔ یہ اس کی ہلاکت کی علامت ہے۔ کیونکہ گناہ جس قدر آدمی کی نظروں میں معمولی معلوم ہوتا ہے اسی قدر اللہ کے نزدیک غیر معمولی اور بڑا سمجھا جاتا ہے۔ صحیح بخاری میں ابن مسعودؓ سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں۔ ''مومن آدمی گناہ کو یوں خیال کرتا ہے گویا وہ پہاڑ کی جڑ کے نیچے بیٹھا ہے کہ کہیں وہ پہاڑ اس پر آنہ پڑے، اور فاجر آدمی اپنے گناہ کو یوں سمجھتا ہے جیسے ایک مکھی، جو اس کی ناک پر بیٹھ گئی ہو اور وہ اپنے ہاتھ کی معمولی حرکت سے اُڑا دیتا ہے۔''

گناہوں کی نحوست:

☆ گناہ کرنے والے کے گناہ کی شامت نحوست دوسرے لوگوں اور جانوروں پر بھی آتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ خود اور دوسرے بھی مرجاتے ہیں۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ''ظالم آدمی کے ظلم کی وجہ سے سرخاب اپنے آشیانہ میں مرجاتا ہے۔''

مجاہد فرماتے ہیں ''جب قحط پڑ جاتا ہے اور باران رحمت نازل نہیں ہوتی تو بہائم (جانور) نافرمان لوگوں پر لعنت بھیجا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مصیبت اولادِ آدم کی معصیت کی نحوست کے سبب نازل ہوتی ہے۔'' عکرمہ فرماتے ہیں ''زمین کے چوپائے، حشرات اور کیڑے اور بچھو بھی یوں کہتے ہیں کہ اولاد آدم کے گناہوں کی وجہ سے ہم باران رحمت سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔'' گناہگار کو اس سے بڑھ کر کیا عذاب ہوگا کہ بے گناہ چیزیں بھی اس پر لعنت بھیجیں۔''

گناہ انسان کے لئے باعثِ ذلت ہے:

☆ گناہ انسان کے لئے یقینی موجب ذلت ہے، کیونکہ کامل عزت اللہ تعالیٰ کی

اطاعت ہی میں ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا﴾ (فاطر: ۱۰)

یعنی "جو شخص عزت کا خواہشگار ہے، اسے چاہیے کہ اللہ کی اطاعت میں اسے تلاش کرے۔"

کیونکہ عزت صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی میں منحصر ہے، اسلاف سے منقول ہے کہ وہ دعا میں فرمایا کرتے تھے۔

﴿اللّٰهُمَّ أَعِزَّنِي بِطَاعَتِكَ، وَلَا تُذِلَّنِي بِمَعْصِيَتِكَ﴾

یعنی "اے اللہ! مجھے اپنی اطاعت میں لگا کر عزت بخش اور گناہ کی ذلت سے بچا لے۔"

حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "گناہ کرنے والے لوگوں کے پیچھے اگرچہ خچر (سواریاں) عمدہ چالیں چلیں، اور ترکی گھوڑے ان کے پیچھے عمدہ رفتار سے چلیں مگر گناہ کی ذلت ان سے کبھی جدا نہیں ہو سکتی کیونکہ اللہ گنہگار کو ذلیل کئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

رأیت الذنوب تمیت القلوب — وقد یورث الذل إدمانها

وترک الذنوب حیاة القلوب — وخیر لنفسک عصیانها

وهل أفسد الدین إلا الملوک — وأحبار سوء ورهبانها

"میں نے جان لیا کہ گناہ دلوں کو مردہ بنا دیتے ہیں، اور گناہ پر اصرار موجب ذلت ہے، اور گناہ کو چھوڑ دینا دلوں کے لئے موجب حیات ہے، اور ان سے پرہیز تیرے لئے بہتر ہے، اور دین کو صرف سلاطین، برے علماء اور جاہل تارک الدنیا ہی نے بگاڑا ہے۔"

کہ زندگی میں نہ تو بندہ کو توفیق اور ختم تک نوبت پہنچ جاتی ہے حتیٰ کہ دل پر ایک طرح کا پردہ اور غلاف چڑھ جاتا ہے۔ اگر یہ حالت ہدایت اور معرفت کے بعد پیدا ہو تو صورت برعکس ہو جاتی ہے، تب اس کا دشمن (شیطان) اس پر غالب آکر اس کو جس طرف چاہتا ہے چلاتا ہے۔

فصل

گناہ انسان کو ملعون بنا دیتا ہے:

☆ گناہ کا ایک زبردست نقصان یہ بھی ہے کہ اس سے انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کا مستحق بن جاتا ہے، کیونکہ حضور علیہ السلام نے بعض صغیرہ گناہ کرنے والے شخص پر لعنت بھیجی ہے، اس لئے کبیرہ گناہ بدرجہ اولیٰ قابل لعنت ہوں گے۔ مثلاً بزبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم شریعت مطہرہ میں مندرجہ ذیل لوگوں پر لعنت کی گئی ہے

واشمہ: یعنی وہ عورت جو بدن کو گود کر نقش و نگار کے لئے نیل بھرے۔

مستوشمہ: یعنی وہ عورت جو دوسری عورت سے بدن گودنے کا کہے۔

واصلہ: یعنی وہ عورت جو مصنوعی طور پر اپنے بالوں سے دوسرے کے بال خوبصورتی کے لئے جوڑے۔

مستوصلہ: یعنی وہ عورت جو یہ کام کرائے۔

واشرہ: یعنی وہ عورت جو مصنوعی طور پر دانتوں کو تیز باریک بنائے۔

مستوشرہ: یعنی وہ عورت جو مصنوعی طور پر دانتوں کو باریک کرنے کا دوسری عورت کو کہے۔

نامصہ: یعنی وہ عورت جو اپنے چہرہ کے بال اکھاڑ دے۔

"وہ ملائکہ جو عرش اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے اردگرد ہیں اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں، اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے یہی الفاظ دعائے مغفرت طلب کرتے ہیں کہ پروردگار! تو اپنی رحمت وعلم سے تمام اشیاء کو گھیرے ہوئے ہے، پس تو ان لوگوں کو بخش دے جو تیری طرف رجوع کرتے اور تیرے راستہ کی پیروی کرتے ہیں، اور ان کو عذاب دوزخ سے بچالے۔ پروردگار! ان کو ان جنات عدن میں داخل فرما جن کا تو نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے، نیز ان کے آباء واجداد اور ازواج واولاد میں سے جو نیک ہیں، کیونکہ تو عزت والا حکمت والا ہے۔"

یہ ملائکہ کی دعا ان ایمان والوں کے لئے ہے جو کتاب اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں، جنہیں اس کے سوا اور کوئی بھی بہتر طریق نظر نہیں آتا لہٰذا ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو اس وقت تک اس دعا کے استحقاق کی ہرگز امید و توقع نہیں رکھنی چاہئے جب تک کہ وہ ایسے اشخاص کی صفات سے متصف نہ ہو جائیں۔

فصل

گناہوں پر چند سزاؤں کا ذکر

(۱) گناہوں کی ایک سزا وہ ہے جس کا صحیح بخاری میں بروایت سمرہ بن جندب ذکر آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر صحابہ سے فرمایا کرتے تھے کہ گزشتہ شب تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ اگر کسی نے دیکھا ہوتا تو آپ

سے عرض کر دیتا۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا کہ رات دو آنے والے
میرے پاس آئے، انہوں نے مجھے بیدار کیا اور مجھے کہنے لگے کہ چلو! میں ان
کے ساتھ چلنے لگا۔ ایک لیٹے ہوئے آدمی کے پاس سے ہمارا گزر ہوا جس کے
سر پر دوسرا آدمی پتھر لئے کھڑا تھا جو اس کے سر پر پتھر مارتا جس سے اس کا سر
توڑ دیا جاتا پھر وہ پتھر لڑھک جاتا۔ پھر وہ دوبارہ پتھر ہاتھ میں لیتا، اتنے عرصہ
میں اس کا سر اپنی اصلی حالت میں واپس آ جاتا۔ پھر وہ اپنا کام پہلی کی طرح
شروع کر دیتا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ سبحان اللہ! یہ دونوں شخص کون ہے؟
مجھے کہنے لگے کہ چلو آگے چلو، ہم چل پڑے۔ ایک شخص کے پاس سے ہمارا
گزر ہوا جو چت لیٹا ہوا تھا اور دوسرا اس کے سر پر ایک لوہے کی کنڈی لئے
کھڑا تھا اور اس کی ایک جانب متوجہ ہو جاتا اور اس کی باچھوں، ناک کے
نتھنوں اور آنکھوں کو اس کی گردن کی گدی تک چیر ڈالتا، پھر اس کی دوسری
جانب متوجہ ہو کر اس کے ساتھ بھی ویسا ہی کرتا جیسے پہلی جانب کیا تھا، جونہی
ایک جانب سے فارغ ہوتا دوسری جانب درست ہو جاتی اور پھر ویسے ہی کرنا
شروع کر دیتا، میں نے پوچھا سبحان اللہ! یہ دونوں شخص کون ہیں؟ وہ کہنے لگے
چلو آگے چلو۔ ہم چل پڑے۔ آگے چل کر ایک تنور کی شکل کا گڑھا دیکھا جس
میں شور وغل سنائی دیتا تھا، ہم نے جھانک کر دیکھا تو اس میں ننگے مرد اور ننگی
عورتیں تھیں اور ان کی نچلی جانب سے آگ کے شعلے ان تک پہنچتے تھے۔ جب
آگ کا شعلہ ان تک پہنچتا تو وہ چیخ و پکار کرتے اور شور مچاتے، میں نے پوچھا
کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ آگے چلو، چنانچہ ہم آگے چلے اور ایک
نہر پر پہنچے جو خون کی طرح سرخ تھی، کیا دیکھتے ہیں کہ اس میں ایک آدمی
تیر رہا ہے اور نہر کے کنارے ایک آدمی بہت سے پتھر لئے موجود ہے، اور وہ
تیرنے والا تیرتا ہوا جب اس شخص کے پاس آتا جس کے پاس پتھر جمع ہیں تو

کہ آج رات میں نے عجیب و غریب حالات دیکھے ہیں، مجھے ان کے متعلق خبر دو، وہ کہنے لگے جی ہاں ہم آپ کو بتائے دیتے ہیں۔ سنو! وہ شخص جس کو آپ نے دیکھا کہ اس کا سر توڑا جا رہا تھا وہ ایک ایسا شخص تھا جو قرآن مجید کو حاصل کر کے اسے چھوڑ بیٹھا تھا اور فرض نماز پڑھے بغیر سو رہتا تھا، اور وہ شخص جس کی باچھیں، ناک نتھنے اور آنکھیں گردن کے پچھلے حصہ تک چیری جاتی تھیں وہ دراصل ایک ایسا شخص تھا جو صبح گھر سے نکل کر لوگوں میں جھوٹ پھیلاتا تھا، اور وہ خواتین وحضرات جو ننگے بدن تنور جیسے گڑھے میں دیکھے تھے وہ اصل میں زنا کار لوگ تھے، اور وہ شخص جو نہر میں تیر رہا تھا اور اس کے منہ میں پتھر بھرے جاتے تھے وہ ایک ایسا آدمی تھا جو سود کھایا کرتا تھا، اور وہ بدشکل آدمی جو آگ کو بھڑکاتا اور اس کے اردگرد دوڑتا تھا وہ جہنم کا داروغہ تھا، اور وہ لمبے دراز قد کا آدمی جو باغ میں دیکھا گیا تھا وہ ابراہیم علیہ السلام تھے اور وہ بچے جو ان کے گردا گرد تھے وہ سب ایسے بچے تھے جو دین فطرت پر پیدا ہوئے تھے۔ کسی مسلمان نے سوال کیا یا رسول اللہ! کیا مشرکین کی اولاد بھی؟ آپؐ نے فرمایا ہاں مشرکین کی اولاد بھی، اور وہ لوگ جن کا آدھا دھڑ خوبصورت اور آدھا بدصورت تھا وہ ایسے لوگ تھے جنہوں نے نیک و بد اعمال کو باہم ملا دیا ہو، اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کو معاف فرمایا۔"

فصل

گناہ زمین میں فساد پیدا کرتا ہے:

☆ گناہ کے آثار میں سے وہ مختلف قسم کے فسادات ہیں جو شامت اعمال کے سبب ہوا، پانی، کھیت، پھل اور مکانات وغیرہ میں ظاہر ہوتے ہیں، چنانچہ اللہ کریم

فرماتے ہیں:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (الروم:۴۱)

یعنی "لوگوں کی شامت اعمال کے سبب خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا تاکہ اللہ تعالیٰ انھیں ان کے بعض اعمال بد کا مزہ چکھائے، تاکہ وہ باز آ جائیں۔"

مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جب ظالم، منتظم اور والی ہوتا ہے تو ظلم وفساد برپا کرتا ہے جس سے بارانِ رحمت کا آسمان سے نزول رک جاتا ہے اور زراعت ونسل ہلاک ہونے لگتی ہے، پھر آپؒ نے مذکورہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ واللہ! بحر سے متعارف بحر مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہر وہ بستی ہے جو کسی پانی کے چشمہ کے متصل آباد ہو۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ میں بحر سے ہرگز متعارف بحر مراد نہیں لیتا بلکہ ہر ایسی بستی مراد لیتا ہوں جو کسی پانی کے متصل آباد ہو۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ خشکی سے مراد اہل عمود ہیں (یعنی جو خیموں میں رہتے ہیں) اور تری سے دیہات اور کھیتیاں مراد ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں شیریں پانی کو بحر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، ارشاد ہوا:

﴿وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ﴾ (فاطر:۱۲)

کیونکہ دنیا بھر میں کوئی ایسا بحر شیریں نہیں جو ساکن ہو، اس لئے جاری نہریں مراد ہیں، اور بحر شور ساکن ہے، لہٰذا وہ بستیاں جو جاری نہروں کے کناروں پہ واقع ہیں انھیں آیت مذکورہ میں بحر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ ابن زیدؒ فرماتے ہیں کہ

پھلوں کو بھی کم کرا دیتی ہے، اور دیگر آفات سماوی کا بھی موجب ہوتی ہے۔ امام احمدؒ نے اپنی مسند میں ایک حدیث کے ضمن میں لکھا ہے کہ ''بنی امیہ کے خزانہ میں کچھ گندم کے دانے پائے گئے جن میں ایک ایک دانہ کھجور کی گٹھلی کے برابر تھا، جو ایک تھیلی میں بند تھے، اور اس پر لکھا ہوا تھا:

﴿هذا كان ينبت في زمن العدل﴾

یعنی ''عدل وانصاف کے زمانہ میں گندم کے دانے اتنے بڑے پیدا ہوتے تھے۔''

اکثر آفات ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ صرف لوگوں کے کثرت گناہ کی وجہ سے نازل کیا کرتے ہیں، بعض مشائخ صحراء کا بیان ہے کہ وہ پھلوں کو موجودہ حالت سے بڑی مقدار کا دیکھا کرتے تھے، اور اکثر وہ آفات جواب دیکھی جاتی ہیں ان کو وہ مطلقاً نہیں جانتے تھے۔

گناہوں کا صورتوں پر اثر:

☆ گناہوں کی تاثیر چہروں اور جسمانی بناوٹ میں بھی ظاہر ہوا کرتی ہے، چنانچہ جامع ترمذی میں حدیث مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو آسمان میں ساٹھ ہاتھ کے قد وقامت کا پیدا کیا تھا، پھر قد وقامت کم ہوتے چلے گئے، جب اللہ تعالیٰ زمین کو ظالموں، خائنوں اور فاجروں سے خالی کرنا چاہے گا تو اپنے بندوں میں سے ایک بندہ کو خاندان نبوت سے پیدا کرے گا، تو وہ زمین کو اس طرح عدل وانصاف سے پر کردے گا۔ جس طرح کہ وہ ظلم وستم سے پر ہوگی ہوگی، اور عیسیٰ علیہ السلام یہود ونصاریٰ کو قتل کریں گے، اور اس دین کو قائم کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے

اپنے رسول کی معرفت بھیجی تھی، زمین اپنی تمام تر برکات باہر نکالے گی اور بالکل اپنی اصلی حالت پر آجائے گی، حتیٰ کہ آدمیوں کی ایک جماعت ایک انار سے سیر ہوسکے گی، اور اس کے چھلکے کے سایہ میں آرام کرسکے گی، اور انگور کا ایک خوشہ بار شتر کے برابر ہوگا، اور ایک اونٹنی کا دودھ آدمیوں کی ایک جماعت کے لئے کافی ہوا کرے گا۔" وجہ اس کی یہ ہے کہ جب زمین گناہوں سے پاک صاف ہوجائے گی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ آثار خیر و برکت ظاہر ہونے لگیں گے جو معصیت اور کفر کی وجہ سے کم ہوگئے ہوں گے، اور اس میں شک نہیں کہ وہ مختلف عذاب جن کو اللہ تعالیٰ دنیا پر نازل کرتا ہے وہ گزشتہ اقوام کے بقیہ آثار ہیں جو عالم میں پھیلے رہتے ہیں، اور یہ سب کے سب ان گناہوں کا بقایا ہیں جن کی وجہ سے سابقہ امتوں پر عذاب نازل ہوا، پس یہ آثار عذاب اسی طرح گزشتہ عذابوں کا بقیہ ہیں جس طرح موجودہ گناہ ان سابقہ امتوں کے گناہوں کا بقیہ ہیں، اس راز الٰہی میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ٹھیک اس کی اس حکمت کے مطابق وقوع میں آیا جس پر مختلف اسباب طبعی قائم کیا ہے، اول آخر کے ساتھ نسبت رکھتا ہے، ظاہر ہے کہ عذاب عظیم گناہ عظیم کے مقابلہ میں خفیف کے مقابلہ میں نازل ہوا کرتا ہے اور اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ عالم برزخ اور عالم آخرت میں بندوں کے درمیان جزا و سزا جاری کرے گا۔ انسان کو چاہئے کہ غور کرے کہ کس طرح شیطان کسی کو قرین بن کر اس پر قابو پاتا ہے، اور جب وہ اس پر غالب آجاتا ہے تو اس شخص کی عمر، قول و فعل اور رزق وغیرہ امور سے خیر و برکت کو زائل کردیتا ہے اور جب ساری دنیا میں اس کی اطاعت کی جاتی ہے اور اس کا اثر ظاہر ہونے لگتا ہے تو تمام اطراف عالم میں سے خیر و برکت کے آثار محو ہوجاتے ہیں، اسکی وجہ

کوئی شخص غیرت مند نہیں، اسی لئے اس نے ہر طرح کی ظاہری و باطنی بے حیائی حرام کر دی ہے، اور کسی کا جرم پر عذر قبول کرنا اللہ سے بڑھ کر محبوب نہیں، اسی لئے اس نے انبیاء علیہم السلام کو جنت کی بشارت اور جہنم کی وعید دینے کے لئے مبعوث فرمایا، اور کوئی شخص اللہ سے بڑھ کر مدح کو پسند نہیں کرتا۔ اسی لئے اس نے اپنی مدح خود کی ہے۔ (اخرجہ الشیخان)

اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے غیرت کو (جس کی اصل برے کام کو ناپسند کرنا ہے) محبت عذر کے ساتھ (جو کمال عدل و رحمت اور احسان پر دلالت کرتی ہے) ملا کر بیان کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت غیرت مند ہونے کے باوجود اس امر کو بہت پسند کرتے ہیں کہ کوئی گنہگار اس کے حضور عذر پیش کر کے معافی کا خواستگار ہو اور وہ اپنے فضل عمیم سے اس کے عذر کو قبول فرمائے، اور وہ اپنے گنہگار بندوں کا اس گناہ پر جو موجب غیرت ہو مواخذہ نہیں کرتا کہ وہ بندہ اس کی بارگاہ میں عذر پیش کرے اور اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے۔ اسی مصلحت سے اس نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور کتابیں نازل کیں جن میں وعدہ وعید ہے۔ یہ امر اس کی عظمت، احسان اور غایت کمال پر دال ہے۔ کیونکہ اس کی مخلوق میں اکثر ایسے لوگ بھی ہیں جو شدت غیرت کی وجہ سے فی الفور انتقام پر آمادہ ہو جاتے ہیں، اور ہرگز عذر نہیں سنتے، بلکہ بسا اوقات مجرم کے پاس کوئی عذر ہوتا ہے مگر وہ پرواہ بھی نہیں کرتے اور اکثر ایسے بھی ہیں کہ ضعف غیرت کی وجہ سے مجرم کے کسی امر کو بطور عذر کے قبول کر لیتے ہیں جو درحقیقت عذر کی صلاحیت نہیں رکھتا، اور یہ دونوں چیزیں یعنی شدت غیرت اور ضعف غیرت ہر حالت میں قابل تعریف نہیں ہو سکتے، چنانچہ ایک حدیث صحیح میں آیا ہے "بعض غیرت کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے، اور بعض کو برا جانتا ہے، جس غیرت کو وہ برا جانتا ہے وہ ایسی غیرت ہے جو بلا کسی تہمت، گناہ یا شک کے پیدا ہو، اور قابل تعریف غیرت وہ ہے جو گناہ کے عذر کے ساتھ متصل ہو، جس سے محل تہمت پر غیرت بمحل عذر پر

عذر قبول کیا جاتا ہے صرف اسی کی محبت قلب میں بھری گئی ہے۔

☆ چونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے اس لئے وہ تمام مخلوقات سے بڑھ کر مدح کا مستحق ہے جس کو کوئی بھی کسی طرح بھی ادا نہیں کر سکتا، اس لئے اس نے اپنی مدح آپ کی ہے، لہذا جو شخص غیرت رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت سے اپنی نسبت قائم کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اس کی طرف منجذب ہو کر اس کا مقرب بن جاتا ہے، اور اس کی رحمت کا مستحق قرار پا کر اس کا محبوب قرار پاتا ہے، کیونکہ وہ خود رحیم ہے اس لئے رحم والوں کو پسند کرتا ہے اور وہ خود کریم ہے اس لئے کرم والوں کو پسند کرتا ہے اور وہ خود علیم ہے اس لئے علم والوں کو پسند کرتا ہے اور وہ خود قوی ہے اس لئے قوی الایمان لوگوں کو ضعیف الایمان کی نسبت زیادہ دوست رکھتا ہے، اسی وجہ سے وہ حیا والوں کو بھی پسند کرتا ہے، اور وہ جمیل ہے اس لئے اہل جمال کو پسند کرتا ہے، اور وہ وتر ہے اس لئے اہل وتر کو پسند کرتا ہے۔

☆ اگر بالفرض گناہوں کا اس کے سوا اور کوئی نتیجہ نہ ہوتا کہ ان کا کرنے والا مذکورہ صفات سے محروم رہتا ہے تو گناہوں کا یہی عذاب کافی تھا، کیونکہ خطرہ بتدریج وسوسہ اور وسوسہ بتدریج ارادہ اور ارادہ قوی ہو کر قصد بن جاتا ہے، جس کے بعد فعل کا ارتکاب ہوتا ہے، اور جب وہ فعل بار بار کیا جاتا ہے تو نفس کے لئے وہ ایک صفت لازمہ اور ہیئت راسخہ بن جاتا ہے جس سے نجات پانا اسی طرح دشوار ہو جاتا ہے جس طرح دیگر طبعی صفات سے نجات پانا۔

☆ الغرض جیسے جیسے گناہ کی ملابست قوی ہوتی جاتی ہے۔ غیرت بھی ساتھ ساتھ ختم ہوتی چلی جاتی ہے۔ بعض اوقات غیرت اتنی کمزور ہو جاتی ہے کہ وہ شخص کسی قبیح امر کو خواہ اپنی ذات کے متعلق ہو یا کسی غیر کے متعلق، بالکل برا نہیں سمجھتا اور

جب وہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے تو وہ ہلاکت کے دروازہ میں داخل ہو جاتا ہے، چنانچہ بہت سے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو صرف گناہوں کو برا نہ سمجھنے تک ہی محدود نہیں رہتے بلکہ فواحش اور ظلم کی خوبیاں دوسروں کو بیان کر کے انھیں بھی ان کی طرف دعوت دیتے ہیں اور مجبور کرتے ہیں، اور ان کے کرنے میں ان کی اعانت کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایسا آدمی تمام مخلوقات سے بڑھ کر خبیث سمجھا جاتا ہے اور جنت اس پر حرام ہے۔ یہی حال اس شخص کا ہے جو ظلم وبغاوت کو دوسرے کے سامنے جائز بتاتا ہے اور اس کی خوبیوں کا اظہار کرتا ہے۔ غور کرنا چاہیے کہ بے غیرتی انسان کو کہاں تک پہنچا دیتی ہے۔ معلوم ہوا کہ غیرت دین کا اصل الاصول ہے۔ جس میں غیرت نہیں اس کا کوئی دین نہیں، کیونکہ غیرت قلب کی محافظ ہے، جس سے جوارح و اعضاء بھی محفوظ رہ کر ہر قسم کے قبائح اور فواحش کو روکتے ہیں، اور بے غیرتی قلب کو مردہ بنا دیتی ہے جس سے جوارح اور اعضاء بھی مردہ ہو جاتے ہیں اور وہ قبائح وفواحش کی مدافعت نہیں کرتے۔ غیرت کی مثال جسم کی قوت کی سی ہے جو مرض کا مقابلہ کرتی ہے، کیونکہ جب قوت بالکل زائل ہو جاتی ہے تو مرض یا روگ اپنی جگہ بنا لیتا ہے جس کا نتیجہ ہلاکت ہوتا ہے۔ یا غیرت کی مثال بھینس کے سینگوں کی سی ہے جس سے وہ اپنی اور اپنے بچوں کی حفاظت کرتی ہے، جب وہ ٹوٹ جاتے ہیں تو دشمن اس پر غالب آجاتا ہے۔"

فصل

گناہ حیا وشرم کو ختم کر دیتا ہے:

☆ گناہ کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ گنہگار کے دل سے حیا جو مادہ حیات ہے دور

ہو جاتی ہے۔ یعنی ہر قسم کی چیز سے اپنے نفس کو روکے رکھتی ہے۔ اس شخص کی
حیا کے ختم ہونے سے ہر قسم کی خیر منقطع ہو جاتی ہے، چنانچہ ایک حدیث صحیح میں
ارشاد ہوتا ہے: "الحیاء خیر کلہ" (مسلم) اور پھر فرمایا: "انبیاء علیہم
السلام کے کلام میں سے ایک حصہ جو لوگوں کو حاصل ہوا ہے یہ ہے کہ جب تو
حیا نہ کرے تو جو دل چاہے کیا کر۔" (بخاری)

اس قول کی دو طرح تفسیر کی گئی۔ اول یہ کہ اس جملہ میں ایک طرح کی
تہدید اور وعید ہے، مطلب یہ ہے کہ جو شخص حیا نہیں کرتا وہ ہر طرح کے برے اعمال
کر گزرتا ہے، کیونکہ حیا ہی اس کو منع کرتی۔ لہذا جب حیا ہی باقی نہ رہی جو قبائح سے
روکتی ہے تو وہ ان اعمال کا ارتکاب کر گزرے گا، یہ ابو عبید کی تفسیر ہے۔ دوم یہ کہ کسی
فعل میں جب اللہ تعالیٰ سے حیا نہ کی جائے تو کرنے والا اس کو کرے، کیونکہ شرعاً
اس فعل کا ضروری ہوتا ہے جس میں اللہ سے حیا کی جائے، یہ تفسیر امام احمد کی بروایت
ابن ہانی ہے۔ لہذا یہ کلام پہلی صورت میں اس قسم کی وعید پر مشتمل ہوگا جو قرآن مجید
کے جملہ "اعملوا ما شئتم" (فصلت۔ ۴۰) میں موجود ہے (کیونکہ اس جملہ میں
مخاطبین کو ہر قسم کے جائز و ناجائز عمل کی اجازت دینا مقصود نہیں ہے، بلکہ انہیں دھمکانا
مقصود ہے) اور دوسری صورت میں اجازت کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ
کیا ہم اس کلام کو دونوں صورتوں پر محمول کر سکتے ہیں؟ تو اس کا جواب ہے کہ جائز
نہیں، بلکہ اس شخص کی رائے پر بھی جو مشترک المعنی لفظ کو تمام معانی پر محمول کرنا جائز
رکھتا ہے ہم اس جملہ کو دونوں معنی پر محمول نہیں کر سکتے، کیونکہ اباحت اور تہدید میں
جو منافات (تضاد) ہے وہ ظاہر ہے۔ ہاں البتہ یہ بات ہے کہ ایک شئ کا حکم دوسری
شئ کا موجب ہو سکتا ہے، اور مقصود اس جملہ سے یہ ہے کہ انسان نے قبیح

میں حیا کو ضعیف کر دیتا ہے تا آنکہ وہ شخص بسا اوقات حیا سے بالکلیہ علیحدہ ہو جاتا ہے، اور بسا اوقات وہ لوگوں کے اس کی بدعملی پر مطلع ہونے سے بھی متاثر نہیں ہوتا، بلکہ اکثر کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ خود اپنے اعمال کے متعلق دوسروں کو خبر دیتے ہیں، اور اس کا سبب سوائے بے حیائی کے اور کچھ نہیں ہوتا، جب کسی شخص کی نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے تو اس کی صلاحیت کی امید منقطع ہو جاتی ہے، تب شیطان بھی اس کی صورت کو دیکھ کر شرماتا ہے اور کہتا ہے کہ قربان جاؤں ایسے شخص کے جس کی صلاح وفلاح ناممکن ہے، حیا کا لفظ حیات سے مشتق ہے اور بارش کو بھی حیا بولتے ہیں، کیونکہ زمین، نباتات اور حیوانات کی زندگی کا مدار بارش پر ہے، اس طرح حیات دنیا اور حیات آخرت کو بھی حیا کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، لہٰذا جس میں حیا نہیں ہوتی وہ دنیا میں مردہ اور آخرت میں شقی ہوتا ہے۔ گناہ، بے حیائی اور بے غیرتی تینوں چیزیں آپس میں لازم وملزوم ہیں جب ایک موجود ہو تو دوسری فوراً موجود ہوتی ہے، جو شخص گناہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے حیا کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے عذاب دینے سے حیا کریں گے، اور جو گناہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے حیا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کو بھی اس سے حیا نہیں کہ اسے عذاب دیں۔

فصل

گناہ دل سے اللہ کی عظمت کو دور کر دیتا ہے:

☆ گناہ کا ایک ضرر یہ ہے کہ گناہ کرنے والے کے دل سے اللہ جل شانہٗ کی عظمت اٹھ جاتی ہے، اور اس کا وقار ومقام کمزور ہو جاتا ہے، اور یہ امر لابدی ہے خواہ گناہ کرنے والا اس امر کو چاہے یا نہ چاہے، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی عظمت وحشمت اس کے دل میں ہوتی تو اس کو کبھی بھی اس کی نافرمانی کی

جرأت نہ ہوتی۔ اکثر یہ شخص دھوکہ کھا کر یوں کہا کرتا ہے کہ مجھے مغفرت کی امید اور عفو و درگزر کی امید گناہوں پر آمادہ کرتی ہے نہ یہ کہ میرے دل میں عظمت الٰہی کم ہے، یہ ایک نفس کا مغالطہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت، جلال اور تعظیم حرمت گناہ اور گنہگار کے درمیان حائل ہو جایا کرتی ہے اور جو لوگ معصیت پر اقدام کرتے ہیں، وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی پوری پوری قدر نہیں کرتے۔ بھلا وہ شخص کیونکر اللہ تعالیٰ کی پوری قدر کر سکتا ہے یا اس کی عظمت و کبریائی کا یقین رکھتا ہے یا اس کے وقار کی امید رکھتا ہے جس کے نزدیک اس کے اوامر و نواہی کی کچھ وقعت نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ سراسر محال اور خام خیالی ہے اور اس عذاب سے بڑھ کر اور کیا عذاب ہو سکتا ہے کہ بندہ کے دل سے اللہ تبارک تعالیٰ کی عظمت اٹھ جائے، اور اس کی حرمت اور اس کے حقوق کو وہ ایک معمولی بات خیال کرنے لگے۔

☆ گناہ کا ایک وبال یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی عزت لوگوں کے دلوں میں بالکل اٹھا دیتا ہے اور وہ اسے اسی طرح ذلیل حقیر سمجھنے لگتے ہیں جس طرح اس نے اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کو ذلیل و حقیر سمجھا تھا، بخلاف اس کے کہ انسان جس قدر اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا، اس سے ڈرتا اور اس کی تعظیم کرتا ہے اسی قدر لوگ بھی اس سے محبت کرتے، اس سے ڈرتے اور اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ بھلا ایسا شخص کیونکر یہ امید باندھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی بے حرمتی کرنے پر لوگ اس کی بے حرمتی نہ کریں گے؟ یا گناہ کو حقیر سمجھنے پر لوگ اس کو حقیر خیال نہیں کریں گے؟ کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے جابجا قرآن پاک میں گناہ کے عذاب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ ان کے برے اعمال کے بدلے ان کو کفر کی طرف لوٹا دیتا، ان کے دلوں پر مہر لگا دیتا اور جس طرح وہ اسے بھول

جاتے ہیں وہ بھی انہیں بھلا دیتا ہے اور جس طرح وہ اس کی اہانت کرتے ہیں وہ بھی اس کی اہانت کرتا ہے، چنانچہ مجموعہ مخلوقات کی آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ﴾ (الحج ۱۸)

''یعنی اللہ تعالیٰ جس کی اہانت کردے تو کوئی اس کا اکرام کرنے والا نہیں۔

اس آیت سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سر نیاز لانا ان کو ناگوار اور بے شاق گزرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں خود ذلیل کردیا کہ کوئی بھی ان کی عزت نہیں کرتا، بھلا جس شخص کو خدا ذلیل کردے اس کو کون عزت دے سکتا ہے؟ اور جس کو وہ عزت بخشے اس کو کون ذلت پہنچا سکتا ہے؟

﴿فصل﴾

گناہ اللہ کی رحمت سے محرومی کا سبب ہے:

☆ گناہ کے دیگر بہت سے نقصانات میں سے ایک نقصان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ گنہگار کو بھلا دیتا ہے یعنی اپنی رحمت سے محروم کردیتا ہے، اور اس کو اس کے نفس امارہ اور شیطان کے درمیان ڈال دیتا ہے، اور چھوڑ دیتا ہے۔ جب یہ نوبت پہنچتی ہے تو وہ شخص ہلاک ہوجاتا ہے جس کی نجات کی امید بالکل نہیں رہتی، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾

(الحشر ۱۸-۱۹)

''ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اس امر میں غور کرے کہ وہ اپنے کل کے لئے کیا عمل کر رہا ہے، اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو، کیونکہ وہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے، اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے نفسوں کو بھلا دیا یہی لوگ فاسق ہیں۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو پہلے تقویٰ کا حکم دیا ہے اور ان لوگوں کی مشابہت سے ممانعت کی ہے جو تقویٰ کے چھوڑ دینے کی وجہ سے اس کو بھول گئے ہیں، اور اس بات کی خبر دی ہے کہ وہ تارکین تقویٰ کو اس طرح عذاب دیا کرتا ہے کہ انہیں ان کے نفسوں سے غافل کر دیتا ہے یعنی وہ اپنی عاقبت کی مصلحتوں، آنے والے عذاب، حیاتِ ابدی کے حاصل کرنے اور آخرت کی لذت و سرور اور نعمائے جنت سے بالکل غافل ہو جاتے ہیں۔ سو ان کا اپنے نفسوں کو بھول جانا اللہ تعالیٰ کے بھول جانے، اس کی عظمت وخوف کے اٹھا دینے اور اوامر ونواہی کے ترک کر دینے کا نتیجہ ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی اخروی مصلحتوں سے بالکل بے خبر رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو کر خواہش نفس کی پیروی میں صراطِ مستقیم سے دور جا پڑتے ہیں اور سعادتِ ابدی کے حاصل کرنے میں فروگذاشت کر جاتے ہیں اور ایک ناکارہ ناپائیدار چند روزہ لذت پر جو موسم بہار کے بادل کی طرح بہت جلد زائل ہو جاتی ہے مرمٹتے ہیں۔

﴿أحلام نوم أو كظل زائل ... إن اللبيب بمثلها لا يخدع﴾

''یعنی دنیا کی ناپائیدار لذتیں ایک خواب یا ڈھلتا سایہ ہیں، بھلا ایک عقلمند آدمی ایسی چیز سے کیونکر دھوکہ کھا سکتا ہے؟''

اس عذاب سے بڑھ کر اور کوئی سخت عذاب نہیں ہو سکتا کہ انسان اپنی مصلحت کو فراموش کر دے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے خود کو مستغنی کر لے اور نفس کے

لئے نقصان وذلت پر راضی ہو کر اس کو ایک نجس اور خبیث چیز اور لذت دنیا کے عوض بیچ ڈالے، کیونکہ اس بدمعاملگی میں وہ ایک ایسی چیز کو کھو دیتا ہے جس کی کوئی چیز عوض نہیں ہو سکتی، تمام عوض و بدل اسی کی پیدا کردہ اشیاء ہیں۔

﴿من کل شئی اذا ضیعتہ عوض　　وما من اللہ ان ضیعتہ عوض﴾

یعنی "تمام چیزیں جو کھو دی جائیں ان کا عوض ہے مگر اللہ تعالیٰ کو کھو کر کوئی چیز اس کا بدل نہیں ہو سکتی۔"

وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے عوض میں دوسری ویسی چیز دے سکتا ہے مگر اس کا عوض کوئی چیز نہیں ہو سکتی، اور وہ آدمی کو تمام اشیاء سے مستغنی کر سکتا ہے مگر کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے آدمی کو مستغنی نہیں کر سکتی، اور وہ تمام اشیاء کو آدمی سے ہٹا سکتا ہے مگر کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو اس سے نہیں ہٹا سکتی، اور وہ تمام اشیاء سے آدمی کو پناہ دے سکتا ہے مگر کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے اس کو پناہ نہیں دے سکتی، الغرض کوئی شخص کس طرح ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی طاعت سے خود کو مستغنی قرار دے سکتا ہے؟ یا اس کی یاد سے غافل ہو کر اس کی نافرمانی کر سکتا ہے؟ جس سے وہ اپنی مصلحت کو بھول کر خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ انسان خود اپنی ذات پر ظلم کرتا ہے۔

گناہ انسان کو دائرہ احسان سے نکال دیتا ہے:

☆　گناہ کا ایک شدید نقصان یہ ہے کہ گناہ آدمی کو دائرہ احسان سے باہر نکال دیتا ہے اور اس کو اہل احسان کے ثواب سے روک دیتا ہے، کیونکہ جب کسی قلب میں احسان موجود ہوتا ہے تو وہ اس کو گناہ سے باز رکھتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرتا ہے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے تو

یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد، اس کی محبت اور خوف عذاب اور امید رحمت کی کیفیت دل پر غالب آ گئی ہوتی ہے جس سے اس کی حالت ایسی منکسر ہوجاتی ہے کہ گویا وہ بارگاہ رب العزت میں خود کو کھڑا دیکھتا ہے اور یہ حالت اس کو ارادۂ معصیت سے بالکل روک دیتی ہے چنانچہ وہ گناہ کا ارتکاب کرے۔ جب آدمی دائرہ احسان سے باہر آ جاتا ہے تو اہل احسان یعنی اہل طریقت کی محبت، ان کی پاک زندگی اور حقیقی لذت سے بالکل محروم رہ جاتا ہے، لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ اس کے حق میں بھلائی چاہتا ہے تو اس کو عام مؤمنین کے دائرہ میں ٹھہرا دیتا ہے اور اگر ان گناہوں میں مبتلا ہوجائے جو دائرہ ایمان سے خارج کر دیتے ہیں تو وہ حدیث نبویؐ کا مصداق بن جاتا ہے، آپؐ نے فرمایا: زانی بحالت ایمان زنا نہیں کرتا، شرابی بحالت ایمان شراب خوری نہیں کرتا، چور بحالت ایمان چوری نہیں کرتا، غارت گر بحالت ایمان کسی قیمتی مال کو جس کو لوگ نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھیں غارت گری نہیں کرتا۔" (صحیحین)

پس لوگو! ابھی بھی توبہ کا وقت ہے اپنے کو بچالو بچالو

گناہ گار اجرِ عظیم سے محروم رہتا ہے:

۲۷: ظاہر ہے کہ جو شخص اہل ایمان کا ساتھ چھوڑ بیٹھتا ہے۔ وہ ہرگز اس امر کا مستحق نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اس کا مخالفین اور آنے والے مصائب سے دفاع کرے کیونکہ وہ صرف اہل ایمان کا دفاع کرتا ہے، اور ایسا گنہگار شخص ہر قسم کی خیر و سعادت جو ایمان کامل کا نتیجہ ہوتی ہے محروم رہتا ہے، چنانچہ اس قسم کی خیر و سعادت کو محققین نے تقریباً ایک سو ضعف حصہ میں جمع کیا ہے۔ جن میں سے ہر ایک دنیا و مافیہا سے بڑھ کر قدر و منزلت رکھتی ہے۔

(١) ایک ان میں سے اجر عظیم ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق فرمایا:

﴿وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾

(النساء: ١٤٦)

یعنی "اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اجر عظیم عنایت فرمائے گا۔"

(٢) اور ایک ان میں سے یہ ہے کہ ایمان والوں سے ہر قسم کی دینی و دنیوی آفات کا دفعیہ کرنا، چنانچہ اس کے متعلق فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (الحج: ٣٨)

یعنی "اللہ تعالیٰ مومنوں سے آنے والی آفات کی روک تھام کرتا ہے۔"

(٣) ایک خصوصیت یہ ہے کہ ملائکہ حاملین عرش کا اہل ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ سے طلب مغفرت کرنا ہے، چنانچہ اس کے متعلق فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (غافر: ٧)

یعنی "فرشتے جو رب العالمین کے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے ارد گرد حلقہ باندھے ہوئے ہیں وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تسبیح حمد کے ساتھ کرتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور ایمان والوں کے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں۔"

(٤) ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے محبت رکھتا ہے اور جس شخص سے اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں وہ کبھی ذلیل نہیں ہوتا، چنانچہ فرمایا:

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (البقرة: ٢٥٧)

یعنی "اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے۔"

(۵) ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ملائکہ کو حکم دیتا ہے کہ اہلِ ایمان کو ثابت قدم رکھیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ (الانفال ۱۲)

یعنی "جب تیرے رب نے ملائکہ کو وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، سو تم اہلِ ایمان کو ثابت قدم رکھو۔"

(۶) ایک ان میں سے یہ ہے کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں درجات، مغفرت اور رزقِ کریم ہے۔

(۷) ان میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت ان کو حاصل ہے چنانچہ فرمایا:

﴿وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (الانفال ۱۹)

یعنی "بے شک اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کے ساتھ ہے۔"

(۸) ایک یہ ہے کہ ان کے لئے عزت ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (المنافقون ۸)

یعنی "عزت صرف اللہ تعالیٰ، اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کے لئے مخصوص ہے۔"

(۹) ایک ان میں سے دنیا و آخرت میں بلندیٔ مرتبت ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ﴾ (المجادلہ ۱۱)

یعنی "اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی شان بلند کرتا ہے۔"

(۱۰) ایک خصوصیت ان کی یہ ہے کہ اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے دو حصے عنایت کرتا ہے اور انہیں ایک نور عطا کرتا ہے، چنانچہ "کِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ" اور "نُوْرًا تَمْشُوْنَ" کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے۔

(۱۱) ایک ان میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنا، ملائکہ اور تمام انبیاء علیہم السلام و صالحین کا محبوب بنا دیتا ہے چنانچہ فرمایا:

﴿سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ (مریم: ۹۶)

(۱۲) ان میں سے ایک یہ ہے کہ اہل ایمان کو قیامت کے دن ہر قسم کے خوف سے امن حاصل ہوگا، چنانچہ فرمایا:

﴿فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (انعام: ۴۸)

یعنی "جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے انہیں قیامت کے روز کسی قسم کا خوف نہیں ہوگا اور نہ کسی طرح غمگین ہوں گے۔"

(۱۳) ان خصائل و صفات میں سے ایک یہ ہے کہ یہ لوگ "مہتدین" یعنی ہدایت یافتہ لوگ ہیں کہ جن کی پیروی کی توفیق ہم ہر نماز کی ہر رکعت میں اللہ تعالیٰ سے طلب کرتے ہیں۔

(۱۴) ایک یہ ہے کہ قرآن کریم ان کے لئے شفا اور ہدایت ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ﴾ (فصلت: ۴۴)

یعنی "اے پیغمبر ﷺ! انہیں کہہ دو کہ وہ (قرآن) ایمان والوں

﴿ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾ (الانفال: ۵۳)

"یعنی یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نعمت کو کسی قوم پر اس نے انعام کی ہو کبھی نہیں بدلتا جب تک وہ لوگ اپنی اس روش کو نہ بدل ڈالیں۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر خبر دی ہے کہ وہ اپنی دی ہوئی نعمت کو کسی قوم سے اس وقت تک واپس نہیں لیتا جب تک کہ وہ لوگ خود طاعت کو معصیت سے اور شکر کو کفران سے تبدیل ڈالیں، اور اس کی رضا مندی کے اسباب کے بجائے اسباب غضب کے پابند ہو جائیں۔

جب وہ ایسا کرنے لگتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جاتا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ ہرگز اپنے بندوں پر کسی قسم کا ظلم جائز نہیں رکھتا، چنانچہ اطاعت کو معصیت سے بدل ڈالنے پر اللہ تعالیٰ بھی عافیت و عزت کی بجائے ان پر عقوبت اور ذلت نازل کرتا ہے، جیسا کہ ایک دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَإِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ﴾ (الرعد: ۱۱)

"یعنی بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی اچھی حالت بری حالت سے نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی روش کو نہ بدل ڈالیں، اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب بھیجنا چاہتا ہے تو اس کو کوئی نہیں روک سکتا، اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ہو سکتا۔"

بعض آثار نبویہ میں وارد ہے کہ: ''مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم ہے کہ میرا کوئی بندہ جب کسی ایسی حالت میں ہوتا ہے جس کو میں پسند کرتا ہوں پھر وہ اپنی بری روش کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جس کو میں برا سمجھتا ہوں تو میں بھی اپنی پہلی حالت سے منتقل ہو جاتا ہوں اور اس کی اس حالت کو بدل ڈالتا ہوں جس کو وہ پسند کرتا ہے اور اسے ایسی حالت کی طرف لے آتا ہوں جس کو وہ برا جانتا ہے، اور جب کوئی بندہ کسی ایسی حالت میں گرفتار ہو جس کو میں برا جانتا ہوں اور وہ اس حالت سے منتقل ہو کر ایسی حالت کی طرف آئے جس کو میں پسند کرتا ہوں تو میں اس کی بری حالت کو بدل کر اچھی حالت کی طرف لے آتا ہوں جس کو وہ پسند کرتا ہے۔ کسی کہنے والے نے کیا خوب اشعار کہے ہیں:

اذا کنت فی نعمة فارعها فان الذنوب تزیل النعم

(جب تو کسی نعمت سے بہرہ یاب ہو تو اس کی نگہبانی کرتا رہ، کیونکہ گناہ نعمتوں کو زائل کر دیتے ہیں)

وحطها بطاعة رب العباد فرب العباد سریع النقم

(اور اس نعمت کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ پیوند کر دے، کیونکہ بندوں کا رب جلد انتقام لینے والا ہے)

وایاک والظلم مهما استطعت فظلم العباد شدید الوخم

(اور ظلم سے جہاں تک ہو سکے بچا رہ، کیونکہ ظلم کی چراگاہ کا چارہ ہضم نہیں ہوا کرتا)

وسافر بقلبک بین الوری لتبصر آثار من قد ظلم

(اور دل چلا کر اطراف عالم میں سیر کر، تاکہ تجھے ظلم کرنے والے لوگوں کے آثار نظر آئیں)

فتلك مساكنهم بعدهم ... شهود عليهم ولا تتهم

(یہ ہیں ان کے بعد ان کے مکانات، (کھنڈرات) جو زبان حال سے ان کے ظلم وستم کی شہادت دے رہے ہیں اور اس شہادت میں وہ تہمت زدہ نہیں (یعنی ان کی شہادت سچی ہے)

وما كان شيء عليهم أضر ... من الظلم وهو الذي قد قصم

(اور ظلم سے بڑھ کر کوئی چیز ان کے حق میں مضر نہیں ہے، اسی نے ان کی پیٹھ توڑ ڈالی)

فكم تركوا من جنان ومن ... قصور وأخرى عليهم أطم

(وہ بہت سے باغات ومکانات چھوڑ مرے، اور ظلم سے بڑھ کر کوئی مصیبت ان پر غالب نہ آسکی)

صلوا بالجحيم وفات النعيم ... وكان الذي نالهم كالحلم

(ظالم لوگ جہنم میں جا داخل ہوئے اور وہاں سے نعمتیں جاتی رہیں، اور وہ سماں جو آنکھوں نے دیکھا تھا خواب ہو گیا)

فصل

گناہ سے دل میں خوف و رعب پیدا ہو جاتا ہے:

☆ گناہ کے نقصانات وآفات میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ گنہگار کے دل میں خوف و رعب ڈال دیتا ہے، چنانچہ وہ ہمیشہ خوف زدہ اور مرعوب پایا جاتا ہے، کیونکہ طاعت وعبادت اللہ تعالیٰ کا ایک مضبوط قلعہ ہے، جو شخص اسلام میں داخل ہو جائے وہ ہر قسم کے دنیوی واخروی عذابوں سے محفوظ ہو جاتا ہے، اور جو

یہ امر مسلّم ہے کہ وحشت زدہ اور خائف آدمی کی زندگی نہایت تنگ ہو جاتی ہے
اور انس پذیر آدمی نہایت پاکیزہ زندگی بسر کرتا ہے۔ اگر کوئی صاحب عقل بنظر
غائر گناہ کی لذت اور اس کے نتائج خوف و وحشت کا بخوبی موازنہ کرے تو اس کو
بدحالی اور زیاں کاری کا اچھی طرح یقین ہو جائے گا، کیونکہ وہ عبادت، انس اور
روحانی لذت کو گناہ کی وحشت اور ایک عام خوف کے ساتھ بدل ڈالتا ہے۔

﴿فإن كنت قد أوحشتك الذنو ب فدعها إذا شئت واستأنس﴾

یعنی "جب تجھے گناہ وحشت زدہ بنا دیں تو تو انہیں جب چاہے چھوڑ کر انس پذیر ہو جا"

۲۲ اس مسئلہ میں راز یہ ہے کہ عبادت قرب خداوندی کا موجب ہے، اور جس قدر
تقرب بڑھتا ہے، اسی قدر انس پذیری بھی قوی ہوتی جاتی ہے، اور گناہ اللہ تعالیٰ
سے دور پھینک دیتا ہے اور جس قدر دوری بڑھتی جاتی ہے، اسی قدر وحشت بھی
زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان اپنے اور اپنے دشمن کے درمیان ایک
قسم کی وحشت پاتا ہے اور اس کی وجہ وہی دوری ہے جو دونوں کے درمیان قائم
ہے، اگرچہ وہ دونوں بظاہر ایک دوسرے سے متصل جڑے رکھتے ہوں، اس کے
برعکس انسان اپنے اور اپنے عزیز دوست کے درمیان ایک قسم کا انس و محبت محسوس
کرتا ہے اگرچہ بظاہر وہ ایک دوسرے سے دور ہوں، اور اس وحشت کا سبب وہ
حجاب ہے جو گناہ کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان قائم ہو جاتا ہے اور جس
قدر یہ حجاب شدید ہوتا جاتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ سے وحشت زیادہ ہوتی جاتی
ہے، لہذا غفلت موجب وحشت ہے، اور معصیت اس سے بڑھ کر موجب وحشت
اور شرک و کفر اس سے بھی زیادہ، اس لئے جب ان تین موجبات وحشت میں
سے کوئی امر موجب بنتا ہے تو اس کے مطابق اس شخص کے ظاہر و باطن پر
وحشت غالب آجاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دور جا پڑتا
ہے اور لوگ اس سے وحشت و نفرت کرنے لگتے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

گناہ دل کا مریض بنا دیتا ہے:

۞ گناہ کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ گناہ قلب کو صحت و استقامت سے روک کر اس کو مریض اور منحرف بنا دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ مریض رہتا ہے اور ان غذاؤں سے جن سے اس کی حیات و صلاح تو غذا ہوتی ہے ہرگز منتفع نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گناہ کی تاثیر قلب میں بعینہ وہی اثر رکھتی ہے جو امراض جسمانی بدن انسانی میں۔ چنانچہ گناہ قلب کے لئے ایک بیماری ہے جس کا علاج ترک گناہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ تمام اہل سلوک اس امر پر متفق ہیں کہ قلب اپنے مقصود اصلی کو وصال مولیٰ (ذات باری تعالیٰ) کے سوا ہرگز نہیں پا سکتا، اور یہ وصال باری تعالیٰ اس کو اس کے سوا حاصل نہیں ہو سکتا کہ وہ بالکل صحیح سالم ہو اور اس کا صحیح سالم ہونا اس پر موقوف ہے کہ وہ امراض سے پاک صاف ہو، اور یہ چیز خواہشات نفسانی کو ترک کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے، کیونکہ یہی خواہشات اس کے امراض ہیں اور ان کی مخالفت اس کے لئے صحت اور شفا بخش ہے لہٰذا جب مرض مستحکم ہو جاتا ہے تو قلب کو یا تو بالکل ہلاک کر دیتا ہے یا قریب الہلاکت بنا دیتا ہے، جس طرح خواہش نفس کو روکنے والا قیامت کو داخل جنت ہوگا، اسی طرح اس دنیا میں بھی اس کا قلب ایک ایسی جنت کا مالک ہوتا ہے کہ کوئی دنیوی لذت اس کا ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتی، ان دونوں لذتوں میں وہی تفاوت ہے جو دنیوی لذت اور اخروی لذت میں تفاوت ہے، اور اس تفاوت کا یقین صرف اسی کو ہو سکتا ہے، جو دونوں سے مستفیض ہو چکا ہو۔ یہ نہ سمجھو کہ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ (الانفطار ۱۳، ۱۴) والی آیت صرف عالم آخرت سے متعلق ہے، بلکہ اس کا عالم دنیا، عالم برزخ اور عالم آخرت تینوں سے تعلق ہو سکتا ہے، کیونکہ گنہگار

بیچارے مساکین ہیں، دنیا سے ایسے حال میں چلے جاتے ہیں کہ خوش زندگی اور پاکیزہ نعمت سے محروم رہتے ہیں۔'' اور بعض یوں الفاظ نقل فرماتے ہیں ''اے طالبین دنیا اور ان کے بیٹے! آدمی کی لذت و سرور کو چاہتے ہو جیسی اب حاصل ہے تو جو وہ شمشیر ہم سے چھینا چاہتے۔'' (یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے)

اور بعض یوں کہتے ہیں کہ ''دنیا میں ایک ایسی جنت ہے کہ جو شخص اس میں داخل نہیں ہوا وہ عالم آخرت کی جنت میں بھی داخل نہیں ہوگا۔''

ہائے افسوس! اس شخص کی حالت پر جس نے کس قدر گراں قیمت اور بے مثل نعمت کو ایک بے قدر اور ذلیل چیز کے بدلے کھو دیا جس کے معاملے میں وہ زیاں کے علم کے باوجود زیاں کار رہا۔

اے نادان! اگر تجھے اس گراں قیمت متاع کی خبر نہیں تو ان لوگوں سے دریافت کر جو اس کی قیمت جانتے ہیں، سبحان اللہ! یہ وہ گراں بہا متاع ہے جس کا مشتری خود اللہ تعالیٰ اور جس کی قیمت جنت الفردوس ہے اور وہ سفیر جو اس معاملۂ بیع میں واسطے اور قیمت کا ضامن قرار پائے وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

إذا كان هذا فعل عبد بنفسه   فمن ذا له من بعد ذلك يكرم

''یعنی جب کسی انسان کا اپنی ذات کے ساتھ یہ سلوک ہے تو پھر اور کون ہے جو اس کی عزت کرے گا۔''

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَن يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن مُّكْرِمٍ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ﴾ (الحج: ۱۸)

''یعنی جس کو اللہ تعالیٰ ذلیل کرے اس کی کوئی عزت نہیں کر سکتا، بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

عزت وشرافت کا موجب ہوتا ہے، پس گناہ سے بڑھ کر کوئی ذلت نہیں اور طاعت خداوندی سے بڑھ کر کوئی رفعت شرافت اور کرامت نہیں۔

فصل

گناہ گار ہمیشہ شیطان کے جال میں پھنسا رہتا ہے:

☆ گناہ کے دیگر نقصانات میں سے ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے والا ہمیشہ شیطان کے جال اور پھندے میں گرفتار رہتا ہے اور وہ خواہش نفس کے زندان سے کبھی رہائی نہیں پاتا، اور ہوا وحرص کی زنجیر میں جکڑا رہتا ہے، اور اس اسیر سے زیادہ بدحال کونسا اسیر ہوگا جس کو دشمن اعظم (نفس امارہ) اپنا اسیر بنالے اور زندان خواہش سے بدتر اور کونسا زندان ہوسکتا ہے اور ہوائے نفس کی زنجیر سے زیادہ سخت اور کونسی زنجیر ہوسکتی ہے؟ کیوں کہ یہ قیود وسلاسل اسے اللہ تعالیٰ اور دار آخرت کی طرف رجوع کرنے سے روکے رہتے ہیں، جس کی وجہ سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا، جب قلب اس طرح مقید ہوجاتا ہے، تو ہر جانب سے اس کو آفات آگھیرتی ہیں، الغرض قلب کی مثال پرندے جیسی ہے کیونکہ جس قدر وہ بلندی پر پرواز کرتا ہے اسی قدر آفات سے محفوظ رہتا ہے، اور جب وہ نیچے آتا ہے تو کئی ایک آفتوں میں گھر جاتا ہے۔ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

﴿الشَّيْطَانُ ذِئْبُ الْإِنْسَانِ﴾

"یعنی شیطان انسان کے لئے بھیڑیے کی طرح ہے۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح وہ بکری جو محافظ کی زیر حفاظت نہیں، چاروں طرف سے بھیڑیوں میں گھری ہو، بہت جلد ہلاک ہوجاتی ہے اسی طرح جب

انسان کے قلب پر اللہ کی طرف سے نگہبان نہ ہو تو اس کا بھیڑیا اسے چیر پھاڑ کر کھا جائے گا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نگہبانی کرنے والی چیز صرف تقویٰ ہے، کیونکہ تقویٰ قلب اور شیطان کے درمیان اسی طرح کی ایک آہنی دیوار ہے جس طرح وہ دنیا و آخرت کے عذاب سے بچنے کے لئے ایک قسم کی مضبوط ڈھال ہے، اور یہ امر مسلم ہے کہ بکری جس قدر چرواہے کے قریب اور آس پاس رہے گی اسی قدر وہ بھیڑیے کی زد سے محفوظ رہتی ہے اور جس قدر دور ہوتی ہے، اسی قدر اس کی جان خطرے میں ہوتی ہے، پس بکری تب تک ہی امن میں رہے گی جب تک وہ چرواہے کے زیر نظر رہے، اور دور چلی جانے والی بکری پر بھیڑیا ضرور قابو پالیتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قلب جس قدر اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے اسی قدر اس سے ہر طرح کی آفات ومصائب دور رہتے ہیں اور جس قدر اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا چلا جاتا ہے اسی قدر اس پر مختلف قسم کی آفتیں مصیبتیں قابو پالیتی ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے دور ہوجانے کے کئی مراتب ہیں۔

بعض مراتب بعض سے زیادہ سخت ہیں، مثلاً غفلت، یہ بھی اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب ہے، اور معصیت غفلت سے بڑھ کر دوری کا باعث ہے، اور بدعت یہ معصیت سے بھی بڑھ کر دوری کا موجب ہے، جبکہ نفاق اور شرک سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے بعد اور دوری کا ذریعہ ہیں۔

☆ گناہ کا ایک زبردست نقصان یہ ہے کہ گناہ سے گناہگار کی قدر و منزلت اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کی نظروں میں بالکل گر جاتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی شخص سب سے زیادہ باعزت شمار ہوتا ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو، اور سب سے زیادہ مقرب اس کے نزدیک وہی سمجھا جاتا ہے جو سب سے زیادہ فرمانبردار ہو۔ لہٰذا جس قدر انسان طاعت میں ترقی کرتا ہے۔ اسی قدر اللہ

کے نزدیک اس کا مقام و مرتبہ بڑھتا ہے اور جب اس کی نافرمانی و ران کے حکم کی خلاف ورزی کرنے لگتا ہے تو اس کی نظرِ رحمت سے محروم وساقط ہو جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ بندوں کے دلوں سے بھی اس کی قدر نکال دیتے ہیں۔ جب اس کو لوگوں کی نظر میں یہ حال ہو جاتا ہے تو وہ اس کے ساتھ اسی کے مطابق سلوک کرنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ایک بدترین زندگی، بدنامی اور ساقط الاعتبار ہو کر ذلیل ہو جاتا ہے۔ اسے پھر کسی قسم کی فرحت وخوشی حاصل نہیں ہوتی، کیونکہ ان حالات میں ہر قسم کا غم وحزن لازمی امر ہے، جس کے ساتھ کسی قسم کی خوشی نہیں ہوتی، اس رنج وغم کو لذت نفس اور تحفہ شہوت کے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ اور اللہ کی کسی بندہ کے لئے سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ وہ جہانوں میں نیک نام اور باعزت شمار کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے انبیاء ورسل علیہم السلام کو ایک ایسی خاص عزت عطا فرمائی ہے جو کسی غیر کو حاصل نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ﴾ (ص: ۴۵، ۴۶)

مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان انبیاء علیہم السلام کو ایک خاص خصوصیت بخشی ہے اور وہ ہے ذکر جمیل، جس کی وجہ سے وہ دنیا میں اچھے الفاظ میں یاد کئے جاتے ہیں اور ذکر جمیل سے وہی لسان صدق مراد ہے۔"

جس کے متعلق حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہِ رب

والعزت میں یوں استدعا کی تھی۔

﴿وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِيْنَ﴾ (الشعراء ۸۴)

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا﴾ (مریم ۵۰)

اور اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے اس طرح فرمایا:

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ (الانشراح ۴)

ثابت ہوا کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی کامل اتباع سے انسان اس عزت واکرام کا وارث شمار ہوتا ہے جو انہیں حاصل تھی اور جو شخص ان کی مخالفت کرتا ہے وہ اپنی مخالفت کے مطابق اسی قدر ذلت کا مستوجب ہوتا ہے۔

﴿فصل﴾

گناہ انسان کو باعث مذمت بناتا ہے:

☆ نافرمانی کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ نافرمانی انسان کو عزت وتعریف کے القاب سے خالی اور عاری کر کے برے اور مذمت اور ذلت کے القاب سے ہمکنار کرتی ہے، چنانچہ مومن، نیک، مخلص، متقی، فرمان بردار، منیب، ولی، صالح، عابد، خائف، اواب اور پاکیزہ جیسے پیارے، معزز ناموں سے اس کو محروم کر کے فاجر، نافرمان، مخالف، بدکار، فسادی، خبیث، راندہ درگاہ، زانی، چور، قاتل، کاذب، خائن، لوطی اور دھوکہ باز جیسے برے القابات سے ملقب کرتی ہے۔ یہی وہ اسماء فسق ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

﴿بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ﴾ (الحجرات ۱۱)

"ایمان لانے کے بعد فسق کے برے نام ہیں۔"

جو کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور جہنم میں داخلے اور ذلت کی زندگی کے باعث ہیں۔ جبکہ اول الذکر اسماء رحمٰن کی رضامندی، دخول جنت اور تمام نوع انسانی میں معزز کرنے کا سبب ہیں۔ گناہ کے اگر اور نقصانات نہ بھی ہوتے تب بھی برے ناموں سے پکارا جانا ہی کافی تھا اور اطاعت کے اور کوئی اجر وثواب نہ ہوتے تب بھی صرف انہی معزز ناموں سے موسوم ہونا ہی مدحت کیلئے کافی تھا۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے نوازے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جس کو اللہ تعالیٰ نہ دینے پر آئے تو کوئی اسے دے نہیں سکتا، اور جس کو اللہ تعالیٰ اپنا قرب عطا فرمادے اسے کوئی اللہ تعالیٰ سے دور نہیں کرسکتا، اور جسے اللہ دور کرنا چاہے اس کو کوئی قریب نہیں کرسکتا۔

اور یہی قرآن مجید کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُكْرِمٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ﴾ (الحج ۱۸)

"جس کو اللہ ذلیل کرے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں، اللہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔"

فصل

گناہ کا انسانی عقل پر اثر انداز ہونا:

گناہ کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ گناہ عقل کو خاص طور پر کمزور کردیتا ہے۔ چنانچہ دو عاقل اشخاص میں سے ایک اللہ تعالیٰ [illegible]

مطیع وفرمانبردار ہو اور دوسرا نافرمان ہو۔ اگر ان دونوں میں عقلی تقابل ہو تو مطیع وفرمانبردار شخص نافرمان کے مقابلے میں عقلی لحاظ سے کامل ہوگا۔ اس کی رائے درست اور فکر صائب ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے بھی عقل والوں کو اپنا مخاطب بنایا۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿واتقون یٰاولی الالباب﴾

"اے عقل والو! مجھ سے ڈرو۔" (البقرۃ: ۱۹۷)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿فاتقوا اللہ یٰاولی الالباب لعلکم تفلحون﴾

"اے عقل والو! اللہ کا خوف اپنے اندر پیدا کرو تاکہ تم کامیابی سے ہمکنار ہو جاؤ۔" (المائدۃ)

ایک جگہ ارشاد ہے۔

﴿وما یذکر الا اولوا الالباب﴾

"عقل والے ہی اللہ کو یاد کرتے ہیں۔" (البقرۃ: ۲۶۹)

اس کی بے شمار مثالیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔ بھلا اس آدمی کو آپ کیسے دانا اور مکمل عقل والا قرار دے سکتے ہیں جو اپنے اس مالک کی نافرمانی کرتا ہے۔ جس کے گھر میں رہتا ہے، جس کے قبضہ قدرت میں ہے، اور ایک لمحہ کیلئے بھی ان کی نعمتوں سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ پھر بھی ان کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ ان کی نعمتوں کو ان کی نافرمانی میں استعمال کرتا ہے، اور ہر وقت ان کے غضب، لعنت، ان سے قرب سے دوری، ان کے دروازے سے دھتکارے جانے، ان کی بے توجہی اپنی ذات پر لینے سے، ان کی نظروں سے گرنے اور ان کی محبت وقرب سے محرومی کا

دعوت دیتا ہے۔ حالانکہ ان کے قرب میں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ ان کے جوار میں عظیم کامیابی ہے اور ان کی طرف ایک نظر اولیاء اللہ کی جماعت میں شمولیت کا سبب ہے۔ اس قسم کے بے شمار انعامات و اکرامات نیک لوگوں کیلئے مخصوص ہیں۔

☆ بھلا وہ آدمی کیا عقلمند ہوگا جو ایک گھنٹہ یا ایک دن یا ایک مختصر زمانے کی بے حقیقت، خواب کی طرح گزرنے والی لذت کو عظیم الشان کامیابی، ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتوں، دنیا وآخرت کی سعادتوں پر ترجیح دیتا ہو۔ ایسے آدمی کو تو مجنون کہنا چاہیے۔ بعض مجنونوں کی حالت بھی اس سے بدرجہا بہتر ہوتی ہے۔ اس لیے کہ مجنون کی آخرت تو محفوظ ہے۔ کیوں کہ وہ مرفوع القلم اور احتساب سے بری ہے۔ معاشی لحاظ سے گناہ کی تاثیر میں مطیع ونافرمان دونوں باہم شریک نہ ہوتے، تو ان کی عقل کا فرق خوب واضح ہوتا۔

اگر لوگوں کی عقلیں درست ہوتیں تو یقیناً جان لیتے کہ پاکیزہ زندگی، فرحت وسرور کی شیرینی اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہی میں مضمر ہے۔ اور تمام آلام وتکالیف اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی وجہ سے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رضا مندی میں آنکھوں کی ٹھنڈک، نفسوں کا سرور، دل کی حیات، ارواح کی لذت، پاکیزہ زندگی کی شیرینی اور ایسی پاک صاف نعمتیں ہیں کہ اس کی ذرہ کے برابر بھی پوری دنیا کی لذتیں نہیں ہوسکتی، بلکہ اس نعمت کی حلاوت کی تھوڑی مقدار بھی اگر دل کو میسر ہوجائے تو دنیا وما فیہا کی ساری لذتوں کو اس پر قربان کردیگا۔

اللہ اکبر، کتنے کم عقل ہیں وہ لوگ جو موتیوں کو ٹھیکریوں اور مشک کو گوبر کے بدلے فروخت کرتے ہیں۔ اور شہداء، صدیقین اور صالحین (جن پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کی بارش ہوتی ہے) کی مرافقت پر مغضوب علیہم اور ملعون لوگوں کی مرافقت کو ترجیح دیتے ہیں۔

﴿فصل﴾

گناہ اللہ تعالیٰ سے قطع تعلق کا بھی سبب ہے:

☆ گناہ کی مضرتوں میں سب سے بڑی مضرت یہ بھی ہے کہ: وہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان تعلق کو ختم کرنے کا موجب بنتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق جب ٹوٹ جاتا ہے تو خیر کے تمام راستے مسدود اور شر کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ جب یہ کیفیت ہوتی ہے تو ایسے شخص کی فلاح کی امید کیسے کی جا سکتی ہے۔ جس سے بھلائی کے راستے بند اور شر و فساد کی راہیں کھل جائیں گی اور ایسے عظیم مولیٰ سے قطع تعلق ہو جس کا انسان ہر لمحہ محتاج ہے، جس کی کوئی نظیر و بدل نہیں۔ اور اپنے سب سے بڑے دشمن سے ملے جو ہر وقت اسے نقصان پہنچانے کی کوشش میں ہے۔ انسان کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے قطع تعلق اور اس کے دشمنوں سے تعلق داری میں کس قدر آلام و آفات پوشیدہ ہیں۔

کسی بزرگ کا قول ہے: میں نے بندے کو اللہ تعالیٰ اور شیطان کے سامنے پڑا دیکھا: اللہ تعالیٰ اگر اس سے اعراض کریں تو فوراً شیطان اس پر قابو پا لیتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ تو شیطان اس کے قریب تک نہیں آ سکتا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:-

﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا﴾

(الکہف: ۵۰)

فصل

گناہ بے برکتی کا بھی باعث ہے:

☆ گناہ کا ایک بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ وہ طاعت، عمل، علم، رزق اور عمر کی برکتوں کو مٹا دیتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نافرمانی دین و دنیا کی برکتوں کے زوال کا سبب ہے، چنانچہ نافرمان کے دینی و دنیاوی امور اور اس کی عمر میں برکت نہیں ہوتی اور گناہوں ہی کی وجہ سے زمین سے برکتیں اٹھائی جاتی ہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ولو ان اهل القرى آمنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركات من السماء والارض۔ الآية

دوسری جگہ ارشاد باری ہے: وان لو استقاموا على الطريقة لاسقيناهم ماء غدقا لنفتنهم فيه۔ الآية۔ (الجن ۱۶،۱۷) ترجمہ: گناہ ہی کی وجہ سے ملنے والے رزق سے انسان محروم ہوتا ہے، آپ کا فرمان ہے:

> فان روح القدس نفث في روعي انه لن تموت نفس حتى تستكمل رزقها فاتقوا الله واجملوا في الطلب فانه لا ينال ما عند الله الا بطاعته وان الله جعل الروح والفرح في الرضى واليقين وجعل الهم والحزن في الشك والسخط۔ الحديث۔
>
> ”حضرت جبرئیل امین نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ ہر جان اپنا مقررہ رزق مکمل کر کے ہی مرے گی۔ اپنے اندر خوف خدا پیدا کرو اور طلب رزق میں اعتدال سے کام لو، اور فرمانبرداری سے ہی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں حاصل کی جاتی ہیں،

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خوشی اور فرحت کو اپنی خوشی اور رضا مندی کے ساتھ اور غم و حزن کو اپنی نافرمانی کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔"

امام احمد کی کتاب الزہد سے منقول حدیث سابق میں گزری ہے جس میں یہ فرمایا گیا کہ

﴿إني أنا الله إذا رضيت باركت وليس لبركتي منتهى وإذا غضبت لعنت ولعنتي تبلغ السابع من الولد﴾

یعنی "میں ہی تمہارا پروردگار ہوں، برکت اس وقت نازل کرتا ہوں، جب راضی ہوتا ہوں۔ حالانکہ میری برکات بے انتہا ہیں اور جب ناراض ہوتا ہوں تو اپنی رحمت سے دور کرتا ہوں اور میری لعنت ساتویں پشت تک اثرانداز ہوتی ہے۔"

اور یہ بات بھی ذہن نشین رکھیں کہ رزق و عمل کی وسعت ظاہری کثرت سے نہیں اور نہ ہی درازیٔ عمر سالوں اور مہینوں کی کثرت کا نام ہے بلکہ وسعتِ رزق اور طول عمر اس کی برکتوں سے تعبیر ہے۔

اور یہ بات بھی پہلے گزر چکی ہے کہ عمر زندگی کی مدت کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اعراض کرنے غیر اللہ میں مشغول ہونے والے کی زندگی ہی کیا ہوگی۔ بلکہ اس سے تو جانوروں کی زندگی بھی بدرجہا بہتر ہے۔ اور دل کی زندگی خالق کی معرفت، حق تعالیٰ کی محبت، اسی کی عبادت، اسی کی طرف رجوع، ان کی یاد سے طمانیت اور ان کے قرب سے انسیت کے بغیر ممکن نہیں۔ اور جو اس قسم کی زندگی سے محروم ہے یقیناً وہ تمام بھلائیوں سے محروم ہے، اگرچہ اسے دنیاوی آسائشیں بھی میسر ہوں بلکہ چاہے وہ دنیا کی لذتیں پالے تب بھی اس زندگی کا بدل نہیں ہوسکتیں۔ اس لئے کہ ہر چیز کا بدل ممکن ہے مگر اللہ کا کوئی بدل ہونا ممکن ہی نہیں۔ اس لئے کہ حق

محض غنی مطلق کا بدل کیسا ہو سکتا ہے؟

عاجز بالذات قادر بالذات میں کیا تقابل؟ میت اور حی لا یموت کی آپس میں کیا نسبت؟ مخلوق خالق کا ہمسر کیوں کر ہو سکتا ہے؟ شیطان کے ساتھ دوستی کے نقصانات کا کیا اندازہ ہوگا جبکہ تمہارے اور اس کے درمیان پائی جانے والی عداوت بکری اور بھیڑیے کی باہمی عداوت سے بھی کئی گنا بڑھ کر ہے۔ معدوم شی ایک لازوال ذات کی جو ہمیشہ سے ہے اور کمالِ وجود اور کمالِ رحمت جس کے لازم ذات ہیں کیا برابری کر سکتی ہے؟ مالک ارض وسماء کا عوض ایسی چیز کیسے ہو سکتی ہے جو ایک مثقال بھر کی بھی مالک نہیں ہے؟

اللہ پاک کی نافرمانی اس لئے بے برکتی کا باعث ہے کہ گناہ سے شیطان کو انسان پر تصرف کرنے کا موقع ملتا ہے اور وہ اس تاک میں رہتا ہے کہ کسی طرح انسان سے گناہ کرا کے اس پر مکمل طور پر اثر انداز ہو۔ اس وجہ سے اس کا تعلق شیطان سے ہو جاتا ہے، اور جس شی کا تعلق اور جوڑ شیطان کیساتھ ہو اس سے برکت کا ہٹ جانا یقینی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کھانے پینے، سوار ہونے غرض ہر کام کرنے سے قبل اللہ تعالیٰ کا نام مبارک لینے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے مبارک نام کیساتھ اتصال کی برکت سے شیطان دور ہو، اور وہ کام بابرکت اور مبارک ہو، اور جس کام کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے نام سے نہ ہو اس میں برکت نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ہر چیز میں برکت ڈالنے والی ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور ساری کی ساری برکتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ جو چیز بھی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو وہ مبارک ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا کلام مبارک، ان کا رسول مبارک، ان پر ایمان لانے والا بندہ مبارک، ان کا گھر (بیت الحرام) مبارک، ان کی طرف منسوب سرزمین شام مبارک، جس کی برکت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی چھ آیات میں بیان

وعالم أو متعلم ﴾

''دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے سوائے ذکر اللہ یا ذکر اللہ کرنے والے اور عالم یا متعلم کے۔''

(رواہ ترمذی جلد نمبر ۲ حدیث نمبر ۲۳۲۲، ابن ماجہ جلد نمبر ۲ ص ۱۳۷۷)

گناہ انسان کو گھٹیا بنا دیتا ہے:

گناہ کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ وہ انسان کو اخلاق و کردار کے اعلیٰ مقام سے گرا کر اخلاق و کردار کی پستیوں میں لا کھڑا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق دو طرح کی پیدا کیے ہیں "اعلیٰ" اونچے درجے یعنی فرسٹ کلاس کے لوگ اور "سفلہ" یعنی تھرڈ کلاس کے لوگ۔ اخلاق و کردار کے اعلیٰ صفات کے حامل اونچے درجے کے لوگوں کے لئے جنت کا اعلیٰ مقام علیین کو مقرر کیا اور اخلاق و اطاعت سے خالی اور عاری نچلے طبقے کیلئے جہنم کا بدترین مقام اسفل سافلین کو تیار کیا ہے۔

اور اپنی اطاعت کرنے والوں کو دنیا و آخرت میں اعلیٰ مقام دیتے اور نافرمانوں کو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی پست بنا دیا ہے، اہل اطاعت کو اپنی تمام مخلوق میں معزز اور اہل عصیان کو تمام مخلوق میں ذلیل کیا ہے۔ عزت کو فرمانبرداروں کا مقدر اور ذلت کو نافرمانوں کے حصے میں رکھا ہے۔ اسی مضمون کو حضرت امام احمد اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عمرو کے حوالہ سے نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

﴿ بعثت بين يدي الساعة بالسيف حتى يعبد الله وحده لا شريك له

وجعل رزقي تحت ظل رمحي وجعل الذل والصغار على من

خالف أمري۔ الحديث ﴾

''مجھے قیامت تک جہاد کا حکم دے کر بھیجا گیا ہے میرے رزق میرے اسلحے سے وابستہ کر دیا گیا ہے اور ذلت اور حقارت تو میرے مخالفین کا مقدر بنایا گیا۔'' (جامع الصغیر، طبرانی)

چنانچہ جب انسان ایک گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو ایک درجہ نیچے آتا ہے اسی طرح وہ گناہوں کے مسلسل ارتکاب سے نیچے اترتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ گھٹیا طبقے میں شامل ہو جاتا ہے۔ جب کوئی نیک عمل کرتا ہے تو ایک درجہ بلند ہو جاتا ہے اور نیکی کرتے اور بلند ہوتے ہوتے سربلند اور اعلیٰ طبقے کے لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان اپنی مدت حیات کے اندر اسی اتار چڑھاؤ کے ساتھ زندگی گزارتا ہے اور مرتے وقت جس درجے کے زیادہ قریب تر ہوتا ہے اس درجے کے لوگوں میں شمار ہوتا ہے جس کا جو مقام و مرتبہ ہوگا وہی اسے ملے گا، کمی زیادتی ہرگز نہیں ہوگی۔

شبہ:

یہاں ذہن میں ایک شبہ پیدا ہوسکتا ہے وہ یہ کہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

﴿إن العبد ليتكلم بالكلمة الواحدة لا يلقي لها بالا يهوي بها في النار ما بين المشرق والمغرب﴾

''بعض دفعہ انسان بے توجہی میں کوئی ایسی بات کر ڈالتا ہے جس کی پاداش میں جہنم کے اندر اتنی گہرائی تک گر جاتا ہے کہ جتنا مشرق و مغرب کے درمیان میں جو دوری ہے۔''

(بخاری، مسلم، مسند احمد)

اور جب انسان اپنی اصلی حالت سے مشرق و مغرب اور زمین و آسمان کے بعد سے بڑھ کر گر جائے اور بلندی سے پستی کی طرف انتہائی درجہ نزول کرے تو دوبارہ اپنے اصلی مقام میں نیکیوں کے ذریعے ایک ایک درجہ بڑھنا کیسے ممکن ہوگا؟

جواب: غلطیوں کا پتلا ہونے کی وجہ سے انسان کیلئے روحانی اقدار سے نیچے اترنا لازمی امر ہے، لیکن بعض دفعہ اس پستی کی طرف آنا لاپرواہی اور غفلت میں گناہ کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مگر جب اس غلطی پر تنبیہ اور بیداری ہوتی ہے اور غلطی کا شدت سے احساس ہوتا ہے اور نادم ہوتا ہے تو نہ صرف دوبارہ اپنے سابقہ درجے کی طرف عود کرتا ہے، بلکہ اس سے بھی بلند مقام تک پہنچ سکتا ہے۔ لہٰذا اس نزول کی مختلف صورتیں ہیں، بعض دفعہ مباحات کی طرف نزول کرتا ہے تو وہ جب بھی اطاعت کی طرف آتا ہے تو اپنے درجے میں دوبارہ آجاتا ہے اور کبھی اس تک نہیں پہنچ پاتا اور کبھی سابقہ درجے سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے۔ کبھی گناہ صغیرہ و کبیرہ کی طرف نزول کرتا ہے تو اس صورت میں اپنی حالت میں دوبارہ آنے کیلئے سچی توبہ اور صحبت اہل اللہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ البتہ اس بات میں علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے کے بعد آیا انسان اپنے سابقہ درجے تک دوبارہ پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ بعض فرماتے ہیں کہ بعد از توبہ اپنے اصلی مقام میں دوبارہ آجاتا ہے۔ اس لیے کہ توبہ گناہ کے نشانات تک کو مٹا دیتی ہے۔ بلکہ اسے کالعدم بنا دیتی ہے۔ لیکن بعض کے نزدیک گناہوں سے تائب ہونے کے بعد دوبارہ سابقہ اعلیٰ درجہ کی طرف عود نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ توبہ سے گناہ کی پاداش میں پہنچنے والی سزا تو معاف ہو سکتی ہے۔ مگر گناہ سے پہلے جس اعلیٰ درجہ پر فائز تھا اس تک دوبارہ نہیں پہنچ پائے گا، اس لیے کہ گناہ کے ارتکاب سے پہلے نیک اعمال کے ذریعے ترقی کی راہ پر گامزن تھا، ترقی پر ترقی ہو رہی تھی۔ جیسا ایک آدمی سارا مال لگا کر نفع حاصل کرے جو مال زیادہ ہو تو منافع بھی زیادہ ہوتا ہے مال کم ہو تو منافع بھی کم ہوگا اسی طرح گناہ کرنے کی وجہ سے سابقہ حالت میں بھی

ہوئے تو جس رفتار پر بلندی کی طرف رواں دواں تھا اس میں کمی ضرور آئی گی لہذا سابقہ
حالت میں آنے سے پہلے بھی نقصان ہر حال میں ہوگا۔ بعض حضرات نے اس کی
مثال یوں بیان کی ہے کہ دو شخص دو مختلف اونچائی کی سیڑھیاں چڑھ رہے ہوں اور دونوں
برابر بلندی پر ہوں۔ دو ترقی میں مشغول ہوں اسی دوران ان میں سے ایک، ایک زینہ
آگے بڑھنے کی بجائے نیچے اتر جائے اگرچہ ایک ہی زینہ کیوں نہ ہو، پھر اوپر کی طرف
زینہ بزینہ چڑھنا شروع کرے تو ظاہر بات ہے کہ ان میں جو مسلسل آگے بڑھتا رہا ہے
وہ یقیناً آگے نکل چکا ہوگا اس صورت میں نیچے اتر کر آگے جانے والا یقیناً پیچھے ہی
رہے گا یہ بڑی کمی و نقصان ہے۔ حضرت شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ نے اس مسئلہ (توبہ
کے بعد سابقہ درجہ پر آنے کا یا نہیں؟) کا یوں حل لکھا کیا ہے وہ فرماتے ہیں: اصل
میں توبہ کرنے والے کئی طرح کے ہوتے ہیں، بعض تو توبہ کے ذریعے سابقہ درجے
سے بھی آگے نکل ہوتے ہیں، اور بعض اس درجہ پر دوبارہ پہنچتے ہیں اور بعض تو
سابقہ مقام پر دوبارہ نہیں پہنچ پاتے ہیں۔ ان کے نزدیک توبہ کرنے والوں کے درمیان
یہ فرق توبہ کی قوت و ضعف کی وجہ سے ہے، چنانچہ ارتکاب گناہ کے بعد دل میں
خشوع و خضوع، انابت الی اللہ، عذاب الٰہی کا خوف آنکھوں میں خشیت کے آنسو ہوں
تو توبہ میں قوت پیدا ہوتی ہے اس قسم کی توبہ سے انسان اپنے سابقہ مرتبے سے بھی کہیں
بڑھ کر آگے نکل جاتا ہے اور گناہ سے پہلے کی حالت سے بدرجہا بہتر حالت میں ہوتا ہے، وہ
گناہ اس کے لئے باعث رحمت بن گیا اس لئے کہ گناہ کی وجہ سے دل میں خوف پیدا
ہوا اور اپنی غلطی کا احساس ہوا ورنہ بلندی کی بیماری اس سے دور ہوئی، اپنے اعمال
پر گھمنڈ جاتا رہا، اپنے رب کی عظمت پر ذلت وانکساری کا سر جھکا اس کی قدر کو پہچان
لی، اپنی احتیاج، اپنا فقر اپنی ضرورت کو اپنے رب کے دربار میں پیش کیا اس کے
عفو و درگزر پر یقین نصیب ہوا۔ اس گناہ کی وجہ سے اپنے اعمال صالحہ پر اترانا
ختم ہوا، نفس کے دھوکے میں دوسروں کو اپنے سے کمتر سمجھنے کا خیال دل سے محو ہوا، گناہ

ہی کی وجہ سے اپنے رب کے سامنے سر جھکائے شرمائے ہوئے، اپنی اطاعت کو کمتر اور گناہ کو بڑا سمجھتے ہوئے خطاکاروں کے مقام میں کھڑے ہونے کی توفیق ہوئی اپنے نفس کی کمزوری اور برائی اور رب تعالیٰ کو یکتا، باکمال اور قابل تعریف سمجھنے کا حسن ہوا، جیسا کہ کسی شاعر کا قول ہے

استاثر الله بالوفاء وبالحمد وولّى الملامة الرجلا

ترجمہ: حمد وثنا اللہ کیلئے خاص ہے اور ملامت انسان کیلئے ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی نعمت ملی خود کو اس کا اہل نہیں سمجھا، بلکہ خود کو اس سے کمتر اور نعمت الٰہی کو بہتر سمجھا اور جن جن مصیبت، آفات وغیرہ سے دو چار ہوا اپنے نفس کو اس کا مستحق سمجھا اور ان آفات اور بلیات کو اپنے جرم اور گناہ سے کم تر گردانا اور یہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ کی سزا جرم سے بہت کم دے کر اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کیا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ گناہ کی جو سزا ہے اس کو تو بڑے مضبوط پہاڑ بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ یہ بیچارہ کمزور وناتواں اسے برداشت کر لے کیونکہ وہ عظیم ذات جس سے بڑھ کر کوئی عظیم نہیں، وہ کبیر ذات جس سے بڑھ کر کوئی کبیر نہیں، وہ جمیل ہستی جن سے بڑھ کر کوئی ہستی نہیں ان سے بڑھ کر کوئی جمیل وخوبصورت نہیں اور تمام چھوٹی بڑی نعمتیں انہی کی طرف سے ہیں۔ ان کی نافرمانی (اگرچہ کم ہو) کرنا انتہائی قبیح اور سخت قابل مذمت ہے۔ یہ تو عام سی بات ہے کہ بڑے بڑے معزز سربرآوردہ لوگوں کی نافرمانی کو سب لوگ، کافر ہوں یا مسلمان حتیٰ کہ گھٹیا قسم کے لوگ بھی انتہائی بداخلاقی اور قابل مذمت سمجھتے ہیں تو پھر زمین وآسمان کے مالک وخالق کی نافرمانی کتنی قبیح اور کتنی سخت اور قابل مذمت اور قابل سزا جرم ہوگی، مگر اصل میں بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کے غضب پر اور ان کی بخشش ومغفرت ان کی عقوبت وسزا پر غالب ہے، ورنہ دنیا کی کائنات ایک ساعت بھی زمین اس کا رہنا دوبھر ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات حلیم اور غفور ورحیم نہ ہوتی تو

انسانوں کے گناہوں کی وجہ سے زمین و آسمان تک ہل جاتے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ان اللہ یمسک السموت والارض ان تزولا ولئن زالتا ان امسکھما من احد من بعدہ انہ کان حلیما غفورا﴾

ذرا آیت کے آخری دو لفظوں "حلیم" "غفور" میں غور کیجئے کہ اگر اللہ کا اپنے گنہگاروں بندوں کے ساتھ حلم و بخشش کا معاملہ نہ ہو تو کیا یہ زمین و آسمان اپنی جگہوں پر قائم رہ سکتے؟

بعض لوگوں کی نافرمانی کے متعلق ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿تکاد السموات یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال﴾

اللہ تعالیٰ نے ہمارے ماں باپ (حوا و آدم علیہما السلام) کو صرف ایک لغزش کی وجہ سے جنت سے نکال دیا، اور ابلیس لعین کو صرف ایک گناہ اور ایک حکم کے انکار پر راندہ درگاہ کیا۔ مگر ہم احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔ بقول شاعر:

نصل الذنوب الی الذنوب ونرتجی درج الجنان الذی النعیم الخالد

ولقد علمنا اخرج الابوین من ملکوتہ الاعلیٰ بذنب واحد

☆ ہم گناہوں پر گناہ کر کے جنت النعیم کے امیدوار بنے بیٹھے ہیں۔ حالانکہ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ماں باپ (آدم و حواء) کو صرف ایک گناہ کی پاداش میں جنت سے نکال دیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ انسان بسا اوقات توبہ کی برکت سے بھی آگے سابقہ حالت کی طرف ترقی کر جاتا ہے اور بعض دفعہ گناہ اس کی ہمت کو پست اور اس کے

حاوی، مضبوط قوت ارادی رکھنے والا اور نفس کو اپنے قابو میں رکھنے کے لئے
استعمال اور اپنے نقصان سے روکنے والا ہو۔ ہو نفس پر حاوی ہونے کے
اعتبار سے لوگوں کی عقلی سطح ان کے ہمتوں اور مرتبوں میں فرق کیا جاتا ہے،
چنانچہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عقلمند وہ ہے جو سعادت اور شقاوت
کے اسباب سے واقف ہو، ان میں سب سے زیادہ ہدایت یافتہ وہ ہے جو
اسباب سعادت کو اسباب شقاوت پر ترجیح دینے والا ہو، جیسا کہ سب سے
زیادہ گمراہ شقاوت کے اسباب کو سعادت کے اسباب پر فوقیت دینے والا
ہے۔

☆ لہٰذا انسان کی سب زیادہ ضرورت کی چیز سعادت وشقاوت کے اسباب کو
جاننا ہے۔ اور ہمیشہ باقی رہنے والی عالیشان خوش نصیبی کو جلد ختم ہونے والی
اور ادنیٰ قسم کے نصیب وسرور پر ترجیح دینے کی سمجھ بوجھ رکھنا ہے۔ اس میں
گناہ کی سنگلاخ راہ ہے دونوں جہانوں میں نفع بخش اور اعلیٰ وارفع علم میں
مشغول ہو کر کمال پیدا کرنے کی راہ میں بھی گناہ ہی انسان کو پست ہمت بنا
دیتا ہے، چنانچہ جب انسان کسی ناپسندیدہ معاملے میں الجھ کر اس سے نکلنا
چاہے تو کم بختی، اس کے تن وجان اور اعضاء اس کی اطاعت سے
روگردانی کریں گے۔ اس کی حالت بالکل اس شخص کی سی ہوگی جس کے
پاس ایک زنگ آلود اپنی میان سے چپکی ہوئی تلوار ہو جو کھینچنے کے باوجود
اس سے جدا نہ ہوتی ہو۔ اس دوران اس کا دشمن اس کو قتل کرنے کیلئے اس
کے سامنے آجائے اور وہ اپنی اس تلوار کے دستے کی طرف ہاتھ بڑھائے
اور تلوار کو میان سے جدا کرنے کی سعی کرے اور وہ جدا نہ ہو اور اس دوران
دشمن اس پر زور آزمائی کرکے اپنے مقصد میں کامیاب ہوجائے، بالکل یہی

کیفیت دل کی ہے جو گناہوں کی وجہ سے زنگ آلود اور سیاہ ہو چکا ہے۔ جب (شیطان اور نفس جیسے) دشمنوں کے ساتھ لڑائی کا وقت آ جائے تو اپنے پاس ہتھیار کچھ نہیں پائے گا، جبکہ اس دشمن سے لڑائی، اس پر حملہ آوری اور پیش قدمی، دل ہی کے ذریعے ہوتی ہے اور اعضاء و جوارح تو محض دل کے تابع ہیں۔ جب بادشاہ ہی قوت مدافعت سے عاری و خالی ہو تو اس کے توابع کیا خاک مقابلہ کریں گے۔ اسی طرح گناہ اور خواہشات کی وجہ سے نفس میں خبث اور ضعف پیدا ہوگا۔ یہاں نفس سے میری مراد نفس مطمئنہ ہے۔ ورنہ نفس امارہ تو گناہوں کی وجہ سے مزید قوی اور جری ہو جاتا ہے، جب نفس امارہ میں قوت آتی ہے تو نفس مطمئنہ کمزور و ناتواں ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں انسان پر نفس امارہ ہی کی حکومت چلتی ہے۔ گناہوں کی کثرت کے سبب سے بسا اوقات نفس مطمئنہ پر ایسی موت طاری ہو جاتی ہے کہ اس کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی امید ہی نہیں ہوتی، اور اگر اس میں کچھ زندگی رہتی بھی، تو بھی صرف تکالیف محسوس کرنے کی حد تک۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ گناہ گار بندہ جب کسی شدت، تکلیف، غم، آفات و بلیات میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کا دل اس کی زبان اور اس کے اعضاء کسی بھی نفع بخش چیز کے حصول کے سلسلے میں اس کا ساتھ دینے کیلئے (گناہوں کے سبب پست ہمت ہونے کی وجہ سے) تیار نہیں ہوتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حضور تذلل و انکساری، تضرع، مناجات، انابت الی اللہ اور توکل علی اللہ کیلئے دل تیار نہیں ہوتا اور نہ ہی زبان ذکر اللہ کیلئے اس کا کہاں باقی ہے۔ اگر زبان سے ذکر کے الفاظ کہہ بھی دے تو دل نہ صرف ساتھ نہیں دیتا، بلکہ زبانی ذکر کیلئے رکاوٹ بھی بنتا ہے۔ اس سلسلے میں اگر

اعضاء و جوارح سے مدد لینے کی کوشش کرے تو وہ بھی بات ماننے اور ساتھ دینے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ یہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ ایک شخص کے پاس دفاع کیلئے فوج ہو اور وہ اس فوج کی قوت کی طرف توجہ نہ دے اور غفلت کر کے فوج کی قوت کو ضائع کردے، اور دشمن کے حملہ آور ہونے کے وقت اگر ان سے مدد لے گا تو وہ فوج اعلیٰ قوت کے بغیر کیا دفاع کرسکے گی جبکہ یہ انتہائی خوفناک منظر ہوگا۔ لیکن اس سے بھی خوفناک اور خطرناک منظر مرتے وقت (خطرناک دشمن شیطان کے اپنی پوری قوت کے ساتھ حملہ کے وقت) ظاہر ہوگا۔

اس لئے کہ گناہوں کی نحوست کی وجہ سے انتقال کے وقت بعض دفعہ زبان کلمہ طیبہ کہنے سے قاصر ہوتی ہے، چنانچہ میں نے بہت سے لوگوں کو مرتے وقت دیکھا ہے۔ ایک شخص سے کہا گیا۔ لا الہ الا اللہ پڑھو، تو کہنے لگا کہ آہ، آہ، میں نہیں پڑھ سکتا۔ دوسرے سے کہا گیا کہ کلمہ پڑھو تو لا الہ الا اللہ کہنے کے بجائے "شطرنج شاہ رخ غلط" کہتے ہوئے مر گیا۔ تیسرے شخص سے بھی لا الہ الا اللہ پڑھنے کو کہا گیا تو

یارب قائلة یوما وقد تعبت   کیف الطریق الی الحمام منجاب

کے الفاظ کہتا ہوا انتقال کر گیا۔ ایک اور سے لا الہ الا اللہ پڑھنے کو کہا تو گانا گانے لگا۔ اور اسی طرح اس دنیا سے کوچ کر گیا۔ ایک کو کلمہ طیبہ کی تلقین کی گئی تو کہنے لگا کلمہ پڑھنے سے مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اس لئے کہ میں نے ساری زندگی گناہوں میں گزاری ہے۔ اور ایک کو کلمہ پڑھنے کی ترغیب دی گئی تو کہنے لگا کہ جو اس کو پڑھے گا وہ کافر ہوگا۔ ایک سے کہا لا الہ الا اللہ پڑھو تو کہنے لگا میں تو کہنا چاہتا ہوں مگر زبان پر کلمہ جاری نہیں ہوتا۔

(۳) یہ لوگ تو خوف کی زندگی گزار رہے ہیں جنہیں کسی نے یا تو ان طاقتوں نے
جکڑ رکھا ہے۔

(۴) تم نے تو عمر رسیدگی کے وقت اپنی نادانی سے غلطی کی ہے۔ زندگی کے وقت تمہیں
پتا چلے گا۔

(۵) اس سے زیادہ عجیب تر یہ ہے کہ تو ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی کو ترک کر کے
ناپائیدار زندگی اپنا رہا ہے۔

(۶) ذرا بتایئے تو کون خسارے میں ہے؟ تو یا وہ جسے دنیاوی کاروبار میں خسارہ ہو۔
عنقریب تجھے اس کا ادراک ہو جائے گا۔

فصل

گناہ زوال بصیرت کا بھی باعث ہے:

☆ گناہ کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ وہ دل کی بصیرت کو زائل کر دیتا ہے۔ اگر
بالکل زائل نہ کرے تو کمزور ضرور کر دیتا ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ گناہ سے
دل کا کمزور ہونا لازمی امر ہے۔ جب دل کے کمزور ہونے کے ساتھ بصیرت بھی
زائل ہو جائے تو حق کی معرفت اور اس کو اپنے اوپر اور دوسروں پر نافذ کرنے
کی قوت بقدر زوال بصیرت ختم ہو جاتی ہے۔

☆ انسانی کمال کا مدار دو اصولوں پر ہے۔ ایک حق و باطل کی معرفت، دوسرا حق
کو باطل پر ترجیح دینے کی طاقت۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں انسان کا دنیا اور
آخرت کے مراتب میں فرق مقدور بھر ان دو اصولوں پر عمل کرنے اور نہ
کرنے کے اعتبار سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام
کی تعریف ان دو اصولوں پر مکمل عمل پیرا ہونے پر ہی بیان کی ہے:

﴿وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ﴾

''ہمارے خاص بندوں، ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو جو قوت اور بصیرت والے تھے۔'' (ص ۴۵)

یہاں ''الایدی'' سے حق کو مکمل نافذ کرنے کی قوت اور ''الابصار'' سے دینی بصیرت مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام کی توصیف حق وہدایت کے مکمل ادراک اور اس کو مکمل طور پر نافذ کرنے کی بناء پر کی ہے۔

حق کی پہچان اور اس کو نافذ کرنے کے اعتبار سے لوگوں کی چار قسمیں ہیں۔

پہلی قسم سو فیصد حق کو سمجھنے والے اور سو فیصدی اس کو نافذ کرنے والے ہیں اور یہ حضرات انبیاء کرام کا طبقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام مخلوق میں سب سے اشرف وارفع اور معزز ہیں۔

دوسری قسم: اس کا عکس ہے یعنی دین کے معاملے میں انتہائی بے بصیرت اور حق کی تنفیذ میں انتہائی کمزور ہے۔ اکثر عوام کا طبقہ اسی قسم میں داخل ہے۔ اور یہ طبقہ معاشرت وروح کی پژمردگی، دل کی بیماری، معاملات میں بے ضابطگی کا باعث ہے۔

تیسری قسم: ان لوگوں کی ہے جو حق وباطل کی معرفت اور بصیرت کے حامل تو ہیں مگر حق کو اپنے اور دوسروں پر نافذ کرنے اور لوگوں کو حق کی طرف بلانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ یہ کمزور مومنین کا طبقہ ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کو قوی مومن پسند ہے۔

چوتھی قسم میں وہ لوگ ہیں جو قوت تنفیذ، ہمت وبصیرت تو نہیں رکھتے، البتہ تھوڑی بہت بصیرت کے حامل ہوتے ہیں، مگر اولیاء الرحمن اور اولیاء الشیطان میں

فرق نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہر کالی چیز کو کھجور، ہر سفید چیز کو چربی، ہر بھنی ہوئی کو گوشت اور زبردست مفید دوا کو زہر قاتل سمجھتے ہیں۔ یہ طبقہ بھی دینی مقتداء بننے کی اہلیت نہیں رکھتا ہے۔

دینی مقتداء بننے کا حقدار صرف اور صرف پہلا طبقہ ہی ہے جو کمال انسانی کے دونوں اصولوں سے مکمل متصف ہے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ اس آیت میں یوں ذکر فرماتے ہیں۔

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾

"صبر کرنے کی وجہ سے ہم نے ان میں سے مقتدا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے اور ہمارے آیات پر یقین کرتے تھے۔" (السجدہ ۲۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں: یہ لوگ صبر اور یقین ہی کی بدولت دینی پیشوائی کے مستحق ٹھہرے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے جملہ خاسرین سے مستثنیٰ قرار دیا اور زمانے کی قسم کھا کر فرمایا:

﴿وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾

(العصر ۳،۱)

مطلب یہ ہے۔ "حق کی معرفت اور اس پر ثابت قدم رہنے پر اکتفاء نہ کیا بلکہ ایک دوسرے کو حق کی وصیت اور حق کی طرف رہنمائی اور حق پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب کو بھی لازمی قرار دیا، اور مذکورہ صفات سے خالی لوگوں کو ناکام اور نامراد قرار دیا گیا۔"

یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ گناہ اور نافرمانیاں نورِ بصیرت کو ختم کردیتی ہیں۔ جب دل کی آنکھوں کی بینائی ختم ہو جاتی ہے تو کیا حق کا ادراک نہیں کر سکے گا اور جب قوتِ ارادی کمزور وضعیف ہو جائے تو حق پر ثابت قدم رہنا اور صبر کرنا دشوار ہوگا بلکہ یہ حالت مسلسل رہنے کی وجہ سے معاملہ الٹا بھی ہوگا۔ چنانچہ حق کو باطل، باطل کو حق، معروف کو منکر اور منکر کو معروف جانے گا۔ ہدایت اور صراطِ مستقیم پر چلنے کے بجائے ان لوگوں کے راستے پر چلنے لگے گا جو دنیاوی زندگی میں خوش اور اس میں مگن ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے غافل اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی امید کھو چکے ہیں۔ یہ سب کچھ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔

چنانچہ گناہوں کے اور نقصانات نہ بھی ہوتے صرف یہی ایک نقصان ان کو ترک کرنے اور ان سے کوسوں دور رہنے کیلئے کافی ہے۔ (واللہ المستعان)

(اگر گناہ انسان کو گھٹا ٹوپ اندھیریوں میں دھکیل دیتا ہے) تو طاعت وفرمانبرداری دل کو منور وتجلی، مصفی کردیتی ہے۔ یہاں تک کہ دل صفائی وستھرائی میں شیشے کی مانند ہو جاتا ہے اور نور سے بھر جاتا ہے۔ چنانچہ شیطان اگر اس کے قریب آنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ نور شہابِ ثاقب کی طرح اس کو لگتا ہے تو شیطان خوف زدہ ہوکر بھاگ نکلتا ہے۔ بلکہ وہ انسان شیطان کو بری طرح گراتا ہے۔ جس پر دوسرے شیاطین جمع ہوکر پوچھنے لگتے ہیں کہ تمہاری یہ حالت کیوں کر ہوئی؟ تو کہنے لگتا ہے کہ ایک انسان سے پالا پڑا تھا۔ اس نے میری یہ حالت کردی ہے۔

هذا نظرة من قلب حر منور يكاد لها شيطان بالنور يحرق

(ایک مومن کے دل کا نور ایسی چیز ہے کہ شیطان کو بھی جلا ڈالتا ہے)

ذرا غور کیجئے کیا اس مصفی تجلی والے دل کی وہ دل برابری کر سکتا ہے جو گھٹا ٹوپ اندھیروں اور مختلف خواہشات نفسانی کے اندر گھرا ہوا ہے اور جس کو شیطان نے

اپنا دل اس مشغلہ میں نہ لگائے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ تم ایسے شخص سے دوستی کرتے ہو جو دنیا و آخرت دونوں میں ناکام ہے؟

غریب من الدنیا وفی الحشر معدم   فأنت غریب فی سبیل مکانک

وان کنت فی دار الشقاء فانی   وأنت جمیعا فی شقاء وهون

"تم دنیا و آخرت میں تنہا مفلس ہو اور تو کل بروز حشر مصاحب ہے اگر تم جہنم میں داخل ہو جاؤ گے تو ہم لگتے اس میں ذلت و بدبختی کی زندگی گزاریں گے"

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ومن یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض له شیطانا فهو له قرین۔ وانهم لیصدونهم عن السبیل ویحسبون انهم مهتدون۔ حتی اذا جاءنا قال یا لیت بینی وبینک بعد المشرقین فبئس القرین۔ ولن ینفعکم الیوم اذ ظلمتم انکم فی العذاب مشترکون﴾ (زخرف ۳۶-۳۹)

مطلب یہ ہے: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جس نے ذکر حق قرآن کریم سے صرف نظر کیا اور اعراض کیا، اس میں تدبر کرکے اس کو سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی مراد کی معرفت حاصل کرنے سے روگردانی کی تو اللہ تعالیٰ سزا کے طور پر ایک شیطان کو اس پر مسلط کردے گا۔ یہ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے، ہر لحظہ ہر وقت اس کا ہمنشین ہوگا حتی کہ اس کا دوست اور اس کا ندیم مخلص بن جائے گا۔

رضیعا لبان ام تقا سما بأسحم داج عوض ، لاتتفرق

"ایک ہی ماں کا دودھ پینے والے بھائیوں نے قسم کھائی کہ وہ آئندہ کبھی بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔"

اس کے بعد اللہ فرماتے ہیں: کہ شیطان اپنے اس دوست، ساتھی و ہمنشین کو اللہ تعالیٰ اور جنت تک پہنچانے والے صراط مستقیم پر چلنے سے روک کر غلط راستے پر ڈالے گا اور وہ سمجھے گا کہ میں راہ ہدایت پر ہوں اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا یہاں تک روز قیامت آئے گا۔

دونوں ہمنشین آمنے سامنے ہوکر ایک دوسرے سے کہیں گے۔ کاش کے ہمارے درمیان مشرق ومغرب کی دوری سے بھی زیادہ دوری ہوتی۔ تو دنیا میں میرا بدترین ساتھی ومصاحب تھا۔ تم نے ہی مجھ کو راہ حق سے ہٹا کر گمراہ کردیا اور اغواء کر کے ہلاکت میں ڈالا۔ اور آج بھی تم میرے بدترین ہم نشین ہو۔

جب انسان کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اس مصیبت میں شریک ہوتے ہیں۔ تو ایک گونہ تکلیف میں تخفیف اور کچھ تسلی سی ہوتی ہے کہ میں اکیلے اس مصیبت میں مبتلا نہیں ہوں بلکہ دوسرے لوگ بھی شریک ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ قیامت کے دن ان لوگوں کے لئے ذرا برابر بھی تخفیف وتسلی نہیں ہوگی حالانکہ دنیا میں مصیبت اگر عام ہوجائے تو سب لوگوں کے شریک ہونے کی وجہ سے تکلیف میں کچھ کمی محسوس ہوتی ہے۔ ان لوگوں کو اتنی بھی آسانی میسر نہیں آسکتی جیسے کہ خنسا اپنے بھائی صخر کے بارے کہتی ہے۔

فلولا كثرت الباكين حولي على اخوانهم لقتلت نفسي

وما يبكون مثل اخي ولكن اعز النفس عنه بالتاسي

"اگر میرے آس پاس اپنے اپنے بھائیوں پر رونے والوں کی

حسرت نہ ہوتی تو میں خودکشی کرتی حالانکہ وہ میرے بھائی کی
طرح عظیم مصیبتوں کیلئے مجھے رو رہے ہیں مگر پھر بھی اس سے
انس کو کچھ تسلی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں سے اس ذرا سی تسلی کو بھی چھین کر اعلان کیا:

﴿وَلَن يَنفَعَكُمُ الْيَوْمَ إِذ ظَّلَمْتُمْ أَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ﴾ (الزخرف ۳۹)

ترجمہ "اور آج تمہیں وہ ہرگز نفع نہیں دے گا جب تم نے ظلم کیا تم عذاب میں شریک ہو۔

فصل

گناہ زبردست دشمن بھی ہے:

گناہ کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ وہ انسان کے دشمن (شیطان) کیلئے طاقت و مدد افزائی کے وقت میں دشمن فوج کو تازہ دم کرنے اور کمک پہنچانے کا کام کرتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک ایسے دشمن کے ساتھ مبتلا کیا ہے کہ جو پلک جھپکنے کی مقدار بھی اس سے جدا نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی اس سے غافل ہے۔ وہ اپنے سارے لشکر کے ساتھ انسان کو دیکھتا ہے مگر انسان اسے نہیں دیکھ پاتا۔ اپنا سارا زور ہر وقت ہر آن اس کی دشمنی میں صرف کرتا ہے۔ اس کے خلاف سازش کرنے اور اس کے پیچھے میں کوئی بھی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا۔

اس سلسلے میں جن اور انس شیطانوں سے مدد بھی لیتا ہے۔ اس نے بے خبری میں بند کرنے کے لئے مختلف قسم کے پھندے تیار کر رکھے ہیں۔

اس کے آس پاس کانٹے اور جال بچھا رکھے ہیں، اور اس نے اپنے

کارندوں سے کہہ رکھا ہے کہ تمہارا اور تمہارے باپ کا یہ دشمن تم سے بچ نکلنے نہ پائے۔ یہ نہ ہو کہ وہ جنت میں جا کر مزے کرے اور تمہارا ٹھکانہ جہنم ہو۔ اس کے حصے میں رحمت آئے اور تم لعنت کے مستحق ہو جاؤ۔ تم یہ خوب جانتے ہو کہ میری اور تمہاری یہ ذلت، رحمت الٰہی سے دوری اور ملعون ہونا اسی انسان ہی کے سبب سے ہے۔ تو بھی انسان کو اپنے ساتھ اس ذلت و معصیت میں شریک کرنے کیلئے بھرپور کوشش کر۔ ہم اس کی وجہ سے جنت سے محروم کر دیئے گئے ہیں تو یہ بھی جنت میں نہ جانے پائے۔

تو دیکھئے! کہ اللہ تعالیٰ نے اس دشمن اور اس کی تمام کارستانیوں اور سازشوں اور طریقہ واردات سے ہمیں باخبر کیا ہے اور اس کے ساتھ سخت دشمنی کرنے اور اس کے ساتھ مقابلہ کرنے کا بھی ہمیں حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آدم اور اس کی اولاد کو اس دشمن کے ذریعہ آزمائش میں ڈالا گیا اور اس دشمن کو ان پر مسلط کر کے اس کے مقابلے کیلئے فوج اور لشکر بھی فراہم کیا گیا ہے، اور ان کے دشمن کو لاؤ لشکر سے لیس کر کے اس مختصر عمر (جو آخرت کے مقابلے میں ایک سانس کے برابر بھی نہیں) میں جہاد کا بازار گرم کرنے کے لئے کہا، اور مؤمنین سے جنت کے بدلے ان کی جانیں خرید لیں، جو اللہ کے راستے میں مریں گے اور ماریں گے، اور یہ بھی بتا دیا کہ آسمانی کتابوں توراۃ، انجیل اور قرآن میں اس وعدے کا پکا اور سچا ہونا مذکور ہے، اور یہ بھی بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر وعدہ پورا کرنے والا کوئی نہیں۔ پھر اس معاہدے سے خوش ہونے کا حکم دیا۔ جو بھی اس معاہدے کی قدر جاننا چاہے تو اسے چاہئے کہ وہ غور و فکر کرے کہ کس کے ہاتھوں اپنی جان فروخت کر رہا ہے اور یہ بھی سوچ لے اس جان کے بدلے کیا چیز اسے مل رہی ہے۔ اور یہ بھی دیکھے کہ معاہدہ کس کے ہاتھوں اور کس کے سامنے ہو رہا ہے۔ بتائیے اس عظیم معاہدے سے بڑھ کر اور کوئی بڑی کامیابی ہو سکتی ہے؟ اور اس تجارت سے

دوسرا حاضر ہوتا ہے۔ یہ اعمال صالحہ پر انسان کو مضبوط کرتے ہیں۔ بھلائی وخیر کا حکم دیتے ہیں اور نیکی کی ترغیب اور نیکی پر برقرار رہنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں بس ایک لمحے کی تکلیف پر صبر کر کے ہمیشہ کی راحت حاصل کرو۔

اس کے علاوہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی وحی اور کلام کے ذریعے اس کو تقویت بخشی۔ اپنے رسول کو کتاب عطا کیا پھر اس کے پاس مبعوث فرما کر مزید قوت عطا فرما کر اس کی بھرپور امداد کی۔ پھر عقل کو اس کیلئے وزیر و مددگار، معرفت کو خیر خواہ مشیر، ایمان کو کیے گئے وعدوں کا مؤید و معاون اور یقین کو امور کے حقائق کیلئے کاشف بنایا۔ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنی جماعت کو دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیتے ہیں اور عقل اس کی فوج کے معاملات کی تدبیر کرتی ہے۔ یہ معرفت امور حرب و اسباب جنگ کی تیاری اور اس کے لئے مناسب جگہ کا تعین کرتی ہے۔ ایمان کے ذریعے وہ اس جنگ میں ثابت قدم، مضبوط اور صابر ہوتا ہے اور یقین، دشمن پر حملہ کرنے اور اقدام کرنے کا حوصلہ عطا کرتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی لڑائی کرنے والے کو ظاہری و باطنی قوتوں سے مالا مال فرما کر بھی مدد کی چنانچہ ان کو اس فوج کا ہر اول دستہ بنایا اور کان کو خبر پہنچانے والا، زبان کو ترجمان اور ہاتھ پاؤں کو معین و مددگار بنایا، حاملین عرش اور عام فرشتوں کو اس کے لئے استغفار کرنے کو کہا چنانچہ فرشتے استغفار کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے دخول جنت اور برائیوں سے بچنے کی دعائیں بھی کرتے ہیں۔

اس کی طرف سے دفاع کرنے کا اللہ تعالیٰ نے خود ذمہ لیا اور فرمایا ھؤلاء حزبی یہی لوگ میری جماعت ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی کامیاب ہوگی۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (المجادلہ ۲۲)

"یہی لوگ میری فوج ہے، اور غلبہ میری فوج ہی کو ہوگا۔"

اور فرمایا

﴿وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ﴾ (الصٰفٰت ۱۷۳)

"اور میری فوج ہی کامیاب ہوگی۔"

اللہ تعالیٰ اس جہاد کا طریقہ اور اس کی کیفیت بھی بتادی، جس کو ان چار الفاظ میں جمع فرمایا، چنانچہ فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (آل عمران ۲۰۰)

ان چار اصولوں (صبر، مصابرہ، مرابطہ اور تقویٰ) پر عمل کے بغیر دشمن پر مکمل کامیابی نہیں ہوسکتی، چنانچہ صبر، مصابرہ کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ مصابرہ کہتے ہیں دشمن کے سامنے ڈٹ جانے کو، جب دشمن کے سامنے سینہ سپر ہوکر ڈٹ جائے تو ایک اور چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ ہے مرابطہ، نیز مرابطہ کہتے ہیں دل کی سرحد کو لازم پکڑنا اور اس کی حفاظت کرنا تاکہ دشمن (شیطان) اس میں داخل نہ ہونے پائے۔ اسی طرح آنکھ، کان، زبان، پیٹ، ہاتھ اور پیر کی سرحدات کی حفاظت بھی مرابطے میں داخل ہیں، یہی وہ راستے ہیں جہاں سے دشمن اندر داخل ہوکر فساد مچاتا ہے۔

انہی سرحدوں کی حفاظت اور نگہداشت کا نام مرابطہ ہے۔

ذرا غور فرمائیں۔ حضرات صحابہ کرام، انبیاء کرام و مرسلین کے بعد تمام مخلوقات سے افضل ترین لوگ یہی ہیں۔ اور شیطان کے داؤ پیچ اور سازشوں سے سب سے زیادہ واقف تھے اس کے باوجود اس جگہ سے ہٹ گئے جہاں سے نہ ہٹنے کا

انہیں حکم دیا گیا تھا۔ جس کے سبب سے جو کچھ ہوا وہ آپ کے سامنے ہے۔ ان تینوں (صبر، مصابرہ، مرابطہ) کا مدار تقویٰ وللّٰہیت پر ہے، چنانچہ صبر، مصابرہ اور مرابطہ بغیر تقویٰ کے بے سود ہیں، اور تقویٰ کا حصول صبر کے بغیر ممکن نہیں۔

دو لشکروں کا تصادم:

اپنے اندر دو لشکروں کے تصادم وٹکراؤ پر ذرا غور کیجئے کے کس طرح یکے بعد دیگرے ایک دوسرے پر غلبہ پاتے ہیں؟ ہوتا یوں ہے کہ دنیا کے سازش کا بادشاہ (شیطان) اپنے تمام لاؤ لشکر کے ساتھ انسانی دل پر اپنا تسلط جمانے کیلئے متوجہ ہوا تو دل کو اپنے قلعے میں کرسی مملکت پر براجمان پایا جو اپنا حکم نافذ کررہا تھا اور اپنی فوج کے مضبوط حصار میں موجود تھا جو اس کی طرف بڑھنے والے دشمن کے ساتھ قتل وقتال میں مصروف ہے۔ تو مضبوط حصار، مددومعاون فوج کی کثرت کے سبب دل پر تسلط جمانا اس کے محافظین میں سے کسی ایک کو مدہوش وکمزور کئے بغیر ممکن نہ ہوا تو شیطان نے دل کے کسی ایسے خاص مددومعاون جو شیطان کیلئے بھی نرم گوشہ رکھتا ہو کے بارے دریافت کیا۔ تو اسے بتایا گیا تو وہ نفس ہی ہوسکتا ہے۔ تو اس نے اپنے کارندوں سے کہا کہ نفس کے مطلوب کے راستے اس کے اندر داخل ہونے کی کوشش کرو۔ اس کی محبوب چیزوں اور محبت کے مواقع کو معلوم کرکے اس کیلئے مہیا کرو۔ حصول محبوب کی امید دلاؤ خواب اور بیداری ہر حالت میں محبوب کی صورت اسے دکھا کر نشے میں مست کردو۔ جب وہ اس میں مست ہوجائے تو خواہشات کے درندوں اور اس کے اغواء کاروں کو اس پر چھوڑ دو۔ پھر انہی کے وساطت سے اس کو اپنی طرف کھینچتے رہو۔ جب نفس مدہوش ہوکر دل کا ساتھ دینے کی بجائے تمہارے ساتھ دینے لگے تو سمجھو ہاتھ، پیر، منہ، زبان، کان اور آنکھ کی سرحدوں پر تمہارا قبضہ ہوگیا۔ تو ان سرحدوں پر اپنا قبضہ خوب مضبوط کرو۔ جب تم ان سرحدوں کی راہ سے دل میں داخل

نیز وہ حسن ظاہر پر نظر تمہیں خالق کی تسبیح اور اس کی تخلیق میں غور و فکر کی طرف دعوت دیتی ہے۔ ان صورتوں کو اللہ تعالیٰ نے دیکھنے کیلئے پیدا کیا ہے۔ ان آنکھوں کو بیکار پیدا نہیں کیا ہے، اور نہ ان صورتوں کو آنکھوں سے چھپانے کیلئے تخلیق کیا ہے۔ اگر کسی کم علم اور فاسد العقل پر تمہارا قبضہ ہو جائے تو اس سے کہو: یہ صورتیں حق تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے مقامات ہیں تو اس کی طرف اس کا میلان ہو تو اسے وحدۃ الوجود کی طرف دعوت دو۔ اگر اسے قبول کرنے سے پس وپیش سے کام لے تو حلول کی طرف بلاؤ۔ تاکہ وہ اس کی طرف آکر عیسائیوں کی طرح عقائد رکھے۔ اس کے بعد اسے عفت، صیانت، عبادت، دنیا سے بے رغبتی کی طرف لانے کی کوشش کرو۔ اسی شخص کے ذریعے جاہلوں کا خوب شکار کرو۔ جو اس طرح کام کریگا وہ تیرا سب سے بڑا جانشین اور میری فوج کا سپہ سالار اعظم ہوگا جبکہ میں بھی اس کی فوج کا ایک ادنیٰ سپاہی ہوں گا۔

کان کی سرحد:

اس بات کا خاص خیال رکھو کہ کہیں کان کی راہ سے تمہارے کام میں بگاڑ پیدا کرنے والی کوئی بات اس کے دل کے اندر داخل نہ ہو جائے، اور خاص طور پر اس بات کی طرف توجہ مبذول کرو کہ کان کے اندر باطل اور غلط باتوں کے علاوہ کوئی اور بات نہ جانے پائے۔ کیوں کہ باطل چیزیں نفس کیلئے مرغوب ہوتی ہیں۔ اس کیلئے شیریں الفاظ تلاش کرو جو اس کو رام کر دیں، اور نفس کی پسندیدہ چیزوں کی اس میں آمیزش کرو۔ اس کے ساتھ اس کی دلچسپی اگر بڑھ جائے اور شبہات پیدا ہو جائے، تو اس جیسی مزید غفلت میں مبتلا کرنے والی باتیں اسے سناؤ۔ اگر اس کے اندر کسی اور چیز کو اچھا سمجھنے کا داعیہ پیدا ہو تو اس کو دوسری طرف متوجہ کرکے زائل کردو۔

اور اس پر نظر رکھو کہ کانوں کی راہ کلام اللہ، حدیث رسول اللہ یا ہمدردی کوئی

نصیحت اکتا نہ جائے۔ اگر تمہاری کوشش و محنت کے باوجود مذکورہ صفت میں سے کوئی بات اندر داخل ہو بھی جائے تو اس پر غور کرنے اور سمجھنے کی راہیں مسدود کر دو۔ اس کو بڑھا چڑھا کر طبیعت پر بڑا بوجھ بنا کر پیش کرو تا کہ وہ اس پر عمل نہ کر سکے اور یہ کہو کہ یہ کام کرنے کا نہیں ہے، کام وہ کرو جو لوگوں کے ہاں مرغوب اور قابل تحسین ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تم باطل کو ہر اس صورت میں اس کے اندر داخل کرو جو اس کے لئے قابل قبول ہو اور آسان و سہل ہو اور حق کو اس سے نکالنے کا ہر وہ طریقہ اختیار کرو جو اس کے لئے حق کو ناپسند کرنے میں مدد و معاون ہو۔ تو یہ ہیں جنس شیاطین کے ورغلانے اور حق سے دور کرنے کے طریقہ ہائے واردات۔ اگر آپ اس بات کو مزید سمجھنا چاہتے ہیں تو ان کے بھائی انسانی شیاطین کے انداز فساد کو گہری نظر سے دیکھو کہ وہ انسان کو فضولیات اور لوگوں کی غلطیوں کے پیچھے ڈال کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کس طرح نکالتے ہیں؟ اور کس طرح لوگوں کے اندر فتنے برپا کر دیتے ہیں؟ اور لوگوں کو حق پر عمل کرنے سے نکال لیتے ہیں؟ اور اللہ تعالیٰ کیلئے جسم و جہت ثابت کر کے اللہ تعالیٰ کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ عقائد سے کس طرح اسے خارج کرتے ہیں؟!

مخلوقات پر اللہ تعالیٰ کے علو اور استواء علی العرش کو تحیز (فرو کش ہونے) کا نام دیتے ہیں اور آسمان دنیا پر اللہ کے نزول کو حرکت و انتقال سے تعبیر کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں ید اللہ، وجہ اللہ، جیسے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کے لئے اعضاء وجوارح ثابت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے افعال کو حادث اور آپ کی صفات کو اعراض کہتے ہیں۔ پھر ان امور کی نفی کو اللہ تعالیٰ کی عمدہ صفات کے ساتھ جوڑ لگا کر کمزور بصیرت والے ناتجربہ کار، جاہل قسم کے لوگوں کو وہم میں ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث نے اللہ تعالیٰ کے لئے جو صفات بیان کی ہیں وہ ان امور کو مستلزم ہیں اور اس غلط نظریے کو تنزیہ اور تعظیم کے خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ پیش کرتے

ہیں۔ چونکہ اکثر لوگ جاہل ہیں جو ظاہری الفاظ کو قبول کرتے ہیں اسی لئے انسانی اور جناتی شیاطین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا﴾ (الانعام: ١١٢)

''اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے کچھ آدمی اور کچھ جن، جن میں سے بعضے دوسرے بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے''۔

باطل کو زخرف سے تعبیر کیا گیا اس لئے کہ وہ باطل کو جمع کرکے اور خوبصورت انداز سے پیش کرکے سننے والے کو دھوکے میں ڈال دیتا ہے۔

خلاصہ کلام:

یہ ہے کہ شیطان نے اس بات کو اپنے لئے لازم کیا ہے کہ کان کے ذریعے (ایمانی زندگی کیلئے) ضرر رساں چیز اندر داخل کرے اور نفع بخش فائدے کی بات ہرگز اندر داخل نہ ہونے دے۔

اور ہر نافع چیز کو کان تک پہنچنے سے بھرپور انداز سے روکے اگر کوئی بات کسی کے کان تک پہنچ بھی جائے تو اس کی افادیت کو برباد کرکے رکھ دے۔

زبان کی سرحد:

زبان کے بارے میں اپنے کارندوں سے شیطان یہی کہتا ہے کہ اس سرحد کی بڑی اہمیت ہے۔ بادشاہ (قلب) تک پہنچنے کا سب پہلا راستہ یہی ہے۔ لہٰذا زبان پر نقصان دہ اور غیر ضروری کلام جاری کرو اور ذکر اللہ، استغفار، تلاوت کلام

کی زبانی باطل کہلواؤ اور دوسرے کو سنواؤ اور پھر اس تعریف و تحسین کے انداز کا مطالبہ کرو۔ انسان کو بہکانے کا ہر حربہ استعمال کرو اور کوئی موقع بھی ضائع نہ کرو، بلکہ تاک میں رہو کہ کہیں صحیح کام نہ کر سکے۔ کیا تم نے میری اس قسم کو نہیں سنا جو میں نے ان کے رب کے سامنے کھائی تھی۔ میں نے کہا تھا:

﴿فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ﴾ (الاعراف ۱۶، ۱۷)

"پھر جب اس نے کہا کہ آپ نے مجھ کو گمراہ کیا ہے میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا پھر ان پر حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے اور ان کی دائیں جانب سے اور ان کی بائیں جانب سے بھی اور آپ ان میں سے اکثر کو احسان ماننے والا نہ پائیے گا۔"

کیا تم مجھے نہیں دیکھتے؟ کہ میں انسان کو بہکانے کی کوئی راہ نہیں چھوڑتا بلکہ تمام راہوں میں بہکاتا رہتا ہوں، وہ مجھ سے بچ نہیں نکل سکتا۔

اسی کے متعلق ان کے پیغمبر نے انہیں ڈرایا ہے اور فرمایا ہے:

﴿إن الشيطان قد قعد لابن آدم بطرقه كلها، وقد قعد له بطريق الإسلام فقال: أتسلم وتذر دينك ودين آبائك؟ فخالفه وأسلم، فقعد له بطريق الهجرة فقال: أتهاجر وتذر أرضك وسماءك؟ فخالفه وهاجر فقعد له بطريق الجهاد، فقال: تجاهد فتقتل فيقسم المال وتنكح زوجتك﴾

"(اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے) تمام راہوں میں شیطان بیٹھا ہوا ہے چنانچہ اگر کوئی اسلام لانا چاہتا ہے تو اسے کہتا ہے تم اپنے آباء

واجداد کے دین کو چھوڑ کر اسلام لاتے ہو؟ اگر وہ اس کی مخالفت کرکے مسلمان ہو ہی جاتا ہے تو اللہ کے راستے ہجرت سے روکنے کیلئے کہتا ہے۔ اپنی زمین و آسمان کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ اگر کوئی شخص اس میں بھی اس کی مخالفت کرکے ہجرت کر لیتا ہے تو جہاد کی راہ میں رکاوٹ بن کر کہتا ہے۔ تم جہاد کرو گے تو تم قتل ہو جاؤ گے۔ بلکہ تمہارا مال دوسروں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ تمہاری بیوی سے کوئی اور نکاح کریگا۔"

اسی طرح تم انسان کو راہِ حق سے ہٹانے کیلئے تمام راستوں میں بیٹھ جاؤ۔ اگر کوئی صدقہ کرنے کا ارادہ کرے تو صدقے کے راستے سے آکر اس کے نفس کو ڈراؤ کہ تم اگر اپنا مال خرچ کرو گے تو فقیر و محتاج بن جاؤ گے۔ آخر کار دوسروں سے مانگنے کی نوبت آئے گی، کیا تم نے نہیں سنا؟ کہ ایک شخص نے ایک انسان سے صدقہ مانگا تو میں نے اس انسان کی زبانی یہ کہلوایا کہ یہ مال ہمارا ہے اگر میں اس کو تمہیں دوں تو میں بھی تم جیسا محتاج و فقیر ہو جاؤں گا۔ اور حج کی راہ میں رکاوٹ بنو اور اس سے کہو کہ حج کا راستہ خوفناک اور پر مشقت ہے۔ حج کیلئے جانا اپنی جان و مال کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اسی طرح خیر کی تمام راہوں سے اسے ڈرا دھمکا کر مشکلات و آفات کو یاد دلا دلا کر متنفر کرو۔ بھلائی کی تمام راہیں مسدود کرنے کے بعد گناہوں کو مزین و خوبصورت کرکے انسان کی آنکھوں کے سامنے لاؤ۔ اور ان گناہوں کو ان کے دلوں میں جاگزیں کرو۔ اس کو سرانجام دینے کیلئے تم عورتوں سے بھرپور مدد لے سکتے ہو عورتوں ہی کے ذریعے ان کے دلوں میں داخل ہو جاؤ۔ یہ عورتیں تمہاری بہترین مددگار ثابت ہوں گی۔

اس کے بعد ہاتھ پیر کی سرحدوں کی نگرانی کرو، کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہاتھوں اور پیروں سے نیک عمل کرکے تمہیں نقصان پہنچا دیں۔

نفس امارہ کا کردار:

یقین ہوئے کہ ان تمام مرحلات کو مکمل کنٹرول کرنے کے لئے نفس امارہ کی سلطنتیں تمہاری بہترین مددگار ثابت ہوں گی۔

لہٰذا نفس امارہ کو قبول کرکے اس کو استعمال کرو۔ نفس مطمئنہ کے ساتھ جنگ میں نفس امارہ سے خوب کام لو۔ نفس مطمئنہ کی قوت کو توڑنے اور ختم کرنے میں انتہائی محنت کرو کیونکہ اس کی قوت کو ختم کئے بغیر اس پر قابو نہیں پایا جا سکتا۔ جب اس کی طاقت ختم ہو جائے گی اور نفس امارہ کی قوت مضبوط ہو جائے گی تو اس کے کارندے تمہارے تابع ہوں گے۔ تو اس وقت بادشاہ (دل) کو اس کے قلعے سے نکال کر اسے بادشاہت سے معزول کردو اور اعضاء کی حکمرانی نفس امارہ کے سپرد کردو، وہ تمہاری خواہش ومنشاء کے مطابق فیصلہ کریگا تمہارے ناپسند کے فیصلے نہیں کریگا۔ بلکہ تمہارے اشارے کا منتظر ہوگا۔ تمہاری طرف سے جو بھی اشارہ ہوگا وہ کر گذریگا۔

دل اپنی مملکت کو حاصل کرنے کی اگر کوشش کرے تو دل اور نفس کے درمیان نکاح کا معاہدہ کرکے نفس امارہ کو خوب صورت بنا کر اس کے سامنے لا کر پیش کرو۔ نفس کو بہترین دلہن کی صورت میں اس کو دکھا کر مجبور کر، دلہن کے وصال کا مزہ خوب چکھاؤ جس طرح کہ تو نے نفس کے ساتھ جنگ کی کڑواہٹ وتلخی چکھی تھی۔ پھر نفس امارہ کے ساتھ تعلق کی لذت اور اس کے ساتھ جدائی کی تلخی کا موازنہ کرو اور لڑائی جھگڑے کو ترک کردو۔

شیطان اپنے کارندوں سے یہ بھی کہتا ہے کہ اے میری اولاد! دو عظیم فوجوں سے مدد حاصل کرو۔ ان کی مدد کے بغیر انسانی قلب پر تمہارا تسلط مکمل نہیں ہو سکے گا۔ ان میں سے پہلا لشکر، لشکر غفلت ہے۔ لہٰذا ابن آدم کے دلوں کو اللہ تعالیٰ

اور خواہشات سے مخمور ہونے کے وقت سے مجھ پورا فائدہ اٹھاؤ۔ بہر حال انسان کو اپنے دام میں پھنسانے کے یہی دو (غضب اور شہوت) عظیم ہتھیار ہیں۔

خوب جان لو کہ بعض انسانوں میں قوت غضب کے مقابلے میں قوت شہوت غالب ہوتی ہے، تو ان کو شہوت کے ذریعے پکڑو، اور غضب کی طرف کم توجہ دو۔ اور بعض کے اندر قوت غضب غالب ہوتی ہے تو غضب کی طرف توجہ کے ساتھ قوت شہوت سے بھی اس کے دل کو خالی نہ ہونے دو اور اس پر حدی خاص طور پر نگرانی کرنے سے غافل مت ہو جاؤ۔ انسان جب غصے کے وقت خود پر قابو نہ پا سکا تو شہوت کے وقت بالکل بھی اپنے نفس پر قدرت نہ رکھ سکے گا۔ غصے اور شہوت کو آپس میں متعلق کرا دو بلکہ ایک کو دوسرے میں ضم کر دو۔

انسان کو شہوت میں مبتلا کرنے کیلئے غضب سے کام لو اور غضب میں ڈالنے کیلئے شہوت کو استعمال کرو۔ خوب سمجھ لو کہ ابن آدم کے اندر سے تمہیں ملنے والے یہ دو بہترین ہتھیار ہیں۔ اسی خواہش ہی کی مدد سے میں نے ان کے ماں باپ (آدم وحوا) کو جنت سے نکالا۔ غصہ ہی تو ہے کہ جس کے ذریعے میں نے بنی آدم کے اندر دشمنیاں ڈال دیں۔ غصہ ہی کے ذریعے ان کے درمیان دراڑیں ڈال دیں۔ اسی غضب کے ہتھیار کو استعمال کرتے ہوئے میں نے ان میں خون ریزی کا بازار گرم کیا۔ غصہ ہی کی وجہ سے آدم کے ایک بیٹے نے دوسرے بیٹے کو قتل کیا۔

یہ بھی خوب جان لو کہ غصہ قلب انسانی میں چنگاری کا اور شہوت اس کو بھڑکانے کا کام کرتی ہے اور دیکھو کہ غصے کی آگ، وضو، نماز، ذکر اور تکبیر سے بجھ جاتی ہے۔ خبردار! غصہ کے وقت انسان وضو، نماز اور ذکر کی طرف متوجہ نہ ہونے پائے۔ اگر ان چیزوں کی طرف متوجہ ہوا تو غصہ کا ہتھیار تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ ان کے نبی نے غضب کے وقت انہیں وضو کا حکم دیا ہے

﴿إن الغضب جمرة في قلب ابن آدم أما رأيتم﴾

ومشقت کر کے بڑا فخر یہ خیال کرتا ہے کہ اس نے اپنی عزت نفس کو برقرار رکھا ہے۔ نفس کو اس کے عظیم و رفیع حظ سے محروم کر کے سمجھتا ہے کہ اس نے اپنے حق کے حصول کیلئے جدوجہد کرنے کی سعی کی ہے اور اپنے نفس کی تحقیر و تذلیل کر کے اسے چھوڑ دیا کرتا ہے۔

کسی بزرگ کا ارشاد ہے بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ اپنے نفس کی توہین کر کے سمجھتے ہیں کہ اس کی تکریم کی ہے۔ اور نفس کو ذلت میں ڈال کر خیال کرتے ہیں اس کو عزت دی۔ اس کو ضائع کر کے گمان کرتے ہیں کہ اس کی حفاظت کا انتظام کیا ہے۔ انسان کے جاہل ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ اپنے نفس کے خلاف اپنے دشمن کا ساتھ دے۔ اور اپنے نفس کے خلاف وہ کام کرے جو دشمن بھی نہ کر سکے۔

فصل

گناہ خود سے غفلت کا بھی سبب ہے:

گناہ کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ وہ انسان سے اس کے نفس کو بھلا دیتا ہے۔ جب انسان اپنے نفس ہی کو بھول جائے تو اس سے غافل ہو کر اس کو خراب کر کے ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔

سوال:

اگر سوال یہ ہو کہ انسان اپنے آپ کو کیسے بھول سکتا ہے؟ اگر خود کو بھول جائے تو کونسی چیز اس کو یاد رہے گی؟ اور خود کو بھول جانے کا کیا مطلب ہے؟

جواب:

ہاں انسان خود کو بہت زیادہ بھول جاتا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ أُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (الحشر ۱۹)

"اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے بے پروائی کی سو اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو بے پرواہ بنا دیا۔ یہی لوگ فاسق ہیں۔"

بات اصل میں یہ ہے کہ انسان جب اپنے رب کو بھول جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو بھلا دیتے ہیں، بلکہ اس کے نفس سے بھی اس کو غافل کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

﴿نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ﴾ (التوبہ ۶۷)

جو شخص خدا کو بھول جاتا ہے تو نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ بھی اس کو بھول جاتے ہیں بلکہ خود اس کو بھی نفس سے غافل کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کو بھلانا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بے توجہی فرما کر اپنی مدد کا ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ جس سے اس کی ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے۔ اور خود اپنے نفس کو بھول جانے کا مطلب نفس کا اپنے عظیم الشان حصہ سعادتمندی یا فلاح وصلاح سے غافل ہونا ہے یا اپنے کمال کے تمام اسباب سے یکسر غافل ہو جاتا ہے۔ حتیٰ ان چیزوں کا تذکرہ تک دل میں نہیں رہتا۔

اسی وجہ سے نفس اپنے عیوب اور آفات ونقصانات سے بالکل بے خبر رہتا ہے۔ اسی لئے نفس میں ان عیوب کو زائل کرنے کا احساس تک ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنے دل کے امراض اور ان کی تکالیف سے قطعاً بے حس ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دل کی ان بیماریوں کے علاج کا احساس تک بھی اس کے دل میں نہیں گذرتا جو اس کی خرابی اور ہلاکت کا باعث ہیں۔

غفلت کے اس مرض میں عام دیندار بھی مبتلا ہیں۔ اور یہ گناہوں کی سب سے بڑی سزا ہے۔ اپنے نفس سے بے توجہی برت کر اس کو ضائع کرنے سے اور اس

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا فِيمَ أَنتَ مِن ذِكْرَاهَا إِلَىٰ رَبِّكَ مُنتَهَاهَا إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرُ مَن يَخْشَاهَا كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا﴾

(النازعات ۴۲، ۴۶)

"یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق ہے؟ اس کا مدار صرف آپ کے رب کی طرف ہے آپ تو صرف ایسے شخص کے ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہو، جس روز یہ اس کو دیکھیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا صرف ایک دن کی آخری حصہ میں۔

اور ایک جگہ ارشاد ہے۔

﴿كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّن نَّهَارٍ بَلَاغٌ﴾ (الاحقاف ۳۵)

"جس روز یہ لوگ اس چیز کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو گویا یہ لوگ دن بھر میں ایک گھڑی رہے ہیں۔ یہ پہنچا دینا ہے۔"

ایک اور مقام میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَاسْأَلِ الْعَادِّينَ قَالَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (المومنون ۱۱۲، ۱۱۴)

"تم برسوں کے شمار سے کس قدر مدت زمین پر رہے

ہوگے؟ وہ جواب دیں گے ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہے ہوں گے سو گننے والوں سے پوچھ لیجئے۔ ارشاد ہوگا کہ تم تھوڑی ہی مدت رہے کیا خوب ہوتا تم سمجھے ہوتے۔"

﴿وقال تعالیٰ: یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ زُرْقًا یَتَخَافَتُوْنَ بَیْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ اِذْ یَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِیْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا﴾ (طٰہٰ ۱۰۲-۱۰۴)

"جس روز صور میں پھونک ماری جائے گی اور ہم اس روز مجرم لوگوں کو اس حالت سے جمع کریں گے کہ کرنجے ہوں گے۔ چپکے چپکے آپس میں باتیں کرتے ہوں گے کہ تم لوگ صرف دس روز رہے ہوگے جس کی نسبت وہ بات چیت کریں گے اس کو ہم خوب جانتے ہیں جبکہ ان سب میں کا زیادہ صاحب الرائے کا یوں کہنا ہوگا کہ نہیں کہ تم تو ایک ہی روز رہے ہو۔"

روز قیامت دنیا کی یہی حقیقت سامنے آ جائے گی اور دنیا کی زندگی کی قلت اور دنیا کے گھر کے علاوہ دوسرے ہمیشہ برقرار رہنے والے گھر کے بارے میں معلوم ہوگا تو اس غبن کا بھی علم ہوگا۔ جو لوگ آخرت کی ابدی زندگی پر دنیا کی بے ثبات زندگی کو ترجیح دے چکے ہوں گے تو اس وقت ان کی اس تجارت میں نقص ان پر ظاہر ہوگا۔

اس دنیا میں ہر انسان تاجر ہے اور خرید و فروخت میں مصروف ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (التوبہ ۱۱۱)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔ جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں۔ اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے۔ توریت میں اور انجیل میں اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے تو تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے معاملہ ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

"یہ اس تجارت کا پہلا نقد ثمن ہے۔ لہٰذا اس تجارت کی طرف آجاؤ اور اگر اس ثمن پر قدرت نہیں تو اس کے علاوہ بھی ثمن موجود ہے جو یہ ہے۔"

﴿التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (التوبہ ۱۱۲)

"وہ ایسے ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع اور سجدہ کرنے والے، نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدوں کا خیال رکھنے والے، اور ایسے مومنین کو

کو میل دور چلا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے

اذا كذب العبد تباعد عنه الملك ميلا من نتن

ترجمہ:

”انسان جب جھوٹ بولتا ہے تو اس کی بدبو کی وجہ سے فرشتہ اس
سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔“

اندازہ کیجئے کہ جب صرف ایک جھوٹ بولنے کی وجہ سے فرشتہ اتنا دور چلا جاتا ہے تو اس سے بڑھ کر گناہ کرنے اور مسلسل کرنے سے اس سے کتنا بعید ہوگا؟ کسی بزرگ کا قول ہے۔ جب صبح ہوتی ہے تو فرشتہ اور شیطان ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انسان اللہ کو ذکر، الحمد للہ، اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ سے کرتا ہے تو شیطان اس سے دور اور فرشتہ اس کے قریب ہوتا ہے۔ اگر انسان صبح کی ابتداء ذکر اللہ کے بغیر کرے تو شیطان اس پر قبضہ کر لیتا ہے اور فرشتہ دور ہو جاتا ہے۔

رفتہ رفتہ فرشتہ اتنا قریب جاتا ہے کہ انسان پر پھر اس کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ ساری زندگی فرشتہ اس کے ساتھ رہتا ہے۔ یہاں تک موت اور پھر روز قیامت تک ساتھ رہتا ہے۔ جیسا کہ فرمان خداوندی ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ
الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي
كُنْتُمْ تُوعَدُونَ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي
الْآخِرَةِ﴾ (حم السجدہ: ۳۰، ۳۱)

”بے شک جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر قائم
رہے ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ تم خوف نہ کرو اور غم نہ کرو اور
جنت میں خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم تمہارے

دنیا میں بھی دوست ہیں اور آخرت میں بھی۔"

جب انسان کو فرشتے کی سرپرستی حاصل ہوگئی تو سمجھ لو کہ سب سے زیادہ خیر خواہ نافع کی سرپرستی حاصل ہوگئی۔ وہ فرشتہ انسان کو دین پر ثابت قدم رکھے گا۔ جس سے اس کا دل مضبوط ہوگا نیز اللہ تعالیٰ کی مدد بھی شامل حال ہوگی۔ فرمان تعالیٰ ہے:

﴿اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَةِ اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ (الانفال:۱۲)

"تیرے رب نے فرشتوں کو حکم دیا کہ مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کردو۔"

حدیث میں آتا ہے: موت کے وقت فرشتہ اس سے کہے گا:

﴿لاتخف ولاتحزن وابشر بالذی یسرک﴾

"نہ خوف کر اور نہ ہی غمگین ہو (بلکہ) خوش کرنے والی زندگی کی خوشخبری سن۔"

دنیاوی زندگی میں سب سے ضروری چیز ایمان ہے جو موت کے وقت بھی اور قبر میں سوال جواب کے وقت اس کو خوب مضبوط اور ثابت قدم رکھے گا۔ انسان کیلئے فرشتے کی صحبت سے بڑھ کر کوئی نافع چیز نہیں۔ اس لئے کہ وہ بیداری اور نیند، موت وحیات اور قبر غرض ہر حالت میں اس کی حفاظت کرتا ہے۔ قبر کی وحشت میں اس کا مونس، خلوت کا ہم نشین و راز دان ہے اس کی طرف سے دشمن کی کارستانیوں کا مدافع اور اس کے مقابلے میں اس کا مددو معاون ہے۔ بھلائی کی طرف ابھرنے والا نیز حق کی تصدیق پر برانگیختہ کرنے والا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

صورت ہوگی۔ اس کیلئے ان سے صحت یاب ہو کر زندہ رہنا کیسے ممکن ہوگا؟

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

جسمك بالحمية حصنته مخافة من ألم طاری

وكان أولى بك أن تحتمي من المعاصي خشية الباري

"جب پرہیز کے ذریعے آنے والی بیماری سے جسم کو محفوظ کرنا ضروری ہے تو خوف خدا کی بنا پر گناہوں سے پرہیز کرنا بطریق اولیٰ ضروری ہے۔"

لہذا جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لا کر دل کو قوت بخشے اور پرہیز کر کے گناہوں سے خود کو بچائے، توبہ کے ذریعے گناہ کے غلط اثرات سے دل کو صاف رکھے تو وہ شخص اپنے لئے حصول خیر اور زوال شر کو یقینی بنا لیتا ہے۔ (بحوالہ المستغنی)

فصل

ارتکاب گناہ پر شرعی سزائیں:

اگر گناہوں کے مذکورہ نقصانات بھی گناہوں سے باز آنے میں کافی نہ ہوں اور تیرے دل میں کوئی اثر پیدا نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان گناہوں پر عائد کردہ شرعی سزاؤں کو پیش نظر رکھو مثلاً چور کے ہاتھ کٹنے اور ڈاکہ ڈالنے والے کے ہاتھ پیر کٹنے، کسی پاک دامن شخص پر تہمت لگانے پر اور شراب پینے پر اسی کوڑے لگنے اور شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنے اور غیر شادی شدہ زانی کو سو کوڑے بطور حد لگنے اور بطور تعزیر جلا وطن کرنے پر غور کریں۔ اسی طرح جان بوجھ کر فرض نماز چھوڑنے، کفریہ کلمات کہنے، لواطت کرنے یا جانوروں کے ساتھ بدفعلی کرنے پر تعزیراً قتل کے احکامات کو بھی پیش نظر رکھیں۔ اسی طرح جماعت کی نماز

قدرتی وجود سے نہیں دیا۔

پہلی وجہ: یہ کہ اس کے کٹنے سے سزا اصل گناہ سے بھی بڑھ جاتی ہے اس لئے کہ اس سے نسل کا منقطع ہونا لازم آتا اور اس میں مرنے کا بھی اندیشہ ہے۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ گناہوں پر سزا کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس سے دوسروں کیلئے عبرت ہو۔ شرمگاہ چونکہ پوشیدہ اور مخفی ہے۔ مخفی ہونے کی وجہ سے عام لوگوں کیلئے عبرت نہیں ہوگی بخلاف ہاتھ کاٹنے کے کہ اس کو سب لوگ دیکھ کر عبرت حاصل کر سکیں گے۔

تیسری وجہ: یہ کہ ایک ہاتھ کٹ بھی گیا تو دوسرا موجود ہے جبکہ آلہ تناسل کٹنے کی صورت میں اس کا متبادل نہیں ہے۔

چوتھی وجہ: یہ آلہ تناسل صرف آلہ ہے جبکہ لذت میں تمام بدن شامل ہے تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ سزا بھی تمام بدن پر عام ہو۔ تو شرعی سزائیں انصاف و عقل اور مصلحت کے عین مطابق ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان جرائم پر شرعی یا قدرتی سزاؤں کا مقصد یہ ہے کہ بندہ ان سزاؤں کے خوف سے ان گناہوں کی طرف نہ جائے۔ اگر اس میں مبتلا ہے تو باز آجائے۔

ارتکاب گناہ پر سزا کی قسمیں:

گناہوں پر سزاؤں کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) شرعی سزائیں (حدود و تعزیرات) (۲) قدرتی سزائیں (بیماری، قحط وغیرہ)

ارتکاب گناہ پر جب شرعی سزا لگ جائے تو قدرتی سزا ختم ہوتی ہے یا بالکل کم ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ایک جرم پر دو سزائیں (حد، قدرتی عذاب) نہیں دیتے ہاں اگر ایک سزا حد کے اثر ختم کرنے میں کافی نہ ہو تو گناہ کے مرض کو اس سے شفا حاصل نہ ہو تو دوسری سزا بھی دی جاتی ہے۔

اگر شرعی سزا (حدود) نہ دی گئی تو (گناہوں کے مہلک امراض سے کامل شفایابی کیلئے) قدرتی سزائیں ناگزیر ہو جاتی ہیں۔ بلکہ بسا اوقات شرعی سزاؤں سے بھی شدید ہوتی ہیں۔ یعنی رفع شرعی سزا کی نحوست سے تم کر دوسروں پر عام ہو جاتی ہے جبکہ شرعی سزا تو صرف مجرم ذی کی جرم کیلئے سبب یا وسیلہ بننے پر دی جاتی ہیں جبکہ قدرتی سزائیں کبھی خاص مجرم پر اور کبھی عام لوگوں پر آتی ہیں۔

گناہ اگر پوشیدہ طور پر ہو تو صرف مرتکب گناہ سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ گناہ اگر علانیہ کیا جائے اور اس پر نکیر نہ ہو تو اس گناہ اور اس کی سزا سب پر عام ہوتی ہے۔

یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شرعی سزاؤں کو گناہوں کے مفسدے کے مطابق مقرر فرمایا ہے۔ اور وہ تین طرح کی ہیں۔ (۱) قتل (۲) ہاتھ کاٹنا (۳) کوڑے لگانا

قتل کو کفر اور کفر کے قریب جرائم زنا، لواطت جیسے قبیح افعال کیلئے بطور سزا مقرر کیا اس لئے کہ یہ افعال دینی فساد، نسب میں خرابی اور نوع انسانی میں خلل کا باعث ہیں۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے تو یہاں تک فرمایا کہ

لا اعلم بعد القتل ذنبا اعظم من الزنا

"میں نہیں سمجھتا کہ قتل کے بعد اور کوئی گناہ زنا سے بڑھ کر گناہ ہو۔"

استدلال حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی حدیث سے کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

﴿أن تجعل لله ندا وهو خلقك﴾

"اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے"

پھر میں نے پوچھا کہ اس کے بعد بڑا گناہ کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿أن تقتل ولدك مخافة أن يطعم معك﴾

"رزق کی تنگی کے خوف سے اپنے بچے کو قتل کرنا"

پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، اس کے بعد سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿أن تزاني حليلة جارك﴾ [۱]

"اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا" اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی تصدیق قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ﴾ (الفرقان: ۶۸)

"اور وہ جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے، اور اس جان کو بھی قتل نہیں کرتے جسے اللہ نے حرام کر دیا، مگر حق کے ساتھ، اور زنا بھی نہیں کرتے۔"

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کے سوال کے مطابق گناہ کی بڑائی کے آخری درجے کو بیان فرمایا، اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سب سے بڑے گناہ سے متعلق سوال کیا، تو جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے بڑے گناہ گنوا دیئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو برابر ٹھہرانا شرک کا آخری درجہ ہے، اور اپنے ساتھ کھانے بچے اور رزق میں شریک ہونے کے ڈر

۱؎ بخاری، مسلم، ترمذی

سے اپنے بچے کو ... کرنا گناہ کا انتہائی درجہ ہے، لہٰذا اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنا زنا کی آخری حد ہے۔

غیر شادی شدہ عورت سے زنا کرنے کے مقابلے میں شادی شدہ کے ساتھ زنا کرنے کی سزا بہت زیادہ ہے۔ اس لئے کہ اس میں بہت ساری برائیاں جمع ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ اس میں شوہر کی عزت برباد ہوتی ہے۔ اس کے حقوق تلف ہوتے ہیں۔ نسب میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے تکلیف دہ معاملات رونما ہوتے ہیں۔ تو یہ انتہائی سخت جرم ہے۔

اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنا ایک سو غیر شادی شدہ عورتوں سے زنا کرنے سے بھی سخت ہے۔ زنا کے تمام قبائح کے ساتھ بدترین اور شدید ترین ہونے کا سبب پڑوسی ہونے کا ثبوت بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"لا یدخل الجنۃ من لا یأمن جارہ بوائقہ"

"وہ آدمی جنت داخل نہیں ہوگا جس کی شرارتوں سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔"

اگر یہ پڑوسی بھائی یا قریبی رشتہ دار بھی ہو تو قطع رحمی سے شدید گناہ کا بھی سبب ہے۔ اسی طرح پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے کا گناہ دو چند ہو جاتا ہے اگر پڑوسی نماز پڑھنے، علم دین کے حصول یا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد میں جانے کی وجہ سے گھر سے غائب ہو تو گناہ کی شدت میں سخت اضافہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے والے کو قیامت کے دن کھڑا کر کے اس مجاہد سے کہا جائے گا: اس کی نیکیوں میں سے اپنی مرضی کے مطابق لے لو۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ اس

[illegible]

کیلئے ایک نیکی کو بھی چھوڑ دیگا بلکہ اس کو اس کی نیکیاں لینے کو کہیں اتفاق ہو جائیگا؟ اور ایک ایک نیکی کی اسی محتاجی ضرورت ہوگی کہ باپ بیٹے کیلئے اور دوست دوست کیلئے ایک نیکی بھی چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔

اتفاق سے اگر وہ عورت رشتہ دار بھی ہو تو اس عظیم گناہ کے ساتھ ساتھ قطع رحمی کے گناہ میں بھی اضافہ ہوگا۔ اگر زانی خود شادی شدہ ہو تو گناہ اور بھی سخت ہوجاتا ہے، اور اگر عمر رسیدہ بھی ہو تو گناہ کا کیا ٹھکانا؟ بلکہ وہ ان تین قسموں سے ہوگا جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام تک نہیں فرمائیں گے، اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کریں گے، بلکہ ان کو سخت تکلیف دہ عذاب میں مبتلا کریں گے۔ اگر یہ فعل قبیح قابل احترام شہر (مکہ یا مدینہ) یا اللہ تعالیٰ کے ہاں معظم وقت مثلاً اوقات نماز اور دعا کی قبولیت کے اوقات میں ہو تو گناہ کی شناعت اور قباحت میں سختی ہو جاتا ہے۔ گناہ کی ان برائیوں اور گناہ میں مزید اضافوں اور اس پر مقررہ شرعی اور قدرتی سزاؤں اور گناہ کے دیگر نقصانات پر غور کرو اور ان سے عبرت حاصل کرو۔ (واللہ المستعان)

﴿فصل﴾

افساد مال پر قطع ید کی سزا:

شریعت نے کسی کے مال پر ہاتھ ڈالنے پر ہاتھ کاٹنے کا حکم اس لئے صادر فرمایا ہے کہ چور محفوظ مال کو خفیہ طور پر حاصل کرتا ہے اور گھروں میں نقب لگاتا ہے اور بلی کی طرح دیواریں پھلانگ کر پوشیدہ طور پر گھروں کے اندر گھس جاتا ہے۔

چوری کا گناہ اتنا نہیں کہ سزا کے طور پر اس کو قتل کر دیا جائے اور اتنا کم بھی نہیں کہ کوڑوں سے اس موذی مرض کا آسانی سے خاتمہ ہو سکے، تو اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ کے تحت قتل کا حکم یا کوڑے لگانے کا۔ بلکہ اس عضو یعنی سے بدلا

کرنے کا حکم صادر فرمایا جس سے اس جرم کا ارتکاب کیا ہے اور کوڑے لگانے کو شرابی اور پاک دامن پر تہمت لگا کر اس کی عزت پر حملہ کرنے والے کیلئے بطور سزا مقرر کیا۔ گناہوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدنی سزاؤں کی صرف مذکورہ بالا قسمیں ہیں۔ اور اسی طرح مالی سزا کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) غلام آزاد کرنا۔ (۲) مسکینوں کو کھانا کھلانا۔ (۳) روزے رکھنا

گناہوں کی قسمیں:

اللہ تعالیٰ نے گناہوں کو تین قسموں پر تقسیم فرمایا۔

ایک قسم: وہ ہے جس کے ارتکاب پر صرف حد واجب ہے۔ کفارہ واجب نہیں۔

دوسری قسم: وہ ہے جس پر صرف کفارہ ہے، حد نہیں ہے۔ جیسا کہ رمضان المبارک میں روزے کی حالت میں جماع، احرام کی حالت میں ہمبستری، بیوی کے ساتھ ظہار، قتل خطاء اور قسم توڑنا۔

تیسری قسم: وہ ہے کہ جس کے ارتکاب پر حد ہے نہ کفارہ۔ یہ دو قسموں پر مشتمل ہے۔

پہلی قسم: وہ ہے کہ جس سے بچنے کا داعیہ خود نفس کے اندر ہی موجود ہو اور جس کے کرنے پر طبیعت اس آمادہ نہ ہوتی ہو۔ مثلاً گندگی کھانا، پیشاب پینا وغیرہ۔

دوسری قسم: وہ ہے جس کی شناعت وقباحت کی سزا حد کی درجے کو نہیں پہنچتی۔ جیسے کسی غیر محرم کی طرف دیکھنا، اس کو ہاتھ لگانا، اس سے بات چیت کرنا یا ایک دو پیسے چوری کرنا یا اس جیسے اور چھوٹے گناہ۔

کفارہ کی اقسام:

تین قسم کے گناہوں پر کفارہ واجب ہے۔

ایک قسم تو وہ ہے کہ کسی جائز فعل پر عارضی پابندی لگی ہو اور اس پابندی کے زمانے میں اس فعل کا ارتکاب کیا ہو۔ مثلاً حالت احرام میں یا روزے کی حالت میں یا حالت حیض و نفاس میں اپنی بیوی سے جماع کرنا۔ البتہ اپنی بیوی کے پچھلے حصہ میں جماع کرنا اس قسم میں داخل نہیں ہے۔ اس لئے مذکورہ پابندیاں عارضی اور خاص حالت میں ہیں جبکہ بیوی کے دبر میں جماع کرنا دائمی حرام ہے۔

دوسری قسم: اللہ تعالیٰ کیلئے نذر ماننا یا اللہ تعالیٰ کے نام لیکر کسی کام کرنے کی قسم کھانا اور پھر اسے نہ کر سکنا یا اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو حرام کرنا۔ ان افعال کے ارتکاب پر اللہ تعالیٰ نے کفارہ مشروع کیا ہے اور کفارہ ادا کرنے کو تحلہ کے ساتھ موسوم کیا ہے۔

مگر اللہ تعالیٰ کے نام گرامی کی بے حرمتی کا گناہ ان کفارات سے مکمل ختم نہیں ہوگا۔ اگرچہ بعض فقہاء اس کے قائل ہیں۔ اس لئے کہ بعض دفعہ قسم کھانے کے بعد اس کو توڑنا واجب اور بعض حالات میں مستحب اور بعض اوقات مباح ہوتا ہے جبکہ کفارہ صرف اس کام کو حلال کرنے کیلئے مشروع ہے۔

تیسری قسم: وہ کفارات جو تلافی مافات کیلئے ہوتے ہیں۔ جیسے قتل خطا کا کفارہ اس میں گناہ نہیں ہے اور محرم کا شکار کو قتل کرنے کا کفارہ۔

تیسری قسم جوابر (تلافی) کے قبیل سے ہے اور پہلی قسم زواجر (تنبیہات) کے قبیل سے جبکہ دوسری قسم کو تحلہ کہتے ہیں۔

حد اور تعزیر جمع نہیں ہو سکتے:

ایک گناہ پر حد شرعی اور تعزیر دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ کسی گناہ پر شرعی حد لگ جانے تو تعزیری سزا نہیں ہوگی۔ بلکہ حد ہی کافی ہے۔ اس طرح ایک معصیت پر حد اور کفارہ بھی جمع نہیں ہو سکتے۔ یعنی حد لگنے کے بعد کفارہ بالکل نہیں ہوگا۔ اور جسمیں کفارہ مشروع ہو اس میں حد نہیں ہے۔ اور وہ گناہ جس میں حد نہیں ہے اس میں

کفارہ اور تعزیر دونوں کو جمع کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً حالت حیض یا حالت احرام میں جماع کرنا تو اس میں دو قول ہیں۔ بعض کے نزدیک کفارہ کے ساتھ تعزیر بھی ہونی چاہیے۔ اس لئے کہ کفارہ اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کی بے حرمتی کی نحوست مٹانے میں ناکافی ہے۔ اور بقول بعض کفارہ ادا کرنے کے بعد تعزیر کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ کفارہ ہی اس کی تلافی کیلئے کافی ہے۔

ارتکاب گناہ پر قدرتی سزائیں:

نافرمانیوں کی پاداش میں قدرت کی طرف سے پہنچنے والی سزائیں دو نوعیت کی ہیں۔ (۱) دل وجان پر طاری ہونے والی سزائیں۔ (۲) بدن اور دل پر جاری ہونے والے عقوبتیں۔

ارتکاب گناہ پر دل پر اثر انداز ہونے والی سزاؤں کی دو قسمیں ہیں ۱۔ دل کو پہنچنے والی تکالیف ۲۔ دل کی صلاحیت وصلاح کا ختم ہونا۔ اور جب دل سے اس کی صلاحیت منقطع ہوجائے تو دل ان صلاحیتوں کے اضداد سے متصف ہوگا۔ بدنی سزا کے مقابلے میں یہ دلی سزا بہت زیادہ تکلیف دہ اور باعث مضرت ہے، بلکہ بدنی تکلیف کی اصل بھی وہی قلبی عذاب ہے۔

گناہوں کی نحوست سے دل پر طاری ہونے والی تکلیف بڑھتی رہتی ہے یہاں تک پورے بدن پر اثر انداز ہوتی ہے۔ جیسا کہ بدن پر آنے والی تکلیف دل تک پہنچ جاتی ہے۔

جب بدن روح سے جدا ہوجائے تو تکلیف وعذاب کا تعلق صرف نفس وجان کے ساتھ ہوتا ہے اور اس وقت تکلیف صرف دل کو ہوتی ہے۔ اسی کا نام عذاب قبر ہے جیسا کہ دنیا میں بدن کو تکلیف ہوتی ہے اس کا کچھ اثر دل پر ہوتا ہے۔ اسی طرح برزخ میں تکلیف اصلی دل کو ہوگی۔

کی زوجات کو جنات عدن میں داخل فرمائے جس کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اگرچہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتے، مگر پھر بھی اس کے لئے اسباب مقرر کر رکھے ہیں۔ انہیں اسباب میں سے جنت میں داخل کرنے کیلئے فرشتوں کی دعاء اور نیک اعمال کی توفیق اور فرشتوں کا مسلسل ان کے لئے دعا کرنا بھی ہے۔

فرشتوں نے اپنی دعاء کے آخر میں کہا ہے:

﴿إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (البقرۃ: ۱۲۹)

ترجمہ: بیشک آپ ہی غالب حکمت والے ہیں۔

یعنی ان تمام کا اصل مرجع اس کی غایت آپ ہی کی قدرت اور علم کا کمال ہے۔ اپنی دو صفتوں کمال قدرت اور کمال علم (حکمت) کے ذریعے آپ کسی کام کے کرنے اور کسی کام کے نہ کرنے کا حکم صادر فرماتے ہیں۔ وعدے پر ثواب اور تقاضے پر عذاب دیتے ہیں۔ یہی دو صفتیں خلق و امر کے مرجع و مصدر ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اعمال بد پر مقررہ سزائیں شرعی اور قدرتی سزاؤں پر مشتمل ہیں۔ تو یہ سزائیں کبھی دل پر اور کبھی بدن پر اور بسا اوقات قلب و بدن دونوں پر واقع ہوتی ہیں۔ اور کچھ سزائیں مرنے کے بعد عالم برزخ میں اور عالم حشر میں دامن گیر ہوتی ہیں۔

بہرحال کوئی گناہ بھی سزا سے خالی نہیں ہے، لیکن انسان اپنی جہالت کی بنا پر ان سزاؤں کا احساس نہ کر سکے تو اور بات ہے۔ اس لئے کہ انسان (اپنی غفلت کی بناء پر) نشہ میں مست و خوابیدہ شخص کی طرح ہے جسے تکلیف کا احساس تک نہیں ہوتا۔ اور جب بیدار ہو یا ہوش میں آ جائے تب اسے احساس تکلیف ہوتا ہے۔ گناہ کی پاداش میں عقوبت میں مبتلا ہونا ایسا ہی ضروری ہے جیسے کہ آگ کیلئے جلانا، توڑنے کیلئے توڑنا، پانی کیلئے غرق کرنا اور زہر کیلئے بدن کو ہلاک کرنا۔ لیکن ضروری نہیں

ہے کہ گناہ کے فوراً بعد ہی سزا نہ ملے اس میں بھی حکمت ہوتی ہے اور کبھی ارتکاب گناہ کے فوراً بعد بھی سزا مل جاتی ہے۔ جیسا کہ بیان ہوا ہے۔ اسی سبب گناہ کے بعد بیماری کبھی جلدی اور کبھی کچھ وقت گزرنے کے بعد لاحق ہوتی ہے۔

اس مقام میں اکثر لوگ مغالطے کا شکار ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ گناہ کے ارتکاب کے بعد فوراً گناہ کی سزا کے اثرات ظاہر نہیں ہوتے۔ اسی بناء پر انسان کو سزا نہ ہونے کا گمان ہوتا ہے مگر گناہ زہر کی طرح آہستہ آہستہ اپنا عمل کرتا رہتا ہے۔ اگر اس دوران اس زہر کا علاج کر دیا اور اثرات زہر کو ختم کر دیا تو ٹھیک۔ ورنہ آہستہ آہستہ زہر اپنا کام کر کے اس کو ہلاکت کے دروازے پر پہنچا دیتا ہے۔ اسی طرح اگر گناہ کو توبہ کی دوا کے ذریعے ختم کر دیا تو ٹھیک ورنہ وہ اس کو ہلاک کر دے گا۔

ذرا غور کیجئے! جب صرف ایک گناہ بھی باعث ہلاکت ہے تو گناہوں پر گناہ کرنے والے اور ان کا علاج بھی نہ کرنے والے کا کیا حال ہوگا؟

فصل

گناہوں پر مرتب ہونے والی بعض سزائیں:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے گناہوں پر مرتب ہونے والی سزاؤں کو دل و دماغ پر حاضر کرنے اس میں مبتلا ہونے کو ذرا سوچو اور نفس کو ان سزاؤں سے ڈرا کر گناہوں کو چھوڑنے پر آمادہ کرو۔ میں گناہ کی چند سزاؤں کو یہاں درج کرتا ہوں ان میں سے چند پر یقین کرنا ہی ترک گناہ کیلئے کافی ہے۔ سمجھدار عقل کیلئے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔

دل پر مہر لگنا:

پہلی سزا دل اور کانوں پر مہر اور آنکھوں پر پردہ پڑنا ہے۔ اور یہ کہ قبول حق

سے بند ہوتے، جب جب زنگ آلود ہوں۔ دلوں کا اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہونا اور اپنے آپ تک سے غفلت برتنا۔ حق سے روگردانی کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا اس کے دل کی اصلاح کے ارادے کو ترک کرنا۔ حتیٰ کہ قبول حق سے ایسا تنگ و مشکل ہونا جیسا کہ آسمان کی طرف چڑھنا اس کے لئے مشکل ہے۔ دل پر اعراض کی نجاسات کی وجہ سے دل کا منکوس ہونا جیسا کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ دل چار ہوتے ہیں۔ ایک دل وہ ہے جو تمام گندگیوں سے صاف ستھرا اور چراغ کی طرح روشن ہو۔ یہ مومن کا دل ہے۔ ایک وہ ہے جو پردوں میں بند ہے وہ کافر کا دل ہے۔ دل کی ایک قسم اوندھا ہے یہ قلب منافق ہے۔ ایک قسم وہ ہے جس میں دو مادے ہوتے ہیں۔ ایک مادہ نفاق کا دوسرا ایمان کا۔ ان میں سے جو بھی غالب ہو جائے اعتبار اس کا ہوگا۔

دل پر اثر انداز ہونے والی سزاؤں میں سے ایک سزا یہ ہے کہ بندے کا دل طاعت سے ہٹ جاتا ہے اور عمل کرنے سے اپاہج ہو کر رہ جاتا ہے۔

دل پر اثر انداز ہونے والی ایک عقوبت دل کا گونگا، بہرا اور اندھا ہونا ہے۔ اس دل اور حق سے اس کو فائدہ پہنچنے کی مثال بالکل ایسی ہے جیسا کہ بہرہ آواز سے، گونگا بولنے سے اور اندھا اشیاء کو دیکھنے سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اسی سے معلوم ہوا کہ اصلی بہرا پن، گونگا پن اور اندھا پن دل کا ہے اور زبان، کان اور آنکھ کا گونگا، بہرہ اور اندھا ہونا عرضی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی ایسا ہی ہے۔

﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ (الحج: ۴۶)

بے شک اندھی نہیں ہوتی آنکھیں لیکن سینوں میں دل کی بصیرت ختم

احساس تک نہیں ہوتا۔

اس کی علامت یہ ہے کہ ایسے دل کا حامل شخص ہمیشہ گناہوں کی غلاظتوں، نازیبا حرکات اور برے افعال کے گرد مسلسل گھومتا رہتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا مقرب دل خیر وفلاح اور اعلیٰ کردار، اخلاق کا عادی اور دلدادہ ہوتا ہے۔

کسی بزرگ کا قول ہے کہ ہر دل گھومنے اور گشت کرنے والا ہے لیکن بعض دل تو عرش الٰہی کے گرد وپیش چکر لگاتے ہیں اور بعض غلاظتوں کے طواف میں مصروف ہیں۔

دل کا مسخ ہونا:

گناہ کی ایک سزا یہ ہے کہ صورت کے مسخ کی طرح دل بھی گناہوں کی نحوست کی وجہ سے بگڑ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ دل بگڑ بگڑ کر اخلاق وکردار اور افعال واعمال میں حیوان کے دل کی طرح ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں کے دل اتنے بگڑ جاتے ہیں کہ خنزیر کے افعال واعمال کی طرح عمل کرنے لگتے ہیں اور بعضوں کے دلوں میں بگاڑ پیدا ہو کر وہ کتوں کی طرح حرکات کرتے ہیں اور بعض گدھے، بعض سانپ اور بچھوؤں کے کردار ادا کرتے ہیں۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ (الانعام: ۳۸)

''کوئی چلنے والا زمین میں نہیں اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے دو بازوؤں سے اڑتا ہے۔ مگر تمہاری طرح کی جماعتیں ہیں۔''

چنانچہ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں بعض لوگوں کے دل درندوں کے
اخلاق کے حامل ہوتے ہیں اور کچھ لوگوں کے دل گدھوں کے، بعض کے دل سوروں
اور بعض کے سوروں کے دلوں کی طرح ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگ گدھے کی طرح
احمق ہوتے ہیں اور بعض مرغوں کی طرح دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دینے
والے ہوتے ہیں۔ بعض کبوتر کی طرح محبت کرنے والے۔ بعض اونٹ کی طرح بغض
رکھنے والے، بعض بکری کی طرح سراپا برکت والے اور بعض لومڑی کی طرح
وفاداریاں بدلنے والے ہوتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے بھی بعض لوگوں کی مثال کبھی گدھوں کے ساتھ، کبھی کتوں
کے ساتھ کبھی چوپایوں کے ساتھ دی ہے۔

دل کے اس بگاڑ کا ہلکا سا اثر چہرے پر بھی ظاہر ہوتا ہے جسے اہل دل
سمجھتے ہیں اور اعمال کے متاثر ہونے کو تو ہر ایک دیکھ اور سمجھ سکتا ہے۔ یہ بڑھتے بڑھتے
اس کی شکل و صورت کو بھی بدلنا شروع کر دیتا ہے۔ اس حالت میں جب اذن الٰہی اس کی مسخ
ہو جاتی ہے اور اصل مسخ تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی ظاہری صورت کو بھی اس
جانور کی صورت میں کر دیتا ہے جس جانور کی عادات و اخلاق کے ساتھ یہ شخص
مشابہت رکھتا ہو جیسا کہ یہود کے ساتھ ہوا بعض کی شکلیں بندروں اور بعض کی
سوروں میں تبدیل ہوئیں۔ سبحان اللہ! کیسے عجیب و حیرت کا مقام ہے کہ بعض لوگوں کا
دل اندھا ہو جاتا ہے۔ مگر اسے اس کا احساس تک نہیں ہوتا اور بعض کے دل بالکل مسخ
ہو چکے ہوتے ہیں مگر انہیں شعور تک نہیں ہوتا۔ اور بے شمار لوگ دوسروں سے اپنی
تعریف سن کر دھوکے میں آ جاتے ہیں اور بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی فرمانے
سے دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جلد عذاب نہ
آنے کی وجہ سے کثرت میں مبتلا ہو کر اپنی حقیقت کو بھول جاتے ہیں۔ یہ تمام مذکورہ

چیزیں عذاب وسزا اور ذلت کے سامان ہیں مگر انسان اپنی جہالت کی بنا پر اسے ترقی عزت سمجھ بیٹھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا معاملہ اس شخص کے ساتھ ایسا ہی ہوگا۔ چنانچہ فریب کار، تقاضا فوت کرنے والے اور کج فہم سے ویسا ہی معاملہ کیا جائے گا۔

دل کا الٹ جانا:

دل کو گناہوں سے نقصان پہنچنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ دل بالکل الٹ جاتا ہے، جس سے حق و باطل میں فرق نہیں کر پاتا۔ بلکہ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھتا ہے۔ نیکی کو بدی اور بدی کو نیکی تصور کرتا ہے۔ فساد برپا کر کے اس کو اصلاح سمجھتا ہے اور راہ الٰہی میں رکاوٹ بن کر خود کو داعی سمجھتا ہے۔ ہدایت کے بدلے گمراہی خرید کر خود کو ہدایت یافتہ گردانتا ہے۔ اپنی خواہشات کی پیروی کر کے گمان کرتا ہے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کا مطیع و فرمان بردار ہے۔ دل کی یہ ساری بربادیاں گناہ ہی کی وجہ سے ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے حجاب پیدا ہونا:

دل پر گناہ کے برے اثرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان کے دل میں معرفت الٰہی سے حجاب ہوتا ہے اور قیامت میں اس سے بھی بڑا حجاب ہوگا۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ﴾ (المطففین: ۱۴-۱۵)

"ہرگز نہیں۔ بلکہ ان کے دلوں پر زنگ لگ گیا ہے ان کے برے عمل کے سبب، ہرگز نہیں بے شک وہ اپنے رب سے اس دن روک دیئے جائیں گے۔"

سے مالا مال ہو، اور رزق کثیر سے بہرہ مند اور خوشحال ہو۔ (مگر گناہوں کی وجہ سے) اس کا دل تنگ ہوتا ہے، بے پناہ وحشت اور بے پناہ کوفت وحسرت سے چور چور ہوتا ہے۔ مگر خواہشات کی بہتات، حب جاہ ومنصب اور دنیا کے عشق ومحبت کے نشہ ومستی کی بنا پر یہ حسرتیں بظاہر دکھائی نہیں دیتیں۔ یہ نشہ کوئی شراب کا نشہ نہیں ہے مگر غور کرنے کے اعتبار سے اس کا نشہ شراب سے بھی کئی گنا بڑھ کر ہے۔ کیوں کہ شراب کا نشہ کسی وقت اتر بھی جاتا ہے مگر دنیاوی منصب اور مال ومنال کا نشہ نہ صرف اترتا نہیں بلکہ اس میں دن بدن اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ انسان موت کے دہانے تک پہنچ جاتا ہے۔

الغرض تنگ زندگی اسلامی تعلیمات سے روگردانی کرنے والے کیلئے لازم اور ضروری ہے۔ انسان کیلئے دنیا، برزخ اور آخرت میں دل کی خوشی، قلب کا اطمینان آنکھوں کی ٹھنڈک ذات الٰہی سے وابستگی میں ہی مخفی ہے۔

لہٰذا جس شخص کی آنکھ باری تعالیٰ کے قرب سے مسرور ہو تو اس سے تمام آنکھیں مسرور ہوں گی۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی قربت سے اپنی آنکھوں کو خوشی وٹھنڈک نہ بخش سکے تو وہ ہمیشہ دنیا کی حسرتوں کے سمندر میں غرق ہو کر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ اور مسرور زندگی کو ایمان اور عمل صالح ہی کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (النحل ۹۷)

”جو شخص مرد ہو یا عورت، نیک عمل کرے اور وہ مؤمن بھی ہو تو ہم (دنیا میں) ضرور اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور ان

کے اچھے ... کے مطابق آخرت میں بھی اچھا بدلہ عطا کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالح پر دنیا میں پاکیزہ اور اچھی زندگی اور آخرت میں عظیم جزا عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے۔ یعنی ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ پر زندگی گزارنے والے ہی بہترین زندگی گزارنے والے ہیں اور دونوں جہانوں میں اصل حیات سے محظوظ ہیں۔

یہی اس آیت میں فرمایا گیا ہے:

﴿لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ﴾ (النحل ۳۰)

"جن لوگوں نے دنیا میں اچھے اعمال کئے تو ان کیلئے اچھائی ہی ہے اور آخرت کا گھر بھی ان کیلئے یقیناً بہتر ہی ہوگا اور گناہوں سے خود کو بچانے والوں کا گھر یقیناً اچھا ہوگا۔"

اسی طرح ذیل کی آیت سے بھی یہی مفہوم ہو رہا ہے:

﴿وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُم مَّتَاعًا حَسَنًا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ﴾ (ہود ۳)

"اور یہ کہ تم اپنے رب سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرکے اس کی طرف رجوع کرو تاکہ ایک مدت مقررہ تک تمہیں بہترین متاع عطا فرمادے۔ اور ہر فضیلت والے کو اس کے مطابق درجہ عطا کیا جائے گا۔"

انہیں آیات سے بھی معلوم ہوا کہ دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے لطف اندوز

ہونے والے حقیقی اور پاکیزہ کمالات ہی ہیں۔ دنیا اور آخرت میں پاکیزہ اور پُرسرور زندگی انہیں ہی حاصل ہے۔ اس لئے کہ نفس کی خوشی، دل کا سرور، فرحت، لذت، شادمانیت وانشراحِ قلب اور اس کا نورانی ہونا، حرام خواہشات اور باطل شبہات کو چھوڑنے سے ہی حاصل ہوگا۔ اور یہی حقیقی نعمتیں ہیں جن سے ظاہری بدنی نعمتوں کو کچھ نسبت نہیں۔

ان عظیم لذتوں سے آشنا کسی بزرگ کا قول ہے۔ جس لذت وسرور اور تجلی جنت میں ہم ہیں اگر بادشاہوں اور شہزادوں کو اس کا علم ہو جائے تو اس دولت کو ہم سے چھیننے کیلئے ہم پر حملہ آور ہو جائیں۔

اور اسی جیسے کسی اور بزرگ کا فرمان ہے: بسا اوقات دل پر ایسی کیفیات طاری ہوتی ہیں تو میں کہہ اٹھتا ہوں کہ اہل جنت اگر اس جیسی خوشیوں میں ہیں تو یقیناً وہ عظیم ترین و پاکیزہ زندگی گزار رہے ہیں۔

اسی طرح ایک اور بزرگ کا قول ہے فرماتے ہیں: آخرت کی جنت کی طرح اس دنیا میں بھی ایک جنت ہے چنانچہ جو دنیا کی اس جنت (دلی فرحت وسرور) میں داخل ہوا تو وہ آخرت کی جنت میں بھی داخل ہو سکے گا۔ اگر اس میں داخل نہیں ہو سکا تو آخرت کی جنت میں بھی داخل نہیں ہو سکے گا۔ اسی دنیاوی جنت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

«إذا مررتم برياض الجنة فارتعوا قالوا وما رياض الجنة؟ قال حلق الذكر»[1]

"جب تم جنت کے باغوں سے گزرو تو خوب چرو، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! جنت کے باغ کیا ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے باغ ذکر کے حلقے ہیں"

اور فرمایا:

۱۔ بخاری، مسلم، نسائی

واقف ہوتا ہے اور کبھی بے خبر ہوتا ہے۔ اور بسا اوقات صراط مستقیم سے متعلق اس کے معلومات کے مقابلے میں اس کی جہالت زیادہ ہوتی ہے اور صراط مستقیم سے جن امور کا علم رکھتا ہے تو کبھی انہیں کرنے پر بھی قادر ہوتا ہے، اور کبھی عاجز۔ اور جن امور کو بجالانے پر قادر ہے تو نفس کبھی ان کو کرنے پر تیار ہوتا ہے اور کبھی کاہلی اور سستی کرکے یا کسی مانع اور رکاوٹ کی بنا پر انہیں انجام دینے کیلئے بالکل تیار نہیں ہوتا۔

اور وہ امور جن کے انجام دہی پر قادر ہے اور نفس بھی اسے بجا لانے پر آمادہ ہے مگر کسی وجہ سے انجام نہیں دے سکتا، اگر انجام دے بھی دے تو کبھی اسے خالص کرنے کی شرائط کو پورا کرسکے گا اور کبھی وہ شرائط کے مطابق عمل نہیں کر پائے گا۔ اور اگر اخلاص کی شرائط کے مطابق اس کام کو کر دے تو کبھی سنت کے مکمل مطابق ہو اور کبھی سنت کی مکمل تابعداری اس سے نہیں ہو سکے گی۔ اور تمام شرائط کے ساتھ ادا کرکے بھی اس پر ثابت قدم رہ سکے گا اور کبھی اس کو برقرار رکھنے پر کامیاب نہ ہو پائے گا۔ بلکہ اس کا دل اس سے پھر جائے گا۔ تو مذکورہ تمام صورتیں تمام انسانوں میں پائی جاتی ہیں۔ کسی میں کم کسی میں زیادہ۔

ان چیزوں کی طرف رہنمائی انسان صرف اپنی طبیعت سے نہیں پا سکتا اس لئے کہ انسانی طبیعت میں ان چیزوں کی طرف رہنمائی کا عنصر نہیں ہے۔ بلکہ اگر انسان کو اگر خود اس کی طبیعت پر چھوڑ دیا جائے (اگر توفیق الٰہی اور وحی کی رہنمائی شامل حال نہ ہو) تو ان امور کی طرف رہنمائی تو کیا بلکہ ان امور کے سمجھنے کی راہ میں خود نفس انسانی رکاوٹ بن جائے گا۔ اسی (رہنمائی میں انسان کو اس کے نفس کے حوالے کرنا) کو ارکاس کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو ان کی نافرمانیوں کے پاداش میں اس کیفیت سے دوچار کر رکھا ہے یعنی ان کو ان کے نفس کے حوالے کر دیا ہے تو نفس اپنی طبعی جہالت کی بناء پر صراط مستقیم کی طرف ان کی رہنمائی نہیں کر سکتا

جب اللہ تعالیٰ تک رسائی صراط مستقیم پر چلے بغیر ممکن نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل اور اپنی رحمت سے جسے چاہتے ہیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں اسے صراط مستقیم سے ہٹا دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت اور ان کے عدل کے مطابق ہے کیونکہ جس کو اہل سمجھتے ہیں اسے ہدایت سے نوازتے ہیں اور جسے نااہل سمجھتے ہیں ہدایت سے دور کردیتے ہیں۔

قیامت کے دن بھی ایک صراط مستقیم مقرر فرمائیں گے جس پر چل کر ہی اللہ تعالیٰ تک پہنچا جاسکے گا۔ چنانچہ دنیا میں جو لوگ اس صراط مستقیم پر چلتے رہے تو وہ قیامت کی اس صراط پر بھی چل سکیں گے۔ اس پر چل کر جنت تک پہنچ جائیں گے اور جو لوگ دنیا میں اپنی زندگی کی کجروی کو صراط مستقیم پر چلانے میں کامیاب نہ ہوسکے تو قیامت کے دن بھی اس صراط پر نہیں چل پائیں گے۔ حشر کی ظلمتوں سے نکالنے کے لئے اللہ تعالیٰ مؤمنین کے سامنے ایک نور ظاہر فرمائیں گے جو ان کے سامنے اور دائیں بائیں روشنی کریگا، اور اللہ تعالیٰ اس نور کی حفاظت فرماتے رہیں گے یہاں تک مؤمن حشر کی ظلمتوں سے نکل جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اندر ان کے ایمان کی حفاظت موت تک کی۔ اور منافقین کے نور کو بجھا دیں گے حالانکہ وہ اس وقت روشنی کے سخت ضرورت مند ہوں گے۔ جیسا کہ دنیا کے اندر ان کے گناہوں کے پاداش میں ان کے دلوں سے نور کو ختم کردیا تھا۔

قیامت کے دن نافرمانوں کے اعمال بد صراط کے دونوں جانب تکلیف دہ کانٹوں کی صورت میں قائم ہوں گے اور ان کو صراط مستقیم سے ہٹا کر چھوڑیں گے۔ جیسا کہ یہی بد اعمال دنیا میں بھی ان کے پائے استقامت کو صراط مستقیم سے ہٹا کر گمراہی کی راہ ڈال دیتے تھے۔

آخرت کی اس صراط پر چلنے میں تیزی یا سستی دنیا میں صراط مستقیم پر چلنے کی

جتنی ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مومنین کیلئے ایک حوض کا بھی انتظام فرمائیں گے تاکہ مومنین دنیا میں شریعت پر چلنے کی بقدر اس حوض سے پانی حاصل کریں اور جو لوگ دنیا میں شریعت کے آب حیات کو پینے سے روگردانی کرتے ہیں وہ اس حوض سے بھی محروم ہوں گے۔

آخرت کے ان حالات کو ذرا اپنے گوشہ فکر میں لائیے گویا یہ آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ میں ذرا غور وفکر کریں تو یہ بات بھی کھل کر سامنے آجائیگی اور آپ کو یقین کامل ہو جائے گا کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، اور اسی کا نمونہ ہے، چنانچہ قیامت میں سعادت وشقاوت کے اعتبار سے درجات میں فرق بھی دنیا میں ایمان، اعمال صالحہ یا ان کے اضداد کے اعتبار سے ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ گناہ کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس کی وجہ سے انسان دنیا اور آخرت دونوں میں صراط مستقیم سے بھٹک جاتا ہے۔

فصل

گناہ کی قسمیں:

گناہ کی چونکہ اپنے مفاسد و درجات کے لحاظ سے مختلف قسمیں ہیں تو اس کی دنیاوی واخروی عقوبتیں بھی مختلف ہیں: ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق و مدد سے یہاں اس کا ایک مختصر خاکہ آپ کے سامنے پیش کریں گے۔

ابتداءً گناہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ ان کاموں کو ترک کرنا جن کو کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دوسرا: ان کاموں کو کرنا جن کو ترک کرنے کا فرمان جاری ہوا ہے۔

یہی دو چیزیں ہیں جن کے ذریعے انس وجن کی طاعت و فرمانی کا امتحان لیا

جاتا ہے۔ پھر ان دونوں میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم کا تعلق ظاہری اعضاء و جوارح سے ہے اور دوسری کا جو دل سے ہے۔ اسی کی ایک تقسیم حقوق اللہ اور حقوق العباد بھی ہے۔ اگرچہ سارے حقوق حقیقۃً حقوق اللہ ہی ہیں مگر بعض حقوق کو حقوق العباد اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بندوں کے مطالبے سے بجالائے جاتے ہیں اور ان کے معاف کرنے سے معاف ہو جاتے ہیں۔ پھر مذکورہ قسمیں مزید چار قسموں پر تقسیم ہوتی ہیں۔ (۱) ملکیہ (۲) شیطانیہ (۳) سبعیہ (۴) بہیمیہ یعنی گناہوں کی بھی چار قسمیں ہیں۔

معصیت ملکیہ:

یہ ہے کہ انسان کا خود وصفات الٰہی یا عظمت و کبریائی صفات سے متصف جاننا! گناہ کی اس قسم میں شرک بھی داخل ہے۔ شرک دو نوعیت کا ہے۔ (۱) اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے ساتھ کسی کو شریک ماننا۔ (۲) دوسرا اللہ تعالیٰ کے معاملات میں کسی کو شامل کرنا۔ شرک کی دوسری قسم اگرچہ تمام اعمال کو غارت کر دیتی ہے مگر بسا اوقات موجب دخول جہنم نہیں ہوتی۔

گناہوں کی یہ قسم (شرک) تمام انواع میں سے سب سے بڑا گناہ ہے جو بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کے خلق و امر میں دخل اندازی کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اللہ کے ساتھ منازعت کرتا ہے۔ اس گناہ کے ہوتے ہوئے کوئی بھی نیک عمل فائدہ مند اور کارگر نہیں ہوگا۔

معصیت شیطانی:

وہ ہے جو حسد، بغاوت، دھوکہ، فریب، سازش اور برائی کو مزین کرکے اس کا حکم دینے، نیکی سے روکنے، دین میں بدعت گھڑنے، بدعت اور گمراہی کی طرف

بغاوت دینے میں شیطان کے مشابہ ہے۔

خرابی اور فساد کے اعتبار سے یہ بھی پہلی قسم سے ملتی جلتی ہے مگر پہلے کے مقابلے میں ذرا کم ہے۔

معصیت درندگی:

دشمنی کرنا، غصہ کرنا، خون ریزی، ضعیف اور عاجز پر حملہ جیسے گناہ اس قسم میں داخل ہیں۔ نوع انسانی کو ضرر پہنچانا اور ظلم و عدوان پر جرات و جسارت کرنا بھی اسی قسم کا حصہ ہے۔

معصیت بہیمی:

پیٹ اور شرم گاہ کی خواہشات کی تکمیل پر شدید حریص ہونا ہے جیسے زنا، چوری، غریبوں اور یتیموں کا مال کھانا، بخل کرنا، حرص، بزدلی، جزع اور فزع اسی بہیمیت کے نتیجے ہیں۔ اکثر لوگوں کے گناہ اسی قسم میں داخل ہیں۔ کیونکہ لوگوں کی اکثریت عقل اور درندگی سے عاری ہے۔ وہ اسی معصیت بہیمی سے گناہ کی دوسری قسموں میں داخل ہوتے ہیں اور پھر اسی سے درندگی اور شیطانی معصیت میں داخل ہو کر شرک کے دروازے تک پہنچ جاتے ہیں۔ جو بھی اس میں غور کرے گا یہ حقیقت اس کے سامنے کھل جائے گی کہ معصیت شرک و کفر کی دہلیز ہے۔

گناہ کی دو قسمیں:

قرآن، سنت، اجماع صحابہ، تابعین اور ائمہ سے ثابت ہے کہ گناہ صغیرہ اور کبیرہ میں منقسم ہیں۔ فرمان الٰہی ہے:

بعض کبیرہ گناہوں کو بھی مٹانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اس میں ذرا غور سے کام لیں تو بہت سارے شبہات دور ہو جاتے ہیں۔

بخاری و مسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

﴿اجتنبوا السبع الموبقات قیل: وما هن یا رسول الله؟ قال الاشراك بالله، والسحر، وقتل النفس التی حرم الله الا بالحق، واكل مال الیتیم، واكل الربا والتولی یوم الزحف وقذف المؤمنات الغافلات﴾ (بخاری ومسلم)

"سات مہلک گناہوں سے خود کو بچاؤ تو آپؐ سے پوچھا گیا وہ کونسے گناہ ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شرک، جادو، ناحق قتل کرنا، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، میدان جہاد سے بھاگنا، پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا۔"

اسی طرح بخاری و مسلم ہی کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کونسا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے خالق کے ساتھ کسی کو شریک کرنا۔ عرض کیا گیا اس کے بعد کونسا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی اولاد کو رزق کی تنگی کے خوف سے مارڈالنا۔ پوچھا گیا اس کے بعد کونسا ہے تو فرمایا: اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنا۔

تو قرآن کریم نے بھی اس کی تصدیق ان الفاظ سے کی ہے۔

﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ﴾ (الفرقان ۶۸)

"جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے، قتل نہیں کرتے مگر حق کے ساتھ اور نہ ہی زنا کرتے ہیں۔"

تعدادِ کبائر:

گناہ کبیرہ کے بارے علماء کا اختلاف ہے کہ آیا گناہ کبیرہ کسی تعداد میں محدود ہے یا نہیں۔ بعض تعداد کے قائل ہیں اور بعض نہیں۔ جو لوگ تعداد کے قائل ہیں ان میں تعداد کی تعیین میں اختلاف ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: گناہ کبیرہ کل چار ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سات کے قائل ہیں۔ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کے نزدیک نو ہیں، ان کے علاوہ بعض کہتے ہیں وہ گیارہ ہیں اور بعض کے نزدیک اس کی تعداد ستر تک پہنچتی ہے۔

حضرت ابوطالب مکیؒ فرماتے ہیں: اس سلسلے میں صحابہ کرامؓ کے اقوال کو جمع کرنے کے بعد اس نتیجے میں پہنچا ہوں کہ چار کبائر کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ (۱) شرک (۲) گناہوں پر اصرار (۳) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامیدی، (۴) سزا سے بے پرواہی۔

اور چار کا تعلق زبان کے ساتھ ہے۔ (۱) جھوٹی گواہی دینا (۲) پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا (۳) یمین غموس (جھوٹی قسم) (۴) جادو۔ اور تین گناہوں کا تعلق پیٹ سے ہے۔ (۱) شراب نوشی (۲) یتیم کا مال کھانا (۳) سود خوری۔ اور دو گناہ شرمگاہ سے متعلق ہیں۔ (۱) زنا، (۲) لواطت۔ اور دو کبیرہ گناہوں کا تعلق ہاتھوں کے ساتھ ہے۔ (۱) قتل (۲) چوری۔ اور ایک بڑے گناہ یعنی میدان جنگ سے بھاگنے کا تعلق ٹانگوں سے اور ایک بڑے گناہ کا تعلق تمام بدن سے ہے وہ ہے والدین کی نافرمانی۔

☆ اور جو لوگ کبیرہ گناہ کے کسی تعداد کے ساتھ منحصر ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ وہ گناہ جن کے کرنے سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے وہ کبیرہ ہیں اور جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے وہ صغیرہ ہیں اور ایک طبقہ کی رائے یہ ہے کہ جس کام کو کرنے سے روکنے کے ساتھ اس کے ارتکاب پر

وعید، لعن طعن، غضب اور عذاب ہو وہ کبیرہ ہے اور جس کے ارتکاب پر وعید وغیرہ نہ ہو وہ صغیرہ ہے۔

☆ اور بعض لوگ کہتے ہیں جس گناہ کی حرمت تمام شریعتوں میں ہے وہ کبیرہ ہے اور جو بعض شریعتوں میں گناہ ہو اور بعض میں نہ ہو تو وہ گناہ صغیرہ ہے۔ اور بعض کے نزدیک ہر وہ گناہ، گناہ کبیرہ ہے جس کے ارتکاب کرنے والے پر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے۔

اور بعض کے نزدیک سورۃ نساء کے شروع سے ﴿إِن تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ تک بیان کردہ گناہ، گناہ کبیرہ ہیں۔

☆ اور جو لوگ سرے سے صغیرہ اور کبیرہ میں تقسیم کے قائل ہی نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے امر کی خلاف ورزی و نافرمانی پر جرأت کی بنا پر ہر معصیت گناہ کبیرہ میں شامل ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بہت بڑا گناہ ہے بظاہر گناہ چھوٹا ہو یا بڑا اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ورزی اور اللہ کے امر کے توڑنے میں سب برابر ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کی وضاحت اس بات سے ہوتی ہے کہ گناہ سے اللہ تعالیٰ کو نہ نقصان ہوتا ہے نہ ہی گناہوں سے وہ متاثر ہوتا ہے۔ تو گناہ کے بڑے چھوٹے ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا گناہ تو محض اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہی ہوتی۔ اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ جو لوگ گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حق پر حملہ آور ہوتے ہیں اور اس کے حق کو توڑنے کی جسارت کرتے ہیں۔ غور کریں کہ ایک آدمی شراب نوشی یا زنا کا مرتکب ہو ان چیزوں کے حرام ہونے کے اعتقاد کے بغیر، اور دوسرا شخص شراب پیئے

اور زنا کرنے کو حرام سمجھتا ہوا اور جانتا ہو اور اس کا ارتکاب کرے۔ دیکھا جائے تو پہلے شخص میں دو برائیاں ہیں ایک جہالت اور دوسری ارتکاب گناہ۔ اور دوسرا شخص صرف ایک برائی (معصیت) کا مرتکب ہے، مگر سزا کا مستحق دوسرا شخص ہے۔ پہلا نہیں، کیوں کہ دوسرے شخص نے جانتے ہوئے یہ عمل کیا جس سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو توڑنے کی جسارت ہوئی، تو معلوم ہوا کہ گناہ کے مفسدہ کو تعلق اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کے ساتھ ہے۔

☆ اور وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ گناہ کرنا اللہ تعالیٰ کے امر ونہی کو ہلکا سمجھنے کو مستلزم ہے۔ لہٰذا اس میں تمام گناہ برابر ہیں تو چھوٹے بڑے ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

☆ وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ بندے کو گناہ کے چھوٹے بڑے ہونے کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ اسے تو صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کس ذات کی نافرمانی کر رہا ہے، اس ذات کی قدرت، عظمت اور اس کی بڑائی کی طرف نظر کرے کہ وہ ارتکاب معصیت کر کے کس ذات کے حکم کی بڑائی کو ہلکا سمجھ رہا ہے۔ مثلاً ایک بادشاہ اپنے دو غلاموں میں سے ایک کو کسی دور شہر میں کسی اہم کام کیلئے اور دوسرے کو اندر ہی کسی غرض کیلئے بھیج دے اور دونوں غلام اس کے حکم کے خلاف ورزی کریں اور اس کے کہنے کے مطابق عمل نہ کریں تو مورد سزا دونوں ہوں گے اور دونوں بادشاہ کی نظروں سے گر جائیں گے۔ یہی سبب ہے کہ مکہ میں رہتے ہوئے حج کو اور مسجد کے پڑوس میں رہتے ہوئے جمعہ کو چھوڑنا مکہ سے دور رہ کر حج کو اور مسجد سے بعید ہو کر جمعہ کو چھوڑنے کے مقابلے میں زیادہ قبیح ہے۔ قریب رہتے ہوئے اس کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔

☆ اسی طرح ایک آدمی کے پاس دو سو اور دوسرے کے پاس دو لاکھ درہم ہوں اور دونوں زکوۃ ادا نہ کریں تو زکوۃ کے ادا نہ کرنے میں دونوں برابر ہیں۔ اگر زکوۃ ادا نہ کرنے پر دونوں مصر ہوں تو سزا میں دونوں برابر کے مستحق ہوں گے چاہے مال کم ہو یا زیادہ۔

فصل

مسئلہ کی پوری توضیح:

یہ ہے کہ ارض و سماء کی پیدائش، پیغمبروں کو مبعوث کرنے اور کتابیں نازل کرنے کا مقصد، اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کی فرمانبرداری و اطاعت اور اسی کیلئے ہر کام کی انجام دہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الحجر:۸۵)

''جن وانس کو میں نے اپنی اطاعت ہی کیلئے پیدا کیا ہے۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ (الطلاق:۱۲)

''اللہ ہی ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور زمین بھی اتنی ہی اور ان میں حکم نازل ہوتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ نے ہر چیز کو اپنے علم سے احاطہ کیا ہوا ہے۔''

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وجَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (المائدہ: ۹۷)

''اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ بزرگی والا گھر ہے۔ لوگوں کے لئے قیام کا باعث بنایا اور عزت والے مہینے کو اور حرم میں قربان ہونے والے جانور کو بھی اور جن کے گلے میں قلادہ ڈال کر کعبہ کو لے جائیں تاکہ تم جان لو، بے شک اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔''

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ زمین و آسمان، کعبہ کی پیدائش اور دیگر اوامر کی بجا آوری کا مقصد اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی معرفت ہے۔ صرف اسی کی عبادت اور اس کی وحدانیت کا اقرار کامل ہو۔ اور لوگ عدل سے کام لیں جس کے لئے زمین و آسمان قائم ہوئے ہیں۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحدید: ۲۵)

''البتہ ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ہمراہ کتاب اور میزان عدل بھی بھیجی تاکہ لوگ انصاف کو قائم رکھیں۔''

☆ تو اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اس نے رسولوں کو مبعوث، اور اپنی کتابیں ان

لئے نازل کیں کہ لوگ قسط (عدل) کو قائم کریں۔ اور سب سے عظیم اور بڑا عدل توحید ہے بلکہ عدل کی جڑ ہی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعتراف ہے۔ اور سب سے بڑا ظلم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرانا ہے لہذا تمام ظلموں سے بڑھ کر ظلم شرک، اور تمام عدلوں سے بڑھ کر عدل اقرار وحدانیت ہے۔

☆ لہذا جو اس مقصد عظیم کے منافی ہوگا وہ سب سے کبیرہ (بڑا) گناہ ہوگا۔ لہذا گناہوں کا صغیرہ کبیرہ یا شدید و خفیف ہونا اس مخالفت و منافات کے بقدر ہوگا۔ اور جو کام اس مقصد کے عین مطابق و موافق ہوگا وہی اعلیٰ درجے کا فرض اور لازمی امر ہوگا۔ اس اصول پر خوب غور و تامل کرو اور اس کی تفصیلات کو نگاہوں کے سامنے لاؤ تو احکم الحاکمین کی عظیم حکمت، اعلم العالمین کے اپنے بندوں پر عائد کردہ فرائض، منع کردہ نواہی اور اطاعات و معاصی کے مراتب میں فرق کی معرفت سے سرفراز ہو جاؤ گے۔

☆ شرک چونکہ اس مقصد عظیم کے سراسر منافی اور قطعاً مخالف ہے تو بہرصورت وہ سب سے عظیم گناہ کبیرہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے مشرک پر جنت کو حرام قرار دیا ہے اور اہل توحید کے لئے مشرک کی جان و مال وغیرہ کو مباح قرار دینے اور مشرکین کو غلام بنانے کو جائز قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ نے کسی مشرک کی عبادت کو قبول کرنے سے انکار کیا اور مشرک کے بارے کسی کی سفارش قبول نہیں کی ہے۔ اور آخرت میں اس کی دعا قبول نہ کرنے کا اعلان کر دیا ہے، اور یہ بھی کہ اس کی کسی امید کو بھی پورا نہ فرمائے گا۔ چنانچہ مشرک اللہ کے بارے سب سے زیادہ جاہل ترین ہے، کیوں کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی مخلوق کو مساوی کیا۔ یہ انتہائی جہالت اور کمال حماقت اور حد درجے کا ظلم ہے مگر یہ ظلم

اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہیں بلکہ خود اپنے نفس کے ساتھ کیا ہے۔

ایک شبہ:

یہاں ایک شبہ ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ مشرک اپنی دانست میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا اعتقاد رکھتا ہے۔ اس لئے کہ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت شان کے سبب بلاواسطہ اللہ تعالیٰ تک رسائی نہیں ہو سکتی اس لئے ان شرکاء وشفعاء کے سبب اور وسیلے سے اللہ تعالیٰ تک پہنچا جا سکتا ہے۔ جیسے کہ دنیا کے عام بادشاہوں کا معاملہ ہے۔ لہٰذا اس عمل سے مشرک اللہ تعالیٰ کی توہین کا ارادہ نہیں کرتا بلکہ تعظیم کا قصد کر کے کہتا ہے: کہ ان شرکاء کی اس لئے عبادت کرتا ہوں تا کہ ان کے واسطے سے اللہ کا قرب حاصل کر سکوں۔ اور یہ مجھے اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیں۔ پس اس کا مقصود ومطلوب صرف یہی ہے کہ یہ معبودان صرف اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے وسائل اور محض سفارشی ہیں۔ تو مشرک کا اس قدر عمل اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی وغضب اور ہمیشہ جہنم کا ایندھن بننے کا موجب کیوں کر بن سکتا ہے؟

ایک اور سوال:

یہاں ایک اور سوال بھی پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ: اللہ تعالیٰ نے کیا اپنی ذات تک رسائی کے لئے کوئی سفارشی، کوئی وسیلہ مشروع فرمایا ہے یا نہیں؟ اور ان وسائل ووسائط کی حرمت شریعت سے ثابت ہے یا اس کی برائی ایسی فطری اور عقلی ہے جس کی مشروعیت محال ہو۔ تمام برائیوں کی جڑ ہونے کی بنا پر تمام شرائع اس کی برائی میں عقل وفطرت کی تائید کرتے ہیں؟ اور تمام گناہوں میں شرک ناقابل معافی جرم ہونے کی اصل وجہ کیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ

يَشَاءُ﴾ (النساء: ۴۸)

"بے شک اللہ تعالیٰ نہیں معاف کرتا اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے کو اور شرک کے علاوہ (جرم) کو جسے چاہتا ہے معاف فرما دیتا ہے۔"

اس سوال میں خوب تأمل کرو اور اس کے جواب کو سمجھنے کے لئے دل و دماغ کو یکجا کرو اور اس میں سستی ہرگز نہ کرو۔ تو مشرکین و موحدین، اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے والوں اور جاہلوں اور اہل جنت اور اہل جہنم کے درمیان با آسانی فرق کر پاؤ گے۔

جواب:

اللہ ہی سے مدد، راستگی، توفیق اور تائید ملتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت سے نوازے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو گمراہ کر دے اسکو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ جس کو عطا کرنے کا ارادہ فرما دے تو کوئی اس میں مخل نہیں ہو سکتا ہے اور جس کو نہ دینے میں آئے تو کوئی اسے عطا نہیں کر سکتا۔

سنئے! شرک کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم شرک کی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے اسماء و افعال سے متعلق ہو۔

اور شرک کی دوسری قسم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادات و معاملات سے متعلق ہو۔ خواہ مشرک کا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے افعال میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔

شرک کی پہلی قسم دو نوعیت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے صفات سے معطل

در بکار سمجھنا۔ (معاذ اللہ) شرک کی انتہائی قبیح ترین صورت ہے۔ جیسے کہ فرعون کا شرک جس کا تذکرہ قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

﴿وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (شعراء ۲۳)

"رب العالمین کیا چیز ہے۔"

اور فرعون کے قول کو یوں قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔

﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ، اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا﴾

"فرعون نے کہا اے ہامان میرے لئے ایک اونچا محل بنا۔ شاید اس کے ذریعے آسمان کے راستوں تک رسائی حاصل کرسکوں اور موسیٰ کے "الٰہ" کے بارے میں معلومات حاصل کرسکوں اور میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں" (غافر ۳۶۔۳۷)

اسی بنا پر فرقہ قدریہ کو مجوس کے مشابہ قرار دیا گیا ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کو خالق نہیں مانتے۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مناظرہ کرنے والے نمرود کا عقیدہ بھی شرک کی اسی دوسری قسم میں داخل ہے۔ جو یہ زعم رکھتا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرح مار بھی سکتا ہے اور زندہ بھی کرسکتا ہے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے الزاماً فرمایا کہ اس کا مطلب ہے کہ تو سورج کو مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع کرنے پر قادر ہے تو ایسا کرکے دکھا دے! تو وہ مبہوت و ششدر ہو کر رہ گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ طرز استدلال ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف انتقال نہیں ہے بلکہ الزام ہے یعنی اس کی حجت و دلیل کو ہی بحث میں درست

تسلیم کر کے اس کے دعویٰ قدرت کو بالکل باطل کرتا ہے۔

شرک کی اسی قسم میں ستاروں کو مدبر اور معبود سمجھنے والوں کا شرک بھی شامل ہے۔ ان مذکورہ لوگوں میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا معبود حقیقی سمجھتے ہیں اور بعض دوسرے معبودوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے بڑا معبود خیال کرتے ہیں۔ بعض ان میں سے چند معبودان میں سے ایک کو معبود سمجھتے ہیں۔ بعض کا عقیدہ ہے کہ ایک معبود چھوٹا ہوتا ہے اس کے واسطے اور وسیلے سے اس سے برتر معبود تک رسائی ممکن ہوتی ہے اور ان کے ذریعے بڑے معبود تک پہنچا جا سکتا ہے یہاں تک کہ ان معبودوں کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ وسائط و وسائل کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتے ہیں۔

عبادات میں شرک:

شرک کی مذکورہ اقسام کی بہ نسبت شرک فی العبادات کم تر درجہ کا ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس کا ارتکاب، توحید کے قائل شخص سے بھی ہوتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کو ہی نفع اور نقصان اور عطا اور منع کا مالک تصور کرتا ہے اور اس کے علاوہ کسی اور کو معبود و پروردگار نہیں سمجھتا۔ مگر معاملات اور عبودیت میں اللہ تعالیٰ ہی کو خاص نہیں کرتا بلکہ اس میں کبھی اپنی نفسی خواہش کو بھی دخل دیتا ہے۔ شرک اور تعطیل ایک دوسرے کو لازم ملزوم ہیں۔ ہر مشرک اللہ تعالیٰ کی قدرت کا منکر ہے اور ہر منکر مشرک ہے البتہ بعض شرک سے تعطیل واضح ہوتا ہے۔ اس لئے بعض مشرک اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا اقرار کرتے ہیں مگر افعال میں اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔

اصل شرک تعطیل (اللہ تعالیٰ کی ذات و قدرت کا سرے سے انکار کرنا) ہے۔ اور یہ تین قسموں پر مشتمل ہے۔ (۱) مصنوعات اور کائنات کو اس کے صانع و

خلق سے خالی سمجھنا۔ (۲) اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا انکار کر کے ان کے کمال قدرت کا انکار کرنا۔ (۳) تمام معاملات کی تدبیر میں اللہ تعالیٰ کو یکتا نہ سمجھنا حالانکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اقرار کا حکم دیا گیا ہے۔ وحدت الوجود کے قائل لوگوں کا شرک اسی قبیل سے ہے جو یہ کہتے ہیں خالق ومخلوق کا علیحدہ علیحدہ وجود نہیں ہے۔ عالم کے قدیم اور ہمیشہ سے ہونے کے قائل ملحدین کا شرک بھی اسی نوعیت کا ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ عالم معدوم نہیں تھا بلکہ ازل سے موجود ہے حوادثات زمانہ اور واقعات عالم کو اسباب وعلل کی پیداوار سمجھتے ہیں جن کو وہ عقول ونفوس کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور جہمیہ وقرامطہ کے شرکیہ عقائد جو اسماء وصفات باری تعالیٰ کو معطل سمجھتے ہیں شرک کے اسی قسم میں داخل ہیں۔

فصل

شرک کی دوسری قسم:

جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبودوں کو بھی مانے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور قدرت کا بھی قائل ہو اور ان کو بھی بے کار نہ سمجھے۔ شرک کی اس قسم میں عیسائیوں کا شرک داخل ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کی الوہیت کے معتقد ہیں۔ شرک کی اس قسم میں مجوسیوں کا شرک بھی آجاتا ہے جو خیر وبرکات اور بھلائیوں کا خالق نور کو اور شر وفساد (کے اسباب) کا خالق ظلمت وتاریکی کو قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح فرقہ قدریہ کے شرکیہ عقائد بھی شرک کی اس دوسری قسم کے زمرے میں آجاتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہر ذی روح مخلوق خود اپنے افعال کی خالق اور موجد ہے۔ یعنی وہ افعال جو وہ ادا کرتی ہے جو

کبھی دنیاوی مفادات کی خاطر کبھی لوگوں میں عزت و منزلت کے درپے ہو کر معاملات الٰہی میں دخل اندازی کی کوشش کرتی ہے۔ چنانچہ اس کے عمل میں اللہ تعالیٰ کا بھی حصہ ہوتا ہے اپنے نفس و خواہش کا بھی حصہ ہوتا ہے شیطان کا اور مخلوق کا بھی حصہ ہوتا ہے۔

لوگوں کی اکثریت اس قسم میں داخل ہے۔ اور حدیث میں اسے بھی شرک قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ابن حبان نے اپنی کتاب "مسلم ابن حبان طیاسی" میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے۔

﴿الشرك في هذه الامة أخفى من دبيب النملة قالوا كيف ننجو منه يا رسول الله؟ قال: قل اللهم انی اعوذبك ان اشرك بك و انا اعلم و استغفرك لما لا اعلم﴾ (مسلم بن حبان طیاسی)

"اس امت کے اندر شرک چیونٹی کے رینگنے سے بھی زیادہ خفیف انداز سے آتا ہے۔"

صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! اس سے بچنے کی کیا صورت ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ میں دانستہ تیرے ساتھ کسی کو شریک بنانے سے پناہ مانگتا ہوں اور نادانستہ شرک سے بھی پناہ چاہتا ہوں۔"

اور دکھاوے کے لئے کوئی کام کرنا بھی شرک کے زمرے میں آتا ہے۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾ (الکہف ۱۱۰)

"کہہ دو (اے محمدؐ) کہ میں بھی تمہارے جیسا آدمی ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ پس جو کوئی

اپنے رب سے ملنے کی امید کرے تو اسے چاہئے نیک عمل
کرے۔ اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے"

یعنی جس طرح اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے تو عبادت بھی
صرف اسی کی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ جس طرح الوہیت میں یکتا اور واحد ہے اسی طرح
عبادت میں بھی یکتا اور لاشریک ہے۔ عمل صالح وہ ہے جو سنت کے مطابق ہو اور
دکھاوے سے خالی ہو۔

اور حضرت عمرؓ بھی یہی دعا فرمایا کرتے تھے:

﴿اللّٰهُمَّ اجْعَلْ عَمَلِي كُلَّهُ صَالِحًا وَاجْعَلْهُ لِوَجْهِكَ
خَالِصًا وَلَا تَجْعَلْ لِأَحَدٍ فِيهِ شَيْئًا﴾

"اے اللہ! میرے تمام اعمال کو صالح بنا دے اور اپنی رضا کے
لئے اسے خالص کر دے اور کسی کا اس میں حصہ نہ ہو" (   )

عبادت میں یہ شرک (ریا) عمل کے ثواب کو غارت کر دیتا ہے اگر وہ عمل
واجب ہو تو سزا کا بھی موجب ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس نے دکھاوے کے لئے عمل
کر کے گویا عمل ہی نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی حالانکہ اللہ سبحانہ و
تعالیٰ نے بندے کو خالصتاً اپنی عبادت کا حکم دیا ہے۔ اور فرمایا ہے

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ (البینۃ: ۵)

"اور انہیں صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں
یکسو ہو کر خالص اسی کی اطاعت کی نیت سے۔"

لہٰذا جس شخص نے اپنی عبادت میں اخلاص پیدا نہ کیا تو گویا اس نے اللہ
کے حکم کی نافرمانی کی بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق عمل کے علاوہ اپنی طرف سے عمل کیا
تو وہ درست نہ ہوگا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی
ہے کہ میں جملہ شرکاء اور حصہ داروں کی شراکت سے بے نیاز ہوں جو شخص کوئی

میرے ساتھ کسی عمل میں شریک اور حصہ دار کرے وہ عمل اسی شریک کے لئے ہوگا۔ میں اس عمل سے بیزار ہوں۔

عبادت میں شرک کی قسمیں:

عبادت میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو قابل معافی ہیں اور ایک قسم وہ ہے جس کی معافی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اسی طرح اس کی ایک قسم اکبر اور دوسری قسم اصغر ہے۔ اکبر بھی دو قسموں پر مشتمل ہے ایک کبیرا دوسرا اکبر۔ شرک کی یہ قسم ناقابل معافی ہے اس کی معافی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اسی میں اللہ تعالیٰ کی محبت وتعظیم میں دوسروں کو شریک کرنا اور اللہ کی مخلوق کیساتھ اللہ سے بڑھ کر محبت کرنا۔ یہ شرک کی اس قسم میں داخل ہے جس کو اللہ تعالیٰ کسی صورت میں بھی معاف نہیں کریں گے۔ اسی شرک کے بارے فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرہ۔ ۱۶۵)

"ایسے بھی لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور شریک بنا رکھے ہیں جن سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی کہ اللہ تعالیٰ سے رکھنی چاہیے۔"

ایسے مشرک دوزخ میں اپنے خودساختہ معبودوں کو مخاطب کر کے کہیں گے۔

﴿تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الشعراء۔ ۹۸)

"اللہ کی قسم ہم یقیناً صریح گمراہی میں تھے جس وقت ہم تمہیں رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے۔"

یہ بات واضح ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت تخلیق، رزق رسانی، مارنے اور زندہ کرنے میں کسی کو برابر نہیں ٹھہراتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ دوسروں کی محبت کو بھی شامل کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے بجائے دوسروں کے سامنے سرتسلیم خم کرتے تھے یہی انتہائی جہالت اور ظلم ہے۔ اس لئے کہ مٹی اور رب الارباب کے درمیان کیا نسبت ہے؟ غلام اپنی ذات کے مالک کی کیا برابری کرسکتا ہے؟ بھلا حقیقی فقیر اور محتاج مطلق شخص قادر مطلق اور حقیقی غنی ذات کے کیسے ہمسر ہوسکتے ہیں؟

ذرا عقل سے کام لیں تو اس سے بڑھ کر سب سے قبیح ترین ظلم اور کیا ہوگا کہ اس چیز کو اس ذات کے برابر ٹھہرا دیا جس کا کوئی برابر ہو ہی نہیں سکتا۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ﴾ (الانعام ۱)

"تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا فرمایا اور اندھیرے اور روشنی کو بنایا پھر بھی کفار دوسروں کو اپنے رب کے برابر گردانتے ہیں۔"

مشرک نے تو زمین و آسمان کے خالق، نور اور ظلمات کو بنانے والی عظیم قدرت والی ذات کو ایک ایسے نفس کے برابر ٹھہرایا جو زمین و آسمان میں مثقال بھر وقعت کا بھی مالک نہیں۔ یہ کتنی عجیب بات ہے اور کتنا بڑا ظلم ہے اور کتنا قبیح فعل ہے۔

افعال، اقوال اور نیت میں شرک:

اللہ تعالیٰ کے ساتھ افعال، اقوال، ارادوں اور نیتوں میں کسی کو شریک ٹھہرانا

بھی اسی شرک کے ضمن میں آتا ہے۔

چنانچہ غیر اللہ کے سامنے جبین نیاز خم کرنا، بیت اللہ کے سوا کسی اور کمرے کا طواف کرنا، غیر کی عبادت کے طور پر سر مونڈنا، قبروں کو بوسہ دینا اور سجدہ کرنا افعال میں شرک کی مثال ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو انبیاء و صلحاء کی قبروں کے سامنے اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کرنے والے پر لعنت کی ہے تو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کا گناہ کتنا عظیم ہوگا!۔

بخاری و مسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول منقول ہے:

﴿لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرىٰ، اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِ هِمْ مَسَاجِدَ﴾

''یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ نے لعنت بھیجی ہے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا'' (بخاری و مسلم)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''دنیا کے بدترین لوگ وہ ہیں جن کی زندگی میں قیامت برپا ہوگی۔ اور وہ لوگ جو قبروں کو مسجد اور عبادت گاہ بناتے ہیں۔'' (بخاری)

اسی طرح سابقہ امتوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ فرمایا: تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا کرتے تھے۔ خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہ مت بناؤ۔ میں اس کام سے تمہیں منع کرتا ہوں۔

مسند احمدؒ اور صحیح ابن حبان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منقول ہے:

﴿لعن اللّٰه زوارات القبور و المتخذين عليها مساجد و السرج﴾

"اللہ تعالیٰ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں، قبروں کو سجدہ
گاہ بنانے والوں اور ان پر چراغاں کرنے والوں پر لعنت کی ہے"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا "اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والی قوم پر اللہ تعالیٰ سخت غضب فرماتے ہیں۔" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تم سے پہلے قوموں میں یہ طریقہ رہا ہے کہ اگر کوئی نیک آدمی انتقال کر جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے اور اس میں اس کی صورت بنا کر رکھ دیتے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بدترین لوگ شمار ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی دعا فرمائی ہے

﴿اللّٰهم لا تجعل قبري وثناً يعبد﴾

"اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنا جس کی عبادت کی جائے"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو توحید کی مکمل حفاظت کی۔ چنانچہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت اللہ تعالیٰ کے لئے نفل نماز تک کو منع فرما دیا تاکہ ان اوقات میں عبادت کرنے والوں کی سورج پرست کے ساتھ ادنیٰ سی تشبیہ بھی نہ ہو۔ حتیٰ کہ عصر اور فجر کے وقت میں نماز سے منع فرمایا کہ یہ اوقات طلوع و غروب کے ساتھ متصل ہیں جس میں مشرکین سورج کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ جہاں تک غیر اللہ کے سامنے سجدہ کرنے کا تعلق ہے اس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے۔

﴿لا ينبغي لأحد أن يسجد لأحد إلا لله﴾

"کسی کو بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے سجدہ ریز ہونا بالکل
مناسب نہیں ہے"

یہاں حدیث میں "لا ینبغی" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ قرآن و سنت میں "لا ینبغی" کا لفظ شرعاً نہایت قبیح اور انتہائی درجے کے ممنوع فعل کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

جیسا کہ سورۂ مریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا﴾ (سورۂ مریم ۹۲)

"رحمن کی یہ شان نہیں کہ کسی کو اپنا بیٹا بنا دے"

اسی طرح سورۂ یٰسین میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ﴾ (سورۂ یٰسین)

"یعنی ہم نے نبی کو شعر نہیں سکھایا اور نہ ہی یہ ان کے لئے مناسب ہے"

اور اسی طرح سورۂ شعراء میں ہے:

﴿وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِينُ وَمَا يَنْبَغِي لَهُمْ﴾ (سورۂ شعراء)

"قرآن کو شیاطین لے کر نازل نہیں ہوئے۔ نہ یہ ان کا کام ہے اور نہ ہی وہ ایسا کر سکتے ہیں۔"

اسی طرح سورۂ فرقان میں ارشادِ خداوندی ہے:

﴿مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ﴾ (سورۂ فرقان)

"ان کے خود ساختہ معبودانِ باطل کہیں گے: ہمیں یہ کب مناسب تھا کہ ہم تیرے سوا کسی اور کو اپنا کارساز بناتے۔"

کلام میں شرک:

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کی ایک قسم گفتگو میں شرک بھی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کے علاوہ کسی اور نام سے قسم کھانا شرک کی اسی قسم کے ضمن میں آتا ہے جیسا کہ مسند احمد اور ابوداؤد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی منقول ہے

﴿مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ أَشْرَكَ﴾

"جس نے اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا کسی اور نام سے قسم کھائی تو اس نے شرک کیا" (ترمذی، حاکم)

اسی طرح کسی مخلوق کو "جو اللہ چاہے اور جو تو چاہے" کہنا بھی شرک کی اسی قسم کا حصہ ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کسی نے "اللہ چاہے اور آپ چاہیں" کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿اجعلتني لله ندا﴾

"تم مجھے اللہ کا برابر ٹھہراتے ہو؟"

اگر ایسا کہنا ہی ہے تو ماشاء اللہ وحدہ کہو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ برابری پر کس قدر بار گراں و ثقیل ہے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے بندے کے لئے مشیت کو ان الفاظ کے ساتھ ثابت بھی کیا ہے۔

﴿لمن شاء منكم أن يستقيم﴾ (التکویر)

"جو تم میں سے سیدھا چلنا چاہے"

ذرا غور فرمائیے کہ وہ شخص کس قدر غیظ و غضب کا مستحق ہوگا جو کسی سے کہتا ہے کہ "میں تجھ پر اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہوں"۔ "میرے لئے اللہ اور آپ کافی ہیں"۔ "یہ اللہ اور آپ کی عنایت ہے" "یہ تو اللہ تعالیٰ کی اور آپ کی برکت کا نتیجہ ہے" "آسمان پر اللہ اور زمین پر آپ میرا سہارا ہیں"۔ یا کہتا ہے کہ "اللہ اور فلاں کی بندگی میرے لئے کافی ہے"۔ یا کہتا ہے کہ "نذر اللہ نیز فلاں"۔ یا "میں اللہ اور فلاں شخص کے لئے توبہ کرتا ہوں" جیسے الفاظ اپنی زبان پر لاتا ہے۔

ذرا ان مذکورہ الفاظ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے "ما شاء اللہ وشئت" کہنے والے کے اس قول جس کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار ناراضگی فرمایا تھا، میں موازنہ (تقابل) کیجئے کہ ان میں سے کون لفظ زیادہ سخت

اور قائل کی نیت ہے، تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ مذکورہ کلمات کہنے والا اس شخص
سے ... کہنے والے کے مقابلے میں زیادہ وقائل، واقعہ و وقائع مذمت ہے اس لئے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "اللہ جو چاہے اور آپ چاہیں" کہنے والے نے تو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے کہا اور ان کلمات کو کہنے والے نے تو ایسے
لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر قرار دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گرد تک کو نہیں پہنچ
سکتے بلکہ ممکن ہے کہ آپ کے دشمنوں میں ہوں۔ چنانچہ سجدہ، عبادت، توکل، انابت،
تقویٰ، توبہ، نذر، قسم، تسبیح، تکبیر، تہلیل، تحمید، استغفار، بیت اللہ کا طواف، اور دعا وغیرہ
سارے کے سارے اللہ کے حقوق میں سے ہیں۔ اللہ کے سوا کسی کے لئے بھی
مناسب نہیں حتیٰ کہ کسی مقرب فرشتے اور کسی نبی مرسل کے لئے بھی جائز نہیں۔ مسند
احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا
گیا جو کسی گناہ کا مرتکب تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو کر اس نے کہا
"اے اللہ میں تیری طرف عفو و درگذر کے لئے رجوع اور توبہ کرتا ہوں اور معافی و
بخشش کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم
نے سن کر فرمایا اس نے اصل حق دار کو پہچان لیا۔

ارادے اور نیت میں شرک:

ارادے اور نیت کا شرک ایسا بے کنار سمندر ہے جس کا کوئی ساحل ہی
نہیں۔

بہت کم لوگ ہیں جو اس سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ غیر اللہ کے
لئے کوئی عمل کرنے، غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت کرنے اور اس سے جزاء

طالب ہونا شرک فی الصفۃ کی مثال ہے۔ جو اخلاص کے منافی ہے اور اخلاص کہتے ہیں اپنے اقوال، افعال، ارادے اور نیت کو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص کرنا۔ یہی وہ ملت ابراہیمی ہے جس پر چلنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں کو حکم فرمایا ہے نیز یہ کہ اس کے بغیر کسی عمل کو قبول نہیں فرمائیں گے اور یہی اسلام کی حقیقت ہے۔

چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (آل عمران: ٨٥)

"جو لوگ اسلام کے علاوہ اور کوئی دین تلاش کریں گے تو وہ ان سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں خاسرین میں سے ہوگا"

یہی ملت ابراہیمی ہے اس سے روگردانی کرنے والا صدرجے کا احمق ہوگا۔

فصل

شرک کی حقیقت:

اس مقدمہ کو اگر آپ سمجھ گئے ہیں تو سوال مذکورہ کے عقدے کھل جائیں گے اور جواب تحریر واضح ہوگا۔

تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے ہم اس کی وضاحت کی طرف آتے ہیں۔ شرک کی حقیقت خالق کو مخلوق کے ساتھ اور مخلوق کو خالق کے ساتھ تشبیہ دینا ہے۔ حقیقت تشبیہ یہی ہے۔ ان صفات کے اثبات کو تشبیہ نہیں کہتے جن سے اللہ نے اپنی ذات کو موصوف کیا ہے اور نہ ہی ان صفات کے اثبات کو تشبیہ کہا جائے گا جن سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو متصف فرمایا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جن کے دلوں کو اندھا اور بصیرت کو ختم کر دیا ہے انہوں نے اس معاملہ کو الٹا سمجھا ہے چنانچہ وہ توحید کو

تشبیہ اور تشبیہ کو طاعت و تعظیم خیال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی خاص صفات کو مخلوق کے لئے ثابت کرنے والا مشرک ہے اللہ تعالیٰ کی خاص صفات میں سے نفع و نقصان، عطا و اور منع کا مالک ہونا ہے اور اسکا تقاضا ہے کہ دعاء، خوف، رجاء اور توکل اللہ تعالیٰ ہی پر کرنا چاہیئے۔ چنانچہ ان میں سے کسی ایک کو بھی کسی مخلوق سے متعلق سمجھا تو اس نے مخلوق کو اللہ تعالیٰ سے تشبیہ دی۔ اور اس نے تو اس چیز کو جو اپنے نفس کے لئے بھی منفعت و مضرت اور موت و حیات پر قادر نہیں (چہ جائے کہ دوسرے کے لئے۔) اس ذات کے ساتھ تشبیہ دی جو تمام امور کا مالک کل ہے۔ تمام کی باگ دوڑ اسی کے ہاتھ میں ہے جسکو جو چاہے وہ ہوگا اور جس کو نہ چاہے نہیں ہوگا وہ جس کو عطا کرے کوئی روکنے والا نہیں۔ اور جس کو روکے اسکو کوئی دے نہیں سکتا۔ بلکہ وہ اپنے بندے کے لئے رحمت کے دروازے کھول دے اسے کوئی بند کرنے پر قادر نہیں اور اگر وہ اسے بند کرنے پر آئے تو کوئی کھول بھی نہیں سکتا۔

بدترین تشبیہ یہی ہے کہ حقیقی فقیر اور بالذات محتاج کو قادر مطلق ذات کے ساتھ تشبیہ دی جائے۔

اللہ تعالیٰ کی ایک ایک خصوصیت ہر لحاظ سے کامل ہے جس میں ادنیٰ نقص کا شائبہ تک ممکن نہیں ہے۔ تو اس کا بھی تقاضا ہے کہ عبادت صرف اسی اکیلی ذات کی کی جائے۔ صرف اسی کی تعظیم بجا لائی جائے صرف اسی سے ڈرا جائے۔ اسی سے امیدیں وابستہ کی جائیں۔ دعاء، انابت، توبہ، توکل اور استعانت اسی سے مانگی جائے۔ انتہائی محبت کے ساتھ اسی کے سامنے سجدہ ریز ہوا جائے۔ یہی عین عقل، فطرت اور شریعت کا تقاضا ہے۔ ان چیزوں کو غیر اللہ کے لئے کرنے کو عقل، فطرت اور شریعت منع کرتی ہیں۔ چنانچہ مذکورہ اشیاء میں ایک کو بھی کسی غیر اللہ کے لئے انجام دیا تو اس نے اس غیر اللہ کو اس عظیم ذات گرامی کی طرح جانا جس کی کوئی نظیر نہیں، مثل نہیں، کوئی ہمسر ممکن نہیں۔ یہ تشبیہ کی انتہائی بدتر اور قبیح ترین صورت ہے۔

اسی بدترین تشبیہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ شرک کا گناہ

ہرگز معاف نہیں ہوگا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کو اپنے لئے لازم قرار دیا ہے۔

خصوصیات الٰہیہ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خالص اسی کی عبادت و بندگی کی جائے جو دو اہم بنیادوں پر قائم ہو۔ ایک کمال محبت اور دوسرا کمال تذلل۔ یعنی کمال محبت کے ساتھ کمال تذلل ہو۔ یہی کمال عبدیت ہے۔

لوگوں میں عبادت میں فرقِ مراتب انہی دو اصولوں میں تفاوت و کمی بیشی کے اعتبار سے ہیں۔

لہٰذا جس شخص نے اپنی محبت اور تذلیل کو غیر اللہ کے ساتھ وابستہ کر دیا تو اس نے خالص اللہ تعالیٰ کے حق کے ساتھ غیر کو ہمسر کیا ہر شریعت میں اس کی نفی ہے اور عقل و فطرت کے بھی خلاف ہے۔ عقل بھی اس کو ناجائز سمجھتی ہے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ شیطان نے لوگوں کی عادات و عقول کی حالت کو بدل دیا ہے ان کو برباد کر کے رکھ دیا ہے اصل فطرت پر وہی لوگ قائم اور دائم ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہوئی ہے جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مبعوث فرمائے اور ان کی فطرتوں اور عقلوں کے عین موافق احکامات نازل فرمائے تو فطرت و عقل کی روشنی کے ساتھ وحی کی روشنی مل گئی تو ان کا نور دوبالا ہو گیا۔ سورہ نور میں اللہ کا بھی فرمان ہے:

﴿يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (سورۃ نور)

"اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں اس کی اپنے نور کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں۔"

جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو آپ یہ بھی یقیناً سمجھ گئے ہوں گے کہ سجدہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ لہٰذا غیر اللہ کے سامنے سجدہ کرنا مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرح سمجھنا ہے (جو شرک کی ایک قبیح ترین قسم ہے)۔ توکل بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصیت ہے لہٰذا غیر اللہ پر توکل و بھروسہ کرنا بھی غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تشبیہ دینا ہے۔ اسی طرح رجوع و توبہ بھی اللہ ہی سے کی جاتی ہے لہٰذا غیر اللہ کے سامنے توبہ اور رجوع کرنا بھی مخلوق کو خالق کے ہمسر ٹھہرانے کے مترادف ہے۔

اللہ تعالیٰ کی خصوصیت میں سے ایک خصوصیت تعظیم و احترام سے طور پر اللہ تعالیٰ کے اسمِ گرامی سے قسم کھانا ہے۔ چنانچہ کسی نے اگر غیر اللہ کے نام پر قسم کھائی تو اس نے اس معاملے میں غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کی طرح سمجھا۔

خود کو بڑا سمجھنا، خود کو عظیم تر سمجھ کر دوسروں کو اپنی تعریف و تعظیم کرنے سے امید رکھنا، اپنے مطیع و فرماں بردار بنانے کی طرف دعوت دینا بھی تشبیہ کی ایک قسم ہے۔ ایسا کرنے سے گویا وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی ربوبیت و الوہیت میں منازعت کر رہا ہے۔ مگر ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ انتہائی ذلیل کر دیں گے حتیٰ کہ لوگوں کے قدموں میں ذلّت کے انتہائی درجے تک پہنچا دیں گے۔ چنانچہ ایک حدیثِ قدسی میں آیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿العظمة ازاری والكبرياء ردائي فمن نازعني واحدا منهما عذبته﴾

"عظمت و جلال میرا ازار ہے اور کبر میری چادر ہے لہٰذا جو شخص اس میں مجھ سے تنازع پیدا کرے گا تو میں اس کو سخت عذاب میں مبتلا کروں گا۔" (مسند احمد)

ذرا غور و فکر سے کام لیجئے۔ ایک مصور کسی مخلوق کی تصویر بنا کر ظاہری تشبیہ کی بنا پر سخت عذاب میں مبتلا ہو سکتا ہے تو وہ شخص عذاب سے کیسے بچ سکتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی ربوبیت سے مشابہت کرتا ہے۔ مصور کے عذاب میں مبتلا ہونے کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی یوں ہے:

﴿ان اشد الناس عذابا يوم القيامة المصورون يقال لهم احيوا ما خلقتم﴾ (صحیح بخاری)

"قیامت کے دن مصور سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ ان سے کہا جائے گا کہ ان تصویروں میں روح ڈالو۔"

ایک اور حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو میرے جیسی مخلوق بنانے
کی کوشش کرتا ہے (اگر ایسی ہمت ہے) تو جَو کا ایک ذرہ پیدا کر
کے دکھادے"

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ظاہر صورت میں تشبیہ پر اتنا شدید عذاب ہے تو اللہ تعالیٰ کی خاص صفت الوہیت اور ربوبیت میں شریک ہونے کا عذاب کتنا شدید ترین اور سخت ترین ہوگا؟

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی مثلاً ملک الملوک، حاکم الحکام جیسے ناموں سے خود کو موصوف کرکے بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ ذلیل، مغضوب و قابل نفرت وہ شخص ہے جو خود کو شاہان شاہ کہلواتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ صرف نام میں مشابہت پر اس طرح کا سخت غضب و ناراضگی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل احکم الحاکمین، وہی ملک الملوک یعنی تمام بادشاہوں کو حکم دینے والا ہے۔

فصل

اللہ تعالیٰ کے متعلق بدگمان ہونا:

اس وضاحت کے بعد یہاں اصل مسئلہ کا ایک اہم راز کھل جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ تمام گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے بارے بدگمان ہونا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے سوءظن رکھنے والا اللہ تعالیٰ کے عظیم کمال کے خلاف گمان رکھتا ہے۔ ان کے عظیم اسماء و صفات کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سے بدگمان ہونے والوں کو ایسی دھمکی دی ہے جو کسی اور کو نہیں دی۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

﴿عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ (الفتح: ۶)

”جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے برا گمان رکھتے ہیں انہی پر بری گردش ہے اور ان پر اللہ نے غضب نازل کیا اور ان پر لعنت کی اور ان کے لئے دوزخ تیار کر رکھا ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے“

اللہ تعالیٰ کی کسی صفت پر انکار کے متعلق ارشاد ہے:

﴿وَذَٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (فصلت: ۲۳)

”اور تمہارے اسی خیال نے جو تم نے اپنے رب کے بارے کیا تھا تمہیں برباد کیا پھر تم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو گئے“

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنی قوم سے خطاب کے بارے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَاذَا تَعْبُدُونَ ۝ أَئِفْكًا آلِهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ ۝ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝﴾ (الصافات: ۸۵)

”تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ کیا تم اللہ کے سوا من گھڑت معبودوں کو چاہتے ہو؟ تو پھر رب العالمین کے بارے میں تم کیا گمان رکھتے ہو“

یعنی تمہارا کیا خیال ہے کہ تم غیر کی عبادت کر کے کل قیامت کے دن اس کے سامنے حاضر ہو گے تو تمہیں کیا جزا دے گا؟۔ عبادت غیر کی کر کے اس سے کیا گمان رکھو گے۔

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ، اس کی صفات عظمیٰ اور ربوبیت میں تمہیں کون سی کمی نظر آئی کہ تم غیر اللہ کی عبادت کرنے پر مجبور ہو گئے؟

کاش کہ تم اللہ تعالیٰ کے بارے وہ عقیدہ رکھتے جو اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے مثلاً وہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ اپنے تمام ماسواء سے مستغنی ہے۔ اور ساری مخلوق اسی کی محتاج ہے۔ وہی اپنی مخلوق پر عدل قائم کرنے والا ہے۔ وہی اپنی مخلوق کی تدبیر کرنے میں یکتا و یگانہ ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ پورا عالم اپنی تمام چیزوں کے ساتھ اس کے علم میں ہے اس میں کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔ وہی ان تمام مخلوقات کے لئے اکیلا ہی کافی ہے۔ اسے کسی معین و مددگار کی ہرگز ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی رحمت عام کرنے کے لیے کسی کی فراہم کردہ معلومات کی حاجت نہیں ہے جب کہ دنیاوی بادشاہوں کے لئے اپنی رعیت کے بارے میں معلومات درکار ہوتی ہیں جو کسی سے انہیں حاصل ہوتی ہیں۔ اور رعیت کی ضروریات پوری کرنے کے لئے دوسروں سے مدد لینے کے محتاج ہیں۔ اپنی کمزوری، کم علمی اور عجز کی وجہ سے۔ مگر جہاں تک قادر مطلق بے نیاز، اعلم بکل شیء، رحمن و رحیم جس کی رحمت تمام عالم پر محیط ہے کا تعلق ہے تو اس کے اور اس کی مخلوقات کے درمیان وسائط کو داخل کرنا اس کی ربوبیت، الوہیت اور توحید میں خلل ڈالنا ہے۔ اس کے بارے بدگمانی ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ شرعاً عقلاً اور فطرتاً محال ہے اور ہر عقل سلیم اس کی قباحت شدید کی معترف ہے۔

یہ بات بھی واضح ہے کہ کسی کی عبادت کرنا معبود کی تعظیم کرنا ہے جو عابد اپنے معبود کے سامنے تذلل اختیار کرتا ہے۔

سب سے زیادہ مناسب تعظیم و تکریم اور انتہا درجہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ خضوع، تذلل اسی کا حق ہے۔ حق مقدار کو تو دینا اس کے حق میں خود کسی کو

شریک کرنا بدترین ظلم ہے۔ اس ظلم کی قباحت اس وقت مزید بڑھ جاتی ہے جب [illegible] جیسے غلام اپنے مولیٰ کے سامنے کرے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِنْ أَنْفُسِكُمْ ۖ هَلْ لَكُمْ مِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ شُرَكَاءَ فِي مَا رَزَقْنَاكُمْ فَأَنْتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ (الروم: ۲۸)

"وہ تمہارے لئے تمہارے ہی حال کی ایک مثال بیان فرماتے ہیں کیا جن کے تم مالک ہو وہ اس رزق میں جو ہم نے تمہیں دیا تمہارے شریک ہیں اور تم اس میں برابر کے شریک ہو؟ اپنوں سے ڈرنے کی طرح ان سے ڈرتے ہو اسی طرح عقل مندوں کے لئے ہم آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔"

یعنی تم اپنے رزق میں اپنے غلام کے شریک ہونے کو گوارا نہیں کرتے ہو تو پھر میرے غلاموں کو میرے ساتھ شریک کیوں ٹھہراتے ہو حالانکہ میں اپنی الوہیت میں یکتا ہوں میرے سوا کوئی بھی صفت الوہیت سے متصف نہیں ہو سکتا۔

جس نے اس کے خلاف کیا تو اس نے میری قدر نہیں کی اور نہ میری تعظیم و بجا لایا۔ نہ ہی مجھے تمام قدرت میں اکیلا اور منفرد لاشریک سمجھا۔ ایسے لوگوں کے بارے فرمان الٰہی ہے

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ ۖ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ۚ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۗ إِنَّ

﴿إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ (الحج: ۷۳-۷۴)

"اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے خوب کان لگا کر سنو۔ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے اگرچہ وہ سب اس کے لئے جمع ہو جائیں اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین لے جائے تو اس کو مکھی سے چھڑانے پر قادر نہیں۔ عابد و معبود دونوں ہی عاجز ہیں انہوں نے اللہ کی کچھ قدر نہیں کی۔ بے شک اللہ زوروالا غالب ہے۔"

جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی کمزور و ناتواں مخلوق کو شریک قرار دیا جس سے مکھی کچھ چھین لے تو اسے بھی نہیں چھڑا سکتا تو یقیناً وہ شخص اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت سے یکسر غافل و جاہل ہے۔

ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾

"انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر کا حق ادا نہیں کیا جیسے کہ اس کی قدر دانی کا حق ہے۔ قیامت کے دن یہ ساری زمین ان کی مٹھی میں ہوگی اور سارے آسمان لپٹے ہوئے ان کے داہنے ہاتھ میں ہوں گے۔ وہ تمام عیوب سے اور شرکاء سے پاک و بلند و بالا ہے۔" (الزمر: ۶۷)

یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ کسی دوسرے کی بھی عبادت کی تو اس نے اللہ کی قدر پہچانی ہی نہیں۔ کیونکہ اس نے عاجز ترین مخلوق کو ہر چیز پر غالب قوی ذات کے برابر ٹھہرا دیا۔

اس طرح اس شخص نے اللہ کی سخت ناقدری کی جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول مبعوث ہونے اور کتابیں نازل ہونے کا انکار کیا تو اس نے اس انکار سے گویا اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی مخلوق سے غفلت برتنے، ان کو ضائع کرنے، ان کو بے کار چھوڑنے اور فضول و بے کار پیدا کرنے کی غلط نسبت کی، اسی طرح اس شخص نے بھی اللہ کی سخت ناقدری کا ارتکاب کیا جس نے اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کے حقائق اور ان کی عظیم صفات کی نفی کی اور اللہ تعالیٰ کے سمیع و بصیر ہونے اس کے ارادے اور اختیارات اور مخلوقات پر برتری اور کلام اللہ جیسی عظیم و اعلیٰ صفات کا انکار کیا۔ اس نے اس کی عموم قدرت اور مخلوق کے جملہ افعال اطاعت میں نافرمانی سے اللہ تعالیٰ کو بے خبر سمجھا اور اس کے احاطہ اختیار سے مخلوق کو خارج سمجھا۔ اور مخلوق کو خود مختار گردانا اور یہ عقیدہ رکھا کہ اس کے ملک جو کچھ ہوتا ہے وہ اس سے لاتعلق ہے۔ یعنی وہ نہیں ہوتا جو کچھ وہ چاہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مجوسی نما لوگوں کے عقائد سے بلند و برتر اور پاک و منزہ ہے۔

اور اسی طرح وہ لوگ بھی اللہ تعالیٰ کو سمجھنے سے قاصر رہے جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ بندے کو ناکردہ گناہ کی سزا دیتے ہیں۔ یعنی انسان اپنے اختیار سے کوئی فعل انجام نہیں دے سکتا بلکہ جو کچھ وہ کر رہا ہے اللہ تعالیٰ کا فعل ہے بندہ تو مجبور محض ہے۔

یعنی کرنے پر مجبور بھی کرتا ہے پھر کرنے کے بعد سزا بھی دیتا ہے حالانکہ یہ عام سی بات ہے کہ ایک آقا اپنے غلام کو کسی کام کو کرنے پر مجبور کرے پھر اس کام کو انجام دینے پر سزا بھی دے تو یہ عقل و فطرت دونوں کے رو سے قبیح اور غلط ہے۔ تو سب سے زیادہ عادل، سب سے زیادہ رحیم و کریم ذات کسی کام کو کرنے پر مجبور بھی کر دے اور کرنے پر سزا بھی دے۔ اور طرح یہ کہ انسان کا اس فعل و عمل میں ادنیٰ دخل بھی نہ ہو یہ تو ظلم ہے۔

اللہ تعالیٰ اس ظلم سے یقیناً منزہ مبرا اور پاک ہے۔ یہ بدترین مسلک ہے اور اس قسم کے مجوسیوں کے عقائد زیادہ خطرناک ہیں لہٰذا یہ طبقہ اور پہلا طبقہ دونوں

اللہ تعالیٰ کو نہیں سمجھ پائے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی قدر دانی سے وہ شخص بھی یکسر خالی و عاری ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ موجود ہونے کا عقیدہ اس طرح رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو گندے مقامات اور نامناسب جگہوں میں موجودگی سے بھی اللہ کو محفوظ نہیں سمجھتا۔ اور عرش پر مستوی ہونے سے اس کی ذات کو منزہ سمجھتا ہے۔ تو یہ شخص بھی احمق اور نادان ہے اور اللہ کی عظمت و کبریائی سے نابلد ہے۔

حالانکہ فرمان الٰہی تو یہ ہے:

﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ﴾ (فاطر:۱۰)

''اسی کی طرف سب پاکیزہ باتیں چڑھتی ہیں اور وہی نیک عمل کو بلند کرتا ہے۔''

اور فرشتے اور روح الامین اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور اسی کی طرف سے نیچے اترتے ہیں۔ سورۂ سجدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے

﴿يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ﴾ (سجدہ:۵)

''آسمان سے لے کر زمین تک ہر کام کی تدبیر وہی کرتا ہے پھر وہ ملائکہ اسی کی طرف چڑھتے ہیں۔''

اللہ کا فرمان تو یہ ہے۔ جب کہ مذکورہ عقائد کا حامل شخص اللہ تعالیٰ کو تخت خدائی سے خالی کر کے ہر اس جگہ پر موجود سمجھتا ہے جہاں خود انسان رہنا گوارا نہیں کرتے۔ بلکہ انسان تو انسان حیوان بھی اس میں رہنا گوارا نہیں کرتے۔

اسی طرح وہ لوگ ذات خداوندی کی حقیقت کو سمجھنے سے انتہائی قاصر رہے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے محبت، رحمت، رضا، غصہ اور ناراضگی کی صفت کی نفی کی

وجہ سے۔

ذرا یہودیوں کے اس عقیدے اور ان کے بھائی رافضیوں کے عقیدے کے درمیان موازنہ کیجئے تو ان کے درمیان کوئی فرق نہیں پاؤ گے۔ دونوں کو شاعر کے اس شعر کا مصداق پاؤ گے۔

رضیعی لبان ثدی ام تقاسما بأسحم داج عوض لا نتفرق

ترجمہ: ایک ہی ماں کے دودھ شریک بھائی ہیں جنہوں نے پکی قسم اٹھائی کہ کبھی جدا نہیں ہوں گے۔

اسی طرح وہ لوگ بھی انتہائی گمراہی اور اللہ تعالیٰ کی ناقدری کا شکار ہیں جن کا عقیدہ خدا تعالیٰ کے متعلق یہ ہے کہ یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان دوستوں کو عذاب دے جو پلک جھپکنے کی مقدار میں بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے، اور ان کو جہنم میں داخل کرے اور اپنے ان دشمنوں کو نعمتوں سے نوازے اور جنت نعیم میں داخل کرے جو ایک لمحہ کے لئے بھی اس پر ایمان نہیں لائے۔ یہ دونوں امر اس کے لئے مشترک ہیں اور کتاب وسنت میں اس کے خلاف جو مواد موجود ہے وہ صرف ایک خبر کی حیثیت رکھتا ہے نہ کہ حکمت وعدالت کے منافی۔

چنانچہ ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سخت دھمکی دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذَٰلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ ۝ أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ﴾ (ص: ۲۷-۲۸)

"اور ہم نے زمین وآسمان کو اور جو ان کے درمیان ہے بے کار

تو پیدا نہیں کیا، یہ تو کافروں کا خیال ہے، تو کافروں کے لئے ہلاکت ہے جو آگ ہے۔ کیا ہم ایمان دار عمل صالح کرنے والوں کو مفسدین کی طرح (برا) دیں گے؟ یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کی طرح کر دیں گے؟"

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝ وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ (پ ۲۵، ۲۱-۲۲)

"کیا نافرمانی کرنے والوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم انہیں ایمانداروں اور نیک کام کرنے والوں کے برابر کر دیں گے۔ ان کا جینا مرنا برابر ہے، یہ بہت برا فیصلہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے زمینوں اور آسمانوں کو کسی مقصد کے لئے پیدا فرمایا ہے اور تاکہ ہر ایک نفس کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے اور ان پر کسی قسم کا بھی ظلم نہیں ہوگا۔"

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

﴿أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ﴾ (ن ۳۵)

"کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں کی طرح کر دیں گے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیسے فیصلے کرتے ہو۔"

اسی طرح ان لوگوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی سخت ناقدری کی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ گمان کیا کہ اللہ نہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا اور نہ ہی مرنے کے بعد دوبارہ قبور سے اٹھائے گا اور نہ ہی روزِ قیامت ان کو جمع کرے گا کہ جس دن محسن کے احسان اور بدکار کی بدی کا بدلہ دیا جائے گا۔ اور مظلوم ظالم سے اپنا بدلہ لے گا۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے خاطر مشقتیں اٹھانے والوں کا اکرام کیا جائے گا اور کافروں کی بھی خبر لی جائے گی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حکم کو ہلکا سمجھ کر ٹھکرا دینے والے نے بھی اللہ تعالیٰ کی قدر شناسی نہیں کی ہے۔ ذکر الٰہی سے غافل رہا، رضا الٰہی کے مقابلے میں نفس کی خواہشات کو ترجیح دی۔ اطاعت خداوندی سے لوگوں کی اطاعت کو اہم سمجھا۔ قول و فعل اور علم و عمل میں نہ تو حصہ کو اللہ کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔ اللہ کے سوا ساری چیزیں ان کے نزدیک اہم اور مقدم ہیں۔ اپنے دل و جوارح دونوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ رہنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ وہ اللہ کے قبضہ قدرت سے باہر نہیں۔ لوگوں سے شرماتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ سے حیا نہیں کرتے۔ مخلوق سے ڈرتے ہیں مگر خالق کا خوف دل میں نہیں۔ لوگوں کے ساتھ معاملہ بہتر انداز سے کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کا معاملہ مجبوری سے طریقے پر۔ اپنے پسندیدہ کسی شخص کا کام کرنے لگے تو پوری تندہی، محنت جانفشانی، انتہائی خیر خواہی، دل و جان لگا کر اور اپنی بہت ساری مصلحتوں کو اس پر قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ اپنے رب کے کام کے لئے اگر ایک منٹ کے لئے بھی کھڑا ہوا تو اس انداز سے کہ اس سے کوئی مخلوق بھی راضی نہیں ہے اور اس کے لئے ایسا مال صرف کرتا ہے جو کسی انسان کو دیتے ہوئے بھی شرم آئے۔ ذرا غور سے کام لیں کیا اللہ کی یہ قدر دانی ہے؟

غرض اللہ ہی کے حقوق اجلال، تعظیم، طاعت ان کے خشوع و خضوع ان

ہی سے خوف رہے۔ یہ بھی دوسروں کو شریک کرنا گویا ان کی قدردانی اور حق شناسی ہے کہ
اللہ تعالیٰ کے محبوب و مقرب بندوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا اگر عزت
و احترام، اجلال کی حق تلفی ہو رہی ہے اور خاص اللہ تعالیٰ کے حق میں شریک کرنا ہے تو
ذلیل و حقیر اور حقیقی دشمن کو شریک بنانے کی قباحت کتنی سخت ہوگی۔ یہ تو صرف شیطان
کی عبادت ہوگی۔

جیسے کہ فرمان خداوندی ہے

﴿أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ
إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ وَأَنِ اعْبُدُونِي هَٰذَا صِرَاطٌ
مُسْتَقِيمٌ ۝﴾ (یٰس: ۶۱)

"اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تمہیں تاکید نہیں کی تھی کہ
شیطان کی تابعداری مت کرو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے
اور میری ہی عبادت کرنا یہی راست طریقہ ہے۔"

یہ لوگ فرشتوں کی عبادت کرکے دراصل شیطان کی عبادت کرتے ہیں مگر
اپنی دانست میں سمجھتے ہیں کہ فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں۔

جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَٰؤُلَاءِ
إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ۝ قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ
دُونِهِمْ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ
مُؤْمِنُونَ ۝﴾ (سبا: ۴۰-۴۱)

"جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے فرمائے گا
کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے؟ تو فرشتے کہیں گے

قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْإِنسِ ۖ وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُم مِّنَ الْإِنسِ
رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ
لَنَا ۚ قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ
إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿الانعام: ۱۲۸﴾

"اور اس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کریگا تو جنوں کی جماعت
سے فرمائے گا کہ تم نے انسانوں میں سے بہت سے گمراہ کر کے
تابع کر لیے تھے اور جنوں کے انسان دوست کہیں گے۔ اے
ہمارے رب ہم میں سے ہر ایک نے دوسرے سے کام نکالا اور
اپنے میعاد کو ہم پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے مقرر کی تھی۔ اللہ
تعالیٰ فرمائیں گے تم سب کا ٹھکانہ جہنم ہے جس میں ہمیشہ رہو
گے۔ اس سے صرف وہی لوگ بچیں گے جنہیں اللہ بچائے گا
تیرا رب یقیناً حکمت والا اور جاننے والا ہے۔"

شرک اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام گناہوں سے بڑھ کر ناقابل معافی گناہ ہے۔
اس میں ایک لطیف اشارہ ہے وہ یہ کہ اس کی حرمت اور قباحت صرف نہی ہی کی وجہ
سے نہیں بلکہ یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنے غیر کی عبادت کی ادنیٰ
گنجائش بھی دے دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی قدرت، اپنی جلالت و عظمت
کے خلاف عمل کرنا محال و ناممکن ہے تو ربوبیت و الوہیت، عظمت و جلال کی عظیم
صفات سے متصف عظیم ذات مشارکت پر کیسے راضی ہو سکتی ہے۔

تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا

فصل

شرک وتکبر:

جس طرح شرک اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ خلقت اور شریعت کے سراسر منافی ہونے کی وجہ سے شریعت کے نزدیک تمام کبائر سے سب سے بڑا کبیرہ گناہ ہے اسی طرح تکبر بھی اپنے تمام توابع کے ساتھ شرک کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور انبیاء پر کتب نازل فرمائیں تاکہ نبی کی اطاعت کی جائے جب کہ شرک و تکبر اس عظیم مقصد کے منافی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مشرک اور متکبر پر جنت جیسی عظیم نعمت کو حرام قرار دیا۔ چنانچہ وہ شخص جنت میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو۔

فصل

اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات اور افعال کے متعلق بغیر علم کے کلام کرنا اور قرآن وسنت میں بیان شدہ صفات کے خلاف صفات بیان کرنا مفسدے کے اعتبار سے کبر کے مفسدے سے ملتا جلتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کمالِ خلق اور کمالِ امر کے سخت منافی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خصوصیات اور منصب ربوبیت میں سخت گستاخی ہے۔ اور اگر یہ گناہ جاننے کے باوجود ہوا تو سخت عناد اور شرک سے بھی اس کی قباحت زیادہ اور سخت ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ کا اقرار کرنے کے ساتھ شرک کرنے والا اللہ تعالیٰ کی صفات کا منکر مشرک سے کم تر ہے۔ جیسا کہ ایک شخص بادشاہ کی بادشاہت، اور اس کے کمال کو مان کر اس کے بعض معاملات میں دوسروں کو شریک مانتا ہے اس شخص سے یقیناً جرم کے لحاظ سے کم تر ہے جو سرے سے بادشاہ کی بادشاہت کا منکر ہے۔ جب یہ بات عقل وفطرت کے مطابق انتہائی غلط ہے تو اللہ

تعالیٰ جو عظیم صفات کا مالک ہے اسے چھوڑ کر غیر کی عبادت کر کے اس کی صفات کا انکار کیسے جائز ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار لاعلاج مرض ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے صفاتِ باری تعالیٰ کے سب سے بڑے منکر فرعون کا واقعہ بیان فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا رب آسمانوں سے بھی اوپر ہے تو فرعون نے کہا:

﴿يَا هَامَانُ ابْنِ لِي صَرْحًا لَّعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ ۝ أَسْبَابَ السَّمَاوَاتِ فَأَطَّلِعَ إِلَىٰ إِلَٰهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ كَاذِبًا﴾ (غافر: ۳۶، ۳۷)

"اے ہامان! تو میرے لئے ایک محل بنا تاکہ میں راستوں تک پہنچوں (یعنی) آسمان کے راستوں تک پھر موسیٰ کے رب کے بارے معلومات حاصل کروں، میں سمجھتا ہوں وہ جھوٹ بولتا ہے۔"

حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ نے فرقِ معتزلہ پر رد کرنے کے لئے اس آیت سے استدلال کیا ہے جس کا تذکرہ میں نے دوسری کتاب میں کیا ہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کے متعلق گفتگو کرنا اور شرک آپس میں لازم و ملزوم ہیں اور بدعت جو صفاتِ باری تعالیٰ سے جہالت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غلط نظریہ اگرچہ کفر سے کم ہے مگر گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ ہے۔ اور شیطان کو سب سے پسند بھی یہی بدعت آتی ہے۔

کسی بزرگ کا قول ہے: عام معصیت کی نسبت بدعت ابلیس کو زیادہ محبوب ہے۔ اس لئے کہ معصیت کے بعد توبہ کی توفیق ہوتی ہے۔ جب کہ بدعت سے توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی ہے۔

ابلیس کا قول ہے: میں انسان سے گناہ کروا کر ہلاک کرتا ہوں اور وہ استغفار اور کلمہ طیبہ کے ورد سے مجھے ہلاک کرتا ہے۔ جب میں نے یہ محسوس کیا تو میں

کو چھپانے کے لئے خواہشات کا لبادہ پہنا دیا۔ چنانچہ بدعتی لوگ خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے
کرنے توبہ کی طرف نہیں آتے۔ کیونکہ وہ بدعت میں مبتلا ہو کر اس کو نیک عمل سمجھتے ہیں۔

اور یہ بات بھی واضح رہے کہ گناہ گار کا گناہ تو اس کی ذات کے ساتھ محدود ہے جب کہ بدعتی کا ضرر دوسروں پر بھی ہوتا ہے اور دینی نقصان بھی ہے اور کبھی تو بدعتی تو دین کو راہ راست سے بھٹکانے کے لئے صراط مستقیم پر بیٹھ جاتا ہے۔ جب کہ عام گناہ گار ایسا نہیں ہوتا اور بدعتی اللہ تعالیٰ کی صفات میں بدعت کا مرتکب ہے جب کہ گناہ گار کی یہ کیفیت نہیں۔ بدعتی دوسروں کے لئے راہ آخرت کا ڈاکو ہے جب کہ گناہ گار راہ آخرت کے لئے خود اس کے لئے سست ہے۔

فصل

ظلم و تعدی

اللہ تعالیٰ نے تمام عدل ہی کی بنیاد پر زمین قائم ہے۔ اور دنیا میں عدل قائم کرنے کے لئے انبیاء کو مبعوث فرمایا اور کتابیں نازل فرمائیں۔ ظلم و زیادتی عدل و انصاف کے منافی ہونے کی وجہ سے اہم اور خطرناک ہے۔ چنانچہ ظلم کا گناہ بڑا ہونا اس کے مفاسد اور خرابی کے بقدر ہے۔ چنانچہ اپنے سب سے چھوٹے بچے کو رزق کی کمی کے خوف سے مار ڈالنا ظلم کی قبیح ترین اور سخت صورت ہے اس لئے کہ بچے کے ساتھ محبت و رافت ہر انسان کی جبلت و فطرت میں موجود ہوتی ہے خصوصاً والدین کی محبت تو اپنے بچے کے ساتھ زیادہ ہوتی ہے۔ اسی طرح اپنے والدین کو قتل کرنا یا کسی قریبی عزیز کو قتل کرنا ظلم و تعدی کے قبیح ترین درجے میں ہیں۔

قتل کی قباحت اور اس کی خرابی کے لحاظ سے اور مقتول کے درجے اور استحقاق و منصب کے بقدر قتل کی مختلف قسمیں ہیں اسی وجہ سے حدیث شریف میں آیا

ہے۔ نبی کو قتل کرنے والا یا کسی نبی کے ہاتھوں قتل ہونے والا قیامت کے دن شدید ترین عذاب میں مبتلا ہوگا۔

امر بالمعروف نہی عن المنکر کرنے والے، حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف لوگوں کو دعوت دینے والے اور ان کے ساتھ خیر خواہی کرنے والے امامِ عادل کو قتل کرنے کی قباحت بھی نبی کے قتل کرنے کی طرح ہے۔

کسی مومن شخص کو قتل کرنے کی سزا ہمیشہ جہنمی ہونا، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مستحق ہونا اور سخت عذاب عظیم میں مبتلا ہونا ہے۔ البتہ قتل کے بعد بخوشی دوبارہ اسلامی احکام کو دل وجان سے قبول کرنا اس سزا کے نفاذ میں مانع ہوتا ہے۔

البتہ مسلمان کسی مسلمان کو قتل کر کے توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہوگی یا نہیں؟ اس سلسلے میں متقدمین ومتاخرین کے دو قول ہیں یہ دونوں قول حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے منقول ہیں۔

جن لوگوں کا خیال ہے توبہ سے قتل کی سزا ختم نہیں ہوگی وہ کہتے ہیں کہ یہ مقتول کا حق ہے جو قاتل سے بدلہ لئے بغیر دنیا سے چلا گیا۔ قیامت کے دن اس کا یہ حق لازماً اس کو دیا جائے گا۔ اور جو بدلہ مقتول کے ورثاء نے قصاص کی صورت میں لیا ہے وہ ان ورثاء ہی کا حق ہے۔ وہ چاہے اس کو وصول کریں یا معاف کر دیں۔ ورثاء کو قصاص لینے سے مقتول کو کیا حاصل ہوتا ہے۔ اس سے مقتول پر کئے گئے ظلم کا کیا تدارک تو نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ورثاء کے خون بہا حاصل کرنے سے مقتول کا حق ساقط ہرگز نہیں ہوگا۔ یہ قول راجح ہے حضرات شوافع وحنابلہ اسی کے قائل ہیں۔

دوسرا قول ان لوگوں کا ہے جو یہ کہتے ہیں: قاتل کے توبہ کرنے اور ورثاء کے خون بہا لینے سے اس کی سزا ختم ہو سکتی ہے اس لئے کہ توبہ سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور ان کا یہ بھی استدلال ہے کہ توبہ جب کفر وسحر کے اثرات کو مٹا سکتی ہے تو

قتل کے اثر کو کیوں نہیں مٹا سکتی؟ حالانکہ قتل کفر سے کم تر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے قاتل کفار کی توبہ قبول فرما کر اپنے بہترین بندوں میں شامل فرمایا ہے اور اپنے اولیاء کو جلانے اور آزمائش میں مبتلا کرنے والے کافروں تک کو توبہ کرنے کی طرف دعوت دی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا﴾ (زمر ۵۳)

''آپ کہہ دیجئے! اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کے گناہ بخش دے گا''

یہ توبہ کرنے والے کے بارے میں ہے یہ کفر اور کفر سے کم تر گناہ کو بھی شامل ہے۔

وہ لوگ بطور استدلال یہ بھی کہتے ہیں کہ گناہ کرنے کے بعد توبہ کرنے سے اگر گناہ پر سزا دی جائے تو توبہ کرنے کا کیا مطلب ہے یہ شریعت کے اصول کے منافی ہے۔

اور قاتل کی توبہ اپنے نفس کو حوالہ کرنا ہے لیکن مقتول کے نہ ہونے کی وجہ سے خود کو مقتول کے حوالہ کرنا تو ناممکن ہے لیکن شریعت نے اس کے ورثاء کو اس کا قائم مقام ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ خود کو مقتول کے ورثاء کے حوالہ کرنا مقتول کے حوالہ کرنے کی طرح ہے اور اس کے ورثاء کو مال دینا مقتول ہی کو مال دینے کا متبادل ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ تین قسم کے حقوق قتل سے متعلق ہوتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا حق۔

(۲) مقتول کا حق۔

(۳) مقتول کے اولیاء کا حق۔

اگر قاتل اپنے کئے پر پشیمان ہو کر اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے خود کو بخوشی مقتول کے اولیاء کے حوالے کر دے اور گناہ سے توبہ تائب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کا حق توبہ سے ساقط ہو جائے گا۔ اور مقتول کے اولیاء کا حق دیت یا صلح و معاف کرنے سے ادا ہو جائے گا۔ باقی رہ گیا مقتول کا حق۔ اس کو قیامت کے دن توبہ کرنے والے بندے کی طرف سے اپنی جانب سے اتنا عطا کریں گے کہ وہ اس سے راضی ہوگا۔ تو مقتول کا حق ضائع ہوگا اور نہ ہی توبہ کرنے والے کی توبہ بے کار ہوگی۔

حقوق مالیہ سے توبہ کا طریقہ:

کسی کا مال تلف کیا ہو اور اس کا مالک انتقال کر گیا ہو تو اس ذمے سے بری ہونے کا کیا طریقہ ہے؟ آیا اس کے ورثاء کو مال دینے کی صورت میں آخرت کے مواخذہ سے بچ جائے گا یا نہیں۔ اس سلسلے میں علماء کے دو طبقے ہیں۔

ایک طبقہ کہتا ہے: اپنے اوپر لازم مال کو اس کے ورثاء کے حوالے کر دے تو آخرت کے مواخذہ سے بچ جائیگا۔ جیسا کہ دنیا میں کسی کا حق اس کو پہنچا کر بری ہوتا ہے۔

دوسرا طبقہ کہتا ہے: جس سے مال چھینا ہے یا اس کا حق دبایا ہے ورثہ کو ادا کرنے کے باوجود قیامت کے دن مورث کو مطالبے کا حق ہوگا۔ ورثاء کے مال لینے سے پہلے کے ظلم کا تدارک نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے اس کا مال چھین کر یا دبا کر پوری زندگی اس سے فائدہ اٹھانے سے روک رکھا وہ اس مال سے فائدہ حاصل کئے بغیر دنیا سے چلا گیا۔ اس ظلم کا تدارک ورثاء کے مال لینے سے نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح

مال کو صرف ایک وارث کے حوالے کر دیا تو دوسرے ورثاء کو مطالبے کا حق حاصل ہوگا۔ اس لئے کہ اس مال کے ساتھ ان تمام ورثاء کا حق متعلق ہو چکا تھا اس لئے ہر ایک تک اس کا حق پہنچانا اس پر واجب تھا۔ بعض حنابلہ و مالکیہ اسی قول کے قائل ہیں۔

ہمارے شیخ حضرت علامہ امام ابن تیمیہؒ نے ان طبقوں کے درمیان فیصلہ کیا ہے۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔ اگر اصل مالک نے اپنے اس مال کے حصول پر قادر ہونے کے باوجود اس کو اس شخص سے نہیں لیا حتیٰ کہ انتقال کر گیا تو قیامت کے دن اس مال کے مطالبے کا حق وارث کو ہوگا نہ کہ مورث کو (اس لئے کہ اس کے انتقال کے بعد وہ ورثاء کی ملکیت میں منتقل ہو گیا تھا) جیسا کہ دنیا میں ہوتا ہے۔

اور اگر اصل مالک اپنے مال کو حاصل کرنے پر قادر نہ ہوا حتیٰ کہ ظلماً اس کے مال کو دبا لیا گیا اور وہ اس کو حاصل نہ کر سکا یہاں تک کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ تو بروز قیامت اس مال کے مطالبے کا حق اسی مورث ہی کو ہوگا۔

امام ابن تیمیہؒ کی یہ توجیہ نہایت بہتر ہے کیوں کہ یہ اصول ہے کہ اگر کسی کے مال کو کسی ظالم نے اس سے لے کر تلف کر دیا اور صاحب مال کے لئے اس مال کا حصول متعذر ہو جائے تو یہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ کسی نے اس کے غلام کو قتل کر دیا یا اس کے گھر کو جلا ڈالا یا اس کے کھانے پینے کی چیزوں کو کھا پی کر ختم کر دیا اور صاحب مال کا انتقال ہو جائے تو قیامت کے دن اس مال کے مطالبے کا حق صاحب مال کو ہوگا نہ کہ ورثاء کو۔ ہاں البتہ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوگا کہ اگر وہ مال زمین جائیداد یا باقی رہنے والی کوئی چیز ہو اور ظالم نے اس کو دبا لیا اور وہ مر جائے تو اس کے مطالبے کا حق ورثاء کو ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے مال کے ساتھ ورثاء کا حق متعلق ہوا ہے۔ جب کہ بیان کردہ اصول کے مطابق خود صاحب مال

(مورث) کو حق پہنچنا چاہئے۔

بہرحال یہ ایک قوی سوال ہے اس کا جواب کافی مشکل ہے۔ البتہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ قیامت کے دن مطالبے کا حق وارث اور مورث دونوں کو ہوگا۔ جیسا کہ اگر کوئی مشترک چوری یا غصب ہو جائے تو مطالبے کا حق اس مال میں شریک تمام لوگوں کو ہوگا۔ جیسا کہ کئی لوگوں کے لئے کسی نے کوئی چیز وصیت کی مگر جن کے لئے وصیت کی گئی تھی ان تک وہ چیز نہیں پہنچی تو قیامت کے دن اس حق کے حصول کا مطالبہ یہ تمام لوگ کریں گے جن کے لئے وصیت کی گئی تھی۔ اور اس حق مطالبے میں سب برابر کے شریک ہوں گے۔

﴿فصل﴾

قتل کا گناہ:

قتل کے نقصانات اور اس کے تحت ضرر کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا﴾ (مائدہ ۳۲)

"ہم نے بنی اسرائیل کے لئے یہ حکم دیا تھا جس نے کسی قاتل یا فساد برپا کرنے والے کے بغیر کسی کو قتل کیا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا اور جس نے کسی ایک انسان کو بچایا تو گویا اس نے سارے انسانوں کو بچایا۔"

اس بات کو بہت کم لوگ سمجھ پاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بات واضح ہے کہ سو

آدمیوں کے قاتل کا گناہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک ہی جان کے قاتل کے گناہ سے بہت زیادہ ہے۔ یہ غلطی محض گناہ و عقوبت کو وجہ تشبیہ قرار دینے سے لاحق ہوئی، مگر قرآن کے الفاظ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ نہ ہی ایک چیز کو دوسری چیز سے تشبیہ دینے سے اس کے تمام احکام سے مشابہ ہوتی ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا﴾

(النازعات ۴۶)

"جس دن اسے دیکھ لیں گے تو یہی سمجھیں گے کہ دنیا میں گویا ہم ایک شام یا ایک صبح تک ٹھہرے تھے۔"

اسی طرح سورۃ احقاف میں ہے:

﴿كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ﴾ (احقاف)

"جس دن وعدہ شدہ عذاب کو دیکھیں گے (تو سمجھیں گے) گویا وہ دنیا میں دن میں ایک گھڑی بھر رہے ہیں"

تو اس تشبیہ سے دنیا میں ان کا اتنا ٹھہرنے کا موجب نہیں ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں جس نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی گویا اس نے آدھی رات عبادت میں گذاری اور جب صبح کی نماز جماعت کیساتھ پڑھی تو گویا اس نے ساری رات عبادت کی۔ (یعنی آدھی رات عشاء کی نماز سے اور آدھی رات فجر کی نماز سے ہوئی) اور جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو گویا اس نے عمر بھر کے روزے رکھے۔ اسی طرح دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے سورۃ اخلاص کی تلاوت کی گویا اس نے ایک تہائی قرآن تلاوت کیا۔

تو ظاہر ہے کہ یہاں ان اعمال کو نہ پانے والے کا ثواب مشابہ ہے لیکن ثواب تک نہیں پہنچتا ہے اگر مقدار ثواب میں دونوں یکساں ہوں تو عشاء اور فجر جماعت کے ساتھ پڑھنے والے کو تہجد اور قیام اللیل کی مشقت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ بات اصل میں فہم و ادراک کی ہے۔

ایمان کے بعد اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت قرآن و حدیث کا فہم ہی ہے، اور یہ فضل خداوندی ہے جسے عطا فرما دے۔

اگر یہ کہا جائے کہ قرآن کریم میں ایک شخص کے قاتل کو سارے لوگوں کے قاتل کے مشابہ قرار دینے کی وجہ کیا ہے؟

جواب:

اس کی متعدد وجوہ ہیں، یہ دونوں (ایک کا قاتل، اور سب کا قاتل) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نافرمان اور ان کے حکم کے خلاف ورزی کرنے والے ہیں۔

دونوں اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی لعنت کے مستحق ہیں اور خلود فی النار میں دونوں برابر کے شریک ہیں۔ دونوں کے لئے عذاب عظیم مقرر ہوا ہے۔ البتہ ان کی سزا و عقوبت کے مراتب و کیفیات مختلف ہیں۔ چنانچہ عادل بادشاہ، متقی اور عالم کے قاتل اور عام آدمی کے قاتل کے عذاب کی کیفیت میں یقیناً فرق ہوگا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ناحق خون بہانے میں دونوں برابر ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ناحق خون بہانے پر جسارت کے اعتبار سے دونوں یکساں ہیں۔ اس لئے کہ فتنہ و فساد یا حصول مال کی غرض سے ایک جان کے مارنے پر جرأت کرنے والا پھر اس آدمی کے قتل کی جرأت کرے گا جس پر اس کی قدرت پہنچے وہ

تو نوع انسانی کا دشمن ہے۔

ان وجوہات کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جیسے تمام لوگوں کے قاتل کو قاتل، فاسق، ظالم کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے اسی طرح ایک آدمی کے قاتل بھی انہی ناموں سے موسوم ہوتا ہے۔

تشبیہ کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین کو آپس میں محبت و الفت کی بنا پر جسد واحد قرار دیا ہے لہٰذا جسم کے ایک عضو میں درد ہو تو جسم کے تمام اعضاء اس تکلیف میں اس کے شریک ہوتے ہیں اس کے ساتھ جاگتے ہیں لہٰذا قاتل نے اس جسد واحد سے ایک عضو کو تلف کیا تو گویا سارے جسم کو تلف کیا اور تکلیف و الم میں مبتلا کیا۔ تو جس نے ایک مومن کو نقصان پہنچایا گویا اس نے تمام مومنین کو نقصان پہنچایا۔ تمام مومنین کی تکلیف تمام لوگوں کی تکلیف ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ دوسرے لوگوں سے تکلیف کو ان کے درمیان مومنین کی وجہ سے ہٹاتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

﴿لا تقتل نفس ظلما بغير حق الا كان على ابن ادم الاول كفل من دمها لانه اول من سن القتل﴾

"دنیا میں جو بھی ناحق قتل ہوگا وہ قابیل (ابن ادم) کو بھی اس سے حصہ ملتا ہے کیونکہ سب سے پہلے قتل کی رسم کو اسی نے ایجاد کیا" (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی)

یہ سخت وعید سب سے پہلے زنا کرنے والے، سب سے پہلے چوری کرنے والے، سب سے پہلے شراب نوشی کرنے والے کے لئے نہیں آئی اور نہ ہی سب سے پہلے شرک کرنے والے کے لئے یہ وعید ہے۔ حالانکہ سب سے پہلے شرک کرنے والا

تو قابیل کے مقابلے میں اس وعید کا زیادہ مستحق تھا اس لئے کہ اس نے سب سے پہلے قتل ایجاد کیا یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن لحی خزاعی کو جہنم میں سخت ترین عذاب میں مبتلا دیکھا کیونکہ دین ابراہیمی میں تغیر سب سے پہلے اسی نے پیدا کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا

﴿وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ﴾

"اس کے سب سے پہلے منکر تم نہ ہو" (بقرہ: ۴۱)

اس لئے کہ اگر ایسا ہوگا تو بعد میں آنے والے لوگ تمہارے نقش قدم پر چل کر خراب ہو جائیں گے یہی تغیر دین میں بدعت ایجاد کرنے کا ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبارک منقول ہے: قیامت کے دن مقتول اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس حالت میں حاضر ہوگا کہ اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا اور قاتل کی پیشانی پکڑ کر کہہ رہا ہوگا یا رب! اس سے پوچھئے اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے قاتل کی توبہ کے متعلق لوگوں نے پوچھا تو قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا﴾ (نساء: ۹۳)

"جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا"

اس آیت کی تلاوت فرمانے کے بعد فرمایا یہ آیت نہ منسوخ ہوئی ہے نہ اس میں کوئی تبدیلی آئی ہے تو توبہ کہاں سے؟"

اور ترمذی ہی میں حضرت نافعؒ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک مرتبہ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کعبہ کی طرف دیکھ کر فرمایا: تیری عزت و حرمت کتنی عظیم الشان ہے۔ مگر مومن کی حرمت اللہ تعالیٰ کے ہاں تجھ سے بھی زیادہ ہے۔ اور صحیح بخاری میں حضرت سمرہ بن جندبؓ سے مروی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام بدن سے پہلے انسان کا پیٹ بدبودار اور متعفن ہوتا ہے۔ اپنی گنجائش کے بقدر حلال رزق کھانے کی کوشش کرو۔ نیز اپنے اور جنت کے درمیان ایک مٹھی بھر خون ناحق حائل نہ ہونے دو۔

بخاری ہی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: مسلمانوں کو ہر وقت نیک اعمال اور دینی کشادگی ہوتی رہتی ہے جب تک ناحق قتل نہ کرے۔

بخاری ہی میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ سب سے بڑی آفت جس سے خلاصی دشوار ہے ناحق قتل ہے۔ جو کسی صورت میں بھی حلال نہیں ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے: ''مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس کو قتل کرنا کفر ہے۔''

بخاری و مسلم ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے

''تم میرے بعد ایک دوسرے کو قتل کر کے کہیں کفر کی طرف نہ لوٹ جانا۔''

اور بخاری شریف میں فرمان نبوی ہے۔ ''جو شخص کسی معاہد (کافر ذمی) کو قتل کرے گا وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم ہوگا حالانکہ جنت کی خوشبو کی مہک چالیس سال کی مسافت تک جاتی ہے۔

ذرا غور فرمایئے یہ خدا کے دشمن کافر ذمی کو قتل کرنے کی اتنی سخت سزا ہے تو اللہ پر ایمان رکھنے والے مومن بندے کو قتل کرنے کی سزا کتنی سخت ہوگی۔ ایک عورت ایک بلی کو محبوس کرنے اور بھوکا مار دینے کی پاداش میں جہنم میں داخل ہوگئی ہے تو رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ ڈالی جس کے پیچھے سے درخت ہلانے کی کوشش کی گئی تھی تو ایک ٹہنی کو ہلانے کی یہ کیفیت ہے تو ایک مومن بندے کو قتل کرنے اور مارنے کی عقوبت اور سزا کتنی سخت ہوگی۔

حدیث کی کسی کتاب میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن کے ناحق قتل کے جرم میں ساری دنیا کا تباہ و برباد ہونا آسان معلوم ہے۔

زنا کا گناہ:

زنا کے مفاسد اور خرابی بھی بہت سخت ہے۔ حفظ انساب کے عالی نظام میں خلل زانی کی وجہ سے واقع ہوتا ہے۔ اور یہ عزت کی حفاظت، شرمگاہ کی حرمت کا سخت منافی ہے۔ اور آدمی کی عداوتوں کا پیش خیمہ ہے اور سبب عظیم ہے۔ اسی وجہ سے عالم میں بدامنی اور خرابی پھیل جاتی ہے۔ اور سخت ترین گناہ ہونے کے اعتبار سے قتل کے قریب تر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن وسنت میں قتل کے ساتھ ساتھ زنا کا ذکر ہے جو سورتوں میں مذکور ہوا ہے۔

حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں: میں نہیں سمجھتا کہ قتل کے بعد کوئی گناہ زنا سے بڑھ کر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے زنا کی حرمت کو اپنے اس فرمان میں بیان فرمایا ہے۔

﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا إِلَّا مَن تَابَ﴾ (الفرقان ۶۸، ۶۹)

"اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہیں پکارتے اور قتل نہیں کرتے اس جان کو جس کے قتل کو اللہ نے حرام کیا مگر حق

کے ساتھ۔ اور زنا نہیں کرتے۔ جو ایسا عمل کرے گا سخت
گناہوں سے دوچار ہوگا۔ قیامت کے دن اس کا عذاب دوگنا
کر دیا جائے گا جس میں ذلت کے ساتھ ہمیشہ رہے گا الا یہ کہ
توبہ کر لے۔"

تو دیکھئے کہ آیت میں زنا کو قتل اور شرک کے ساتھ ملایا گیا۔ اور اس کی سزا دوگنی بتائی گئی جسے وہ ہمیشہ بھگتتا رہے گا اگر اس گناہ عظیم سے توبہ نہ کی۔

اور اگر توبہ، ایمان اور عمل صالح سے کام لیا تو یہ سزا اس سے رفع ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾

(بنی اسرائیل ۳۲)

"زنا کے قریب تک مت جاؤ اس لئے کہ وہ فحش اور برا راستہ ہے۔"

زنا ایک قبیح ترین اور حد درجہ فحش کام ہے۔ جس کی برائی ہر ایک کے نزدیک مسلم ہے حتیٰ کہ حیوانات بھی اسے برا سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے عمرو بن میمون اودی کے حوالے سے ایک واقعہ نقل کیا ہے۔

انہوں نے فرمایا: ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ ایک بندر نے بندریا سے زنا کیا تو وہاں بہت سارے بندر جمع ہو گئے اور ان دونوں کو سنگسار کرتے رہے یہاں تک کہ دونوں مر گئے۔

آیت کے آخر میں اسے "سَاءَ سَبِيلًا اور بری راہ" سے تعبیر کیا گیا۔

اس لئے کہ یہ دنیا میں ہلاکت، محتاجی و مفلسی کا باعث اور آخرت میں

عذاب و پریشانی رسوائی کا سبب ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کی فلاح و بہبودی کو عفت و پاکدامنی کے ساتھ متعلق کیا ہے چنانچہ عفت و پاکبازی کے بغیر فلاح کی کوئی صورت نہیں۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ﴾ (المؤمنون ١۔٦)

''ایمان والے یقیناً کامیاب ہوئے جو اپنی نمازوں میں عاجزی کرنے والے بھی ہیں اور بے فائدہ باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں۔ اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں مگر اپنی بیویوں اور لونڈیوں پر۔ اس لئے اس پر کوئی ملامت نہیں ہے۔''

غور فرمایئے تو یہ آیت تین امور کو شامل ہے:

(١) شرمگاہ کی حفاظت نہ کرنے والا ناکام ہے۔

(٢) وہ ملامت و مذمت کے قابل ہے۔

(٣) غلط کار اور ظلم و زیادتی کرنے والا ہے۔

چنانچہ کامیابی اس سے فوت ہوئی۔ عدوان و ظلم کے القاب سے ملقب ہوگا۔ لوگوں کی ملامت و مذمت کا شکار ہوگا۔ تو بہتر ہے زنا میں پڑ کر شہوت کو پورا کر کے ان قباحتوں اور برائیوں کا شکار ہونے کے مقابلے میں شہوت کی مشکلات کو برداشت

کرنا بہت آسان ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی کم ہمتی، بے صبری، اور بخیلی کی مذمت کی ہے اور ان میں سے نماز کی پابندی کرنے والوں اور پاکدامن اور عفت والوں کی تعریف ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ وہ مومن کو اپنی نگاہوں کو پست کرنے اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنے کا حکم دے اور ان کو بتا دے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو دیکھتا ہے۔ اور اس سے باخبر ہے۔

﴿یعلم خائنة الاعین و ما تخفی الصدور﴾ (غافر ۱۹)

"وہ آنکھوں کی خیانت اور دل کے بھید جانتا ہے۔"

چونکہ زنا کی ابتداء نگاہ سے ہوتی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے شرمگاہ کی حفاظت کے لئے نگاہ نیچی رکھنے کا حکم صادر فرمایا۔ حوادث کا مبدء بھی نگاہ ہے جیسا کہ آگ کے الاؤ کا آغاز معمولی چنگاری سے ہوتا ہے۔

گناہ کا آغاز آنکھ سے ہوتا ہے پھر نظر پڑتی ہے۔ پھر اس کا خیال و تصور دل میں آتا ہے پھر اس کی طرف چل کر جانا پڑتا ہے پھر گناہ کا وقوع ہوتا ہے۔

کسی کا قول ہے: جس شخص نے چار چیزوں کی حفاظت کی اس نے اپنے دین کو محفوظ کیا۔

(۱)	نگاہ	(۲)	خیالات
(۳)	زبان	(۴)	چال چلن

تو انسان کے لئے ضروری ہے کہ ان چاروں دروازوں کی سخت نگرانی کرے اور ان کی سرحد کی خوب حفاظت و نگہبانی انتہائی تندہی سے کرے۔ کیونکہ

شہوت جیسا ظالم دشمن انہی چار دروازوں سے جسم کے کل میں گھس کر بربادی و تباہی مچا دیتا ہے۔

﴿فصل﴾

گناہوں کے دروازے:

انسان کے اندر اکثر گناہ انہی چار دروازوں سے داخل ہوتے ہیں۔ ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ فصلوں میں بیان کریں گے۔

نگاہ:

نظر و نگاہ خواہشات نفسانی کی انتہائی تیز رفتار قاصد اور پیغام رسان ہے۔ نگاہ کی حفاظت دراصل شرمگاہ کی حفاظت ہے۔ جس نے اپنی نگاہ کو بے لگام چھوڑ دیا تو گویا اس نے اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈال دیا۔

فرمان نبوی ہے۔

﴿لا تتبع النظرة النظرة، فانما لك الاولى وليست لك الآخرة﴾

"پہلی نظر کے بعد دوبارہ مت دیکھو، پہلی جائز ہے اور دوسری حرام" (ابوداؤد، ترمذی، مسند احمد)

مسند احمد میں آپ کا یہ قول مبارک منقول ہے

﴿النظرة سهم مسموم من سهام ابليس فمن غض بصره عن محاسن امرأة لله اورث الله قلبه حلاوة الى يوم يلقاه﴾

"نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے۔ جو شخص

محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے عورت کے محاسن سے نگاہ کو ہٹا لیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں تاحیات حلاوت ڈال دیتے ہیں"۔ (حاکم، طبرانی، الترغیب والترہیب)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اپنی نگاہیں نیچی رکھو اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔ اور فرمایا: سر راہ بیٹھنے سے بچو، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ بعض دفع ان میں بیٹھنا ناگزیر ہوتا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر بیٹھنا ہی ہے تو راستے کے حقوق ادا کرو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ راستہ کا کیا حق ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ غض البصر، وکف الاذی، ورد السلام یعنی نگاہ نیچی رکھنا، ایذا رسانی سے باز رہنا، سلام کا جواب دینا۔

انسان کو پہنچنے والے مصائب کی اصل بنیاد نگاہ ہے۔ اس کے پہلے نگاہ پڑتی ہے جس سے دل میں خیالات پیدا ہوتے ہیں پھر خیالات فکر میں تبدیل ہوتے ہیں اور فکر سے شہوت جنم لیتی ہے، شہوت وخواہشات سے ارادے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر ارادہ پختہ ہو کر عزم کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ عزم پختہ ہو اور کوئی مانع نہ ہو تو ارادے کی تکمیل کی صورت میں فعل وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اسی بنا پر کسی نے کہا: نظر بازی سے پیدا شدہ تکالیف سہنے کی بنسبت نگاہ کو نیچے رکھنے کی بے قراری سہل و آسان ہے۔

کسی شاعر کیا خوب کہا ہے۔

كل الحوادث مبدأها من النظر   ومعظم النار من مستصغر الشرر

تمام مشکلات کا پیش خیمہ نگاہ ہے   اور آگ کا الاؤ چھوٹی سی چنگاری ہوتا ہے

كم نظرة بلغت من قلب صاحبها   كمبلغ السهم بين القوس والوتر

بہت سی نظریں نظر باز کے دل پر   تیر کی طرح پیوست ہوتی ہے

والعبد ما دام ذا طرف يقلبه   في اعين الناس موقوف على الخطر

انسان جب کم عقلوں سے آنکھیں لڑاتا رہتا ہے معرضِ ہلاکت میں گر جاتا ہے

یسر مقلته ما ضر مهجته لا مرحبا بسرور عاد بالضرر

آنکھیں جو دیکھتی ہیں اس سے روح کو نقصان پہنچتا ہے وہ کیف و سرور ہی کیا ہے جس میں ضرر کا اندیشہ ہو۔

آفاتِ نگاہ:

نگاہ کی آفت یہ ہے کہ اس سے دل میں حسرت و ندامت سوزش و جلن اور آہ و فغاں پیدا ہوتے ہیں۔ بسا اوقات انسان کی نگاہ ایسی چیز پر پڑتی ہے جس کے حصول سے بالکل عاجز ہوتا ہے اور مذکورہ حالات دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے سخت عذاب و الم میں مبتلا ہوتا ہے۔ ایسی چیزیں دیکھنا چاہتا ہے جن کے حصول کی طاقت نہیں رکھتا نہ اس پر صبر و قناعت کر سکتا ہے۔ ایسے ہی شخص کے بارے میں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

وکنت متی أرسلت طرفك رائدا لقلبك یوما أتعبتك المناظر

جب تو نے اپنی نگاہ کو دل کا قاصد بنا کر بھیج دیا تو اس کے مناظر کسی بھی وقت تجھے مشقت و تکالیف سے ضرور دوچار کریں گے۔

رأیت الذی لا کله أنت قادر علیه ولا عن بعضه أنت صابر

اور ایسی چیز دیکھو گے جس کے تمام پر تو قادر نہ ہوگا اور نہ بعض پر صبر کی طاقت ہوگی

یہ شعر تشریح طلب ہے۔ یعنی تو ایسی چیز کا نظارہ کرے گا نہ اس کے حصول پر قادر اور نہ ہی عدمِ حصول پر صبر کرنے کی ہمت ہوگی۔ یہاں "لا کلہ" میں کل کی نفی اس کے تمام اجزاء کی نفی ہے۔

بہت سے نظر سے نشانے بازی کرنے والے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ نظر کا

بد نظری کے تیر خود اسی کے دل کو زخموں پر زخم کرتے جاتے ہیں مگر وہ پھر بھی اس سے باز نہیں آتا۔

اس سے متعلق بھی میرے چند اشعار ملاحظہ کیجئے.

ما زلت تتبع نظرة فی نظرة   فی اثر کل ملیحة و ملیح

وتظن ذاک دواء جرحك و هو فی ال   تحقیق تجریح علی تجریح

فذبحت طرفك باللحاظ و بالبكا   فالقلب منك ذبیح ای ذبیح

تو ہر خوبصورت چہرے کو دیکھ کر اسے اپنے زخم کی دوا سمجھتا ہے۔ حالانکہ وہ مزید زخموں پر زخم کرتا ہے۔ تو نے آنکھوں سے تک تک کر انہیں کو بیمار کر دیا ہے اور اپنے دل کو سخت زخمی کر دیا ہے۔ کسی بزرگ کا مقولہ ہے:

ایک دفعہ نظر کو بچانا مسلسل حسرتوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہونے سے بہت آسان ہے۔

فصل

قلبی خیالات:

دلی خیالات کا معاملہ ذرا مشکل معاملہ ہے۔ اس لئے کہ یہی خیر و شر اور نیکی و بدی کے پیدا ہونے کا مقام ہے۔ اسی سے ارادے، عزم و ہمت پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ جس نے اپنے خیال کی حفاظت کی گویا اس نے نفس کی لگام کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور اپنی خواہشات کو قابو کر لیا۔ اور جس کے خیالات اس کے قابو سے باہر ہو گئے تو اس کی خواہشات نفسانی اس پر غالب آجائیں گی۔

جو خیالات کو معمولی سمجھے گا تو وہ اس کو ہلاکتوں کی طرف کھینچ لے جائیں

گے۔ اور یہ خیالات دل پر بار بار وارد ہو کر ناجائز تمناؤں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ "جیسے کسی صحراء میں چمکتی ریت ہو جسے پیاسا پانی تصور کرے جب اس کے پاس آئے تو کچھ بھی نہ پائے" (النور:۳۹)

سب لوگوں سے کم ہمت اور گھٹیا انسان وہ ہے جو حقیقت کو چھوڑ کر جھوٹی تمناؤں اور خیالی امنگوں پر خوش ہو۔ اور انہی تمناؤں کو اپنے دل کی زینت بنائے۔ خدا کی قسم یہی باطل اشیاء مفلس تاجروں کا سرمایہ ہیں اور یہی جھوٹے خیالات پر گزر بسر کرنے والے ہمت سے خالی لوگوں کی ذہنی خوراک ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا

أماني من سعدى رواء على الظما	سقتنا بها سعدى على ظمأ بردا
منى إن تكن حقا تكن أحسن المنى	وإلا فقد عشنا بها زمنا رغدا

ہماری ارمانیں تھیں کہ سعدی ہماری پیاس بجھائے گی مگر اس نے تو ہماری پیاس پر اولے برسائے۔ آرزوئیں اگر حق ہوں تو مقصد بھی اچھے ہوتے ہیں ورنہ صرف ان کے خیال میں مدتوں خوش رہتے ہیں۔ خالی خولی تمنائیں انسان کے لئے سخت نقصان دہ ہیں۔ اس لئے کہ عجز، سستی، کم ہمتی، حسرت و ندامت انہی خالی آرزوؤں کی پیداوار ہیں۔ آرزو اور تمنا کرنے والا حقیقی زندگی سے خالی و عاری ہوتا ہے تو اس کے دل پر اس زندگی کی صورت خیالیہ سما جاتی ہے۔ تو وہ اس خیالی زندگی کو گلے لگا لیتا ہے تو اس پر مزید فکری وخیالی صورتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ جو اس کے لئے قطعاً کوئی سودمند نہیں ہوتے۔

اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسا کہ بھوکا پیاسا کھانے پینے کے بجائے صرف کھانے پینے کی صورت کا خیال جمائے بیٹھے اور وہ اسی پر قناعت کرے یہ سستی، کم ہمتی، خست وکمینہ پن کی علامت ہے۔

نفس کی شرافت، پاکیزگی، طہارت اور بلند ہمتی اپنے اندر پیدا ہونے والی

یہ حقیقت آرزو اور خیالات کو دل سے دور کرنے میں مجرب ہے۔

قلبی خیالات کی قسمیں:

آرزوؤں کی قسمیں تو بہت ساری ہیں مگر سب کی سب چار اصولوں پر دائر ہیں۔

(۱) وہ خیالات جن سے دنیاوی منافع جات حاصل کئے جائیں۔

(۲) وہ خیالات جن کے ذریعہ دنیاوی نقصان کو دفاع کیا جائے۔

(۳) وہ خیالات جن کے ذریعے آخرت کے مصالح حاصل کئے جائیں۔

(۴) وہ دینی تصورات جن کے ذریعے آخرت کے نقصانات سے بچ سکے۔

تو انسان کو چاہئے اپنے تمام خیالات کو ان چار قسموں کے اندر محصور کر دے جب انسان اپنے تمام خیالات وتمناؤں کو ان چار پر منحصر کریگا تو دوسرے تمام خیالات سے چھٹکارا نصیب ہو سکے گا۔

اگر بہت سارے خیالات کا ایک ہجوم ہو جائے تو سب سے اہم خیال جس کے فوت ہونے کا خطرہ ہو مقدم کرے اور غیر اہم کو مؤخر۔ پھر اس کی دو قسمیں (۱) اہم جو فوت نہ ہونے والے ہوں (۲) فوت ہونے والے غیر اہم خیالات۔

ان میں سے ہر ایک کو مقدم کرنے کا داعیہ ہے تو ایسی صورت میں انسان تردد اور حیرت میں پڑتا ہے۔ اگر اہم کو مقدم کرتا ہے تو دوسرے ایسے خیالات میں کھو جانے کا اندیشہ ہے اگر دوسروں کو مقدم کرتا ہے تو اہم خیالات سے فوت ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ تو اس طرح بعض دو ایسے کام پیش ہوتے ہیں جو دونوں ہی اکٹھے نہیں کر سکتے۔ ایک کو کرتا ہے تو دوسرا فوت ہو جاتا ہے دوسرے کو انجام دیتا ہے تو پہلا ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے تو اس وقت عقل وفکر اور نفس و معرفت سے کام لیا جاتا ہے۔ یہی سوچ

ہے کہ انسان کی صحیح و درست فیصلہ کرنے کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوتا ہے یا غلط فیصلہ کرنے خائب و خاسر اور ناکامی سے دوچار ہوتا ہے۔ اکثر لوگوں کو اس موقع پر دیکھا جاتا ہے کہ فوت شدہ ہونے والے غیر اہم کام کو وہ ترجیح دے کر ختم ہونے والے اہم کام کو چھوڑ دیتے ہیں۔

اکثر لوگوں کو آپ اس غلطی سے بچتے نہیں دیکھیں گے۔

اس ذہنی کشمکش کے موقع پر اس اہم اصول اور قاعدہ پر عمل کیا جائے جس پر شریعت کا مدار ہے۔ وہ یہ ہے دو کاموں اور دو مصلحتوں میں سب سے اہم ترین کام کو ترجیح دیجئے اگرچہ اس سے کم تر مصلحت فوت کیوں نہ ہو جائے۔ اس لئے کہ بڑی مصیبت سے بچنے کے لئے چھوٹی مصیبت کو برداشت کیا جاتا ہے۔ چھوٹی مصلحت فوت ہوگی تو بڑی مصلحت حاصل ہو جائے گی۔ ایک مفسدہ کا ارتکاب کر کے عظیم فساد سے بچا جا سکتا ہے۔ ایک عقل مند و زیرک انسان کی فکر و نظر اور بصیرت کا یہی محور ہے شریعت کا بھی یہی حکم ہے۔ دنیا و آخرت کی ساری مصلحتیں بھی اس اصول پر قائم ہیں۔ اور سب سے اعلیٰ و اعظم فکر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور آخرت کے لئے ہو۔ چنانچہ وہ سوچ جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اس کی چند قسمیں ہیں۔

پہلی فکر:

قرآن کریم کی آیت اس کے متعلقات اور اس سے مراد کے پہچاننے کے بارے میں ہے۔ قرآن کا نزول بھی اسی لئے ہوا کہ اس پر غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کی جائے۔ صرف تلاوت کے لئے نہیں نازل ہوا بلکہ تلاوت بھی فہم قرآن اور تدبر فی القرآن کا ذریعہ وسیلہ ہے۔

کسی بزرگ کا قول ہے قرآن اس لئے نازل ہوا کہ اس پر عمل کیا جائے

مگر لوگوں نے صرف تلاوت کو معمول بنا کر رکھا ہے۔

دوسری فکر:

آنکھوں سے دیکھی جانے والی آیات (کائنات) پر غور و فکر کرکے اس سے عبرت حاصل کرنا ہے۔ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات، عظمت و احسان، جود و سخا کی معرفت حاصل کی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات پر غور و فکر اور تدبر کرنے کی طرف رغبت دلائی ہے۔ اور ان سے غفلت برتنے والے کی مذمت کی ہے۔

تیسری فکر:

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اس کے احسانات، عمومیت مخلوق، انعامات الٰہی کے انواع، انکی وسعت و مغفرت اور علم کے اندر فکر و تدبر کرنا ہے۔ فکر کی یہ تینوں قسمیں دل میں اللہ تعالیٰ کی معرفت ان کی محبت اور خوف و رجاء پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اسی وجہ سے فکر آخرت کے ساتھ ذکر الٰہی بھی نصیب ہوتا ہے تو دل نور اور دل اللہ تعالیٰ کی معرفت سے معمور اور یاد الٰہی سے آباد ہو جاتا ہے۔

چوتھی فکر:

اپنے نفس کے عیوب اور اس کی کمزوریوں پر غور کرنا، اسکی آفات و مصائب سے باخبر ہونا ہے۔ ہر وقت نفس کا احتساب اور تنقید ایک عظیم الفائدہ عمل ہے۔ یہی خیر و برکت کا عظیم سبب ہے۔ نفس امارہ کی خواہشات کو توڑنے میں اس کا بڑا ہاتھ ہے۔ نفس امارہ کے کمزور اور بے بس ہونے سے ہی نفس مطمئنہ کی زندگی پر مسرت اور شریف ہو جاتی ہے۔ اور تمام اعضاء جسم اور امور دل و دماغ پر اس کی حکمرانی چلتی ہے۔ اس کی حیات میں قوت پیدا ہوتی ہے جسم کے تمام کارندے اسکے تابع فرمان ہوتے ہیں۔

پانچویں فصل

وقت کی ضرورت اور اس کی اہمیت پر غور و فکر کر کے اس کی اہمیت کو جاننا اور اپنی تمام کوششوں کو اسی کے لئے صرف کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت سے سرشار اور حق شناس لوگ وقت کے پابند ہوتے ہیں۔ وقت کے ضیاع میں تمام منافع و مصالح کا ضیاع ہے کیونکہ تمام فوائد و مصالح وقت ہی کے مرہون منت ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں: میں حضرات صوفیاء کرام کی صحبت عرصہ دراز تک رہا۔ جس کا نچوڑ صرف دو باتیں ہیں کہ۔

وقت ایک بے نیام تلوار ہے اگر تم اس سے کام نہیں لو گے تو وہ تمہیں بے کار کاموں میں لگا کر ہلاک کر دے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ نفس کو حق کی بات پر لگا دو۔ ورنہ وہ تمہیں غلط راستوں میں ڈال کر ہلاک کر دے گا۔

آخرت کی ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی کا توشہ بھی یہی وقت ہے، تکلیف و سختی سے بھرپور زندگی کا سبب بھی یہی ہے۔ اور وقت کے ختم ہونے کی رفتار بادلوں کی رفتار سے بھی تیز تر ہے۔ لہذا وقت کا وہ حصہ جو رضاءِ الٰہی میں صرف ہو در اصل وہی وقت اس کی زندگی کا حصہ ہے۔ اس کے علاوہ دوسری مشغولیات میں صرف شدہ وقت حقیقت میں اس کی زندگی کے حصے میں شمار ہی نہیں ہے۔ اگرچہ سینکڑوں سال دنیا میں بسر کرے۔ رضاءِ الٰہی کے لئے وقت خرچ نہ کرنے والا گویا جانوروں کی سی زندگی گزار رہا ہے۔ اپنے تمام اوقات کو غفلت، خواہشات نفسانی کی تکمیل، بے کار تمناؤں اور آرزوؤں میں صرف کرنے اور خواب غفلت کو بہتر سمجھ کر زندگی گزارنے سے تو موت کئی گنا بہتر ہے۔

حتی کہ نماز میں مصروف شخص کا وقت نماز میں اسی وقت شمار ہوگا جس وقت حضور قلب سے نماز میں مشغول ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کی حقیقی زندگی وہ ہے جو اللہ

مرغوب و محبوب نہیں ۔

دائیں جانب بیٹھا فرشتہ نفس مطمئنہ کی مدد اور بائیں طرف بیٹھا شیطان نفس امارہ کی تائید کرتا ہے۔ باطل صفت لوگوں کا میلان شیطان اور نفس امارہ کی طرف ہوتا ہے اور حق پرست نیک سرشت لوگ فرشتہ اور نفس مطمئنہ کو پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ دونوں کی لڑائی رہتی ہے کبھی کسی کو اور کبھی کسی کو فتح نصیب ہوتی ہے۔

البتہ کامیابی کا دارومدار صبر پر ہے۔ چنانچہ جو شخص خود صبر کر کے دوسروں کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے مخالف کے مقابلے کے لئے تیار رہتا ہے تو دنیا و آخرت میں کامیابی اسی کے حصہ میں آتی ہے۔ اور یہ فیصلہ قدرت بھی ہے کہ آخرت کا بہتر انجام پرہیزگاروں اور نیکوکاروں ہی کا مقدر ہے۔

دل ایک سادہ اور سفید تختی کی طرح ہے۔ افکار و احساسات اس تختی پر نقش و مکتوب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ لہذا کسی ہوشیار اور فہیم آدمی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس کی لوح دل پر جھوٹ، فریب اور بے حقیقت تمناؤں کا نقش ہو۔

ذرا غور سے کام لیں تو ان مذکورہ باتوں کے ساتھ علم و حکمت کی باتیں کیسے یکجا ہو سکتی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ دل اگر غلط خیالات اور فضولیات سے پاک و صاف نہ ہو تو علم و حکمت کی صاف و پاک باتیں اس میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر مرشدین نے اپنی تربیت کی بنیاد حفاظت خیالات پر رکھی ہے۔ جہاں تک گنجائش ہو غلط خیال کو سطح دل پر ہرگز آنے نہ دیا جائے۔ تاکہ دل حقائق و معرفت کا مظہر بن جائے اور کشف و اسرار کے قابل ہو سکے لیکن ان حضرات سے اس معاملے میں غلطی بھی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے ایک چیز کی تو حفاظت کرائی مگر بے شمار چیزوں کو نظر انداز کر دیا۔ جب انہوں نے دلوں کو تمام آلائشوں اور تفکرات و خیالات سے خالی کر دیا تو شیطان نے اسے خالی پا کر مختلف طریقوں سے اس میں چند چیزوں

کی تخم ریزی کی اور اسے یہ باور کرایا کہ یہی چیز سب سے اعلیٰ و اولیٰ ہے اور رشد و ہدایت کے افکار کے بدلے باطل چیزوں کو لا کر سامنے رکھ دیا۔

دل جب ستھرے تصورات سے عاری ہوتا ہے تو شیطان اسے خالی پا کر صاحب دل کے مزاج و حالات کے مطابق اس پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اور اس کو الجھا کر رکھ دیتا ہے۔ چنانچہ وہ ایسے خیالات و تصورات تو کیا عقلی جذبات پر بھی قادر نہیں ہو پاتا ہے۔ تو تجزیہ کے معاملہ میں الجھا کر اس عظیم خیال کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے جس کے بغیر اصلاح کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ وہ خیال اپنی توجہ اسلام کی طرف مبذول کراتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ اسی طرح دل انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت، پر عمل پیرا کرواتا اور دوسروں کو اس کی طرف دعوت دیتا ہے جب کہ شیطان انسان کو سیدھی راہ سے بھٹکانے اور گمراہ کرنے کی بھرپور سعی کرتا ہے۔ دنیا اور اس کے وسائل کے استعمال سے ہٹا کر تقشف کی زندگی گزارنے پر ترغیب دیتا ہے۔ دنیا اور اسباب دنیا سے نفرت پر اکسا کر یہی بات ان کے دلوں میں جاگزیں کرتا ہے کہ دنیا سے فراغت ہی اصلاح کا کمال ہے۔ یہ بات ناقابل توجہ ہے۔ حالانکہ انسان کا کمال اسی میں ہے کہ اس کا دل و باطن حصول رضا الٰہی کے تصور و خیالات سے آراستہ و پیراستہ ہو اور منزل مقصود کو حاصل کرنے کا دل میں داعیہ ہو۔ لہٰذا انہی خیالات سے آراستہ و مزین انسان ہی سب سے افضل گردانا جاتا ہے جیسا کہ خواہشات نفسانی کا دلدادہ انسان ناقص ترین انسان سمجھا جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی تمناؤں سے ہر وقت معمور رہتا تھا۔ اور نماز کے اندر بھی ان ہی امور میں مشغول رہتے ہیں حتیٰ کہ لشکر اسلامی کی تیاری کا پروگرام ترتیب دیتے وقت بھی دل کا میلان رضاء الٰہی کی طرف ہے۔ یہ ایک وقت میں ایک عبادت کو دوسری عبادت میں شامل کر کے انجام دیتا ہے۔ یہ ایک عجیب طریقہ ہے اور ہر ایک کے بس کی بات نہیں بلکہ یہ ایک عالی

بہت علم و فضل سے شناسا اور صداقت و معرفت کے اعلیٰ معیار کا حامل انسان ہی ایک عبادت میں مشغول ہو کر کئی اور عبادات کی انجام دہی پر قادر ہوتا ہے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

فصل

زبان کی حفاظت:

زبان کی حفاظت یہ ہے کہ زبان سے کوئی بے فائدہ لفظ نہ نکلنے پائے۔ زبان سے ایسے کلمات نکالے جس میں دین و دنیا کا فائدہ ہو بات کرنے سے پہلے یہ سوچ کر آیا یہ کلمات جو میں زبان سے نکال رہا ہوں اس میں فائدہ ہے یا نہیں؟ اگر اس میں کوئی فائدہ نہ ہو تو زبان کو روکے اور اگر ان کلمات کے کہنے پر کچھ نفع اور فائدہ ہے تو دیکھے آیا ان کلمات کو کہنے سے اس سے کوئی بہتر کلام جو زیادہ نفع بخش ہو ضائع تو نہیں ہو رہا۔ تو کم فائدے والا کلام کہہ کر زیادہ نفع بخش کلام سے محروم نہ ہو۔ چنانچہ اگر آپ کسی انسان کے دلی خیالات و تصورات معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اس کی باتوں سے معلوم کرو۔ اس لئے کہ باتوں سے دل کی ترجمانی ہوتی ہے۔ حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں دل کی مثال ہانڈی کی سی ہے جو کچھ اس میں ہوتا ہے وہی اس سے ابلتا ہے۔ اور زبان کی مثال ہانڈی کا چمچہ ہے جو کچھ دل کی ہانڈی میں ہوتا ہے زبان کا چمچہ اس کو باہر نکالتا ہے۔

چنانچہ انسان جب بات کرے تو اس کی زبان کی طرف متوجہ ہو۔ اس لئے کہ دل کی ساری باتیں آپ کے سامنے لاکر رکھ دے گا۔ ترشی و شیریں جیسی بھی ہوں۔ جس طرح تم برتن سے چمچے کے ذریعے جو کچھ اس میں ہو نکال کر چکھ لیتے ہو اسی طرح زبان کے ذریعے کسی کے دلی حالات کا ذائقہ چکھ سکتے ہو۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے ''انسان کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہوگا جب تک اس کا دل سیدھا نہ ہو۔ اور دل اس وقت درست نہ ہوگا جب تک اس کی زبان درست اور مستقیم نہ ہو۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا انسان کو جہنم کی طرف سب سے زیادہ لے جانے والی چیز کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿الفم و الفرج﴾

''زبان اور شرم گاہ'' (کنز العمال)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت میں داخل ہونے اور جہنم سے دور کرنے والے عمل کے بارے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کی اصل بتادی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: کیا اس عمل کا اصل اصول نہ بتادوں؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ کیوں نہیں ضرور بتا دیجئے! تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا "کف علیک ھذا"۔ ''اس کو قابو کرو'' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ کیا ہم گفتگو کے سبب سے پکڑے جائیں گے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ثکلتک امک یا معاذ وھل یکب الناس علی وجوھھم او علی مناخرھم الا حصائد السنتھم (ترمذی) اے معاذ تیری ماں تجھ پر روئے لوگوں کو چہروں کے بل جہنم میں ان کی زبان کی بے ضابطگیاں ہی گروائیں گی۔

عجیب بات تو یہ ہے کہ بعض لوگ حرام کمانے، ظلم، زنا، چوری، شراب نوشی، غیر محرم کی طرف دیکھنے وغیرہ گناہوں سے تو باسانی بچ جاتے ہیں مگر زبان کی حرکت پر قابو پانا ان کے لئے سخت دشوار ہوتا ہے حتیٰ کہ بڑے متشرع، دیندار، زاہد اور عبادت گذار قسم کے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ زبان سے ایسے الفاظ نکالتے ہیں کہ وہ اللہ

تعالیٰ کے غضب و ناراضگی کا ایسے سبب بنتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ دوری کا باعث بنتے ہیں۔

کتنے ہی دیندار لوگوں کو آپ دیکھیں گے جو فواحش اور ظلم سے خود کو بچاتے ہیں مگر ان کی زبانیں زندوں اور مردوں کی عزتوں کو یکساں داغ لگانے سے گریز نہیں کرتیں۔ اور یہ پرواہ نہیں کرتے کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں اگر مزید جاننا چاہتے ہیں تو صحیح مسلم کی اس روایت میں غور کرو جو حضرت جندب بن عبداللہؓ سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایک عابد شخص نے کہا: ''خدا کی قسم اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو نہیں بخشیں گے'' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کون ہے جو میرے بارے قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں فلاں کو نہیں بخشوں گا'' (تو سنو) میں نے اس شخص (فلاں) کو بخش دیا اور تیرے اعمال حبط کیے''۔

تو غور کیجئے اس عابد شخص نے اللہ تعالیٰ کی کتنی عبادت کی ہوگی مگر ایک جملہ نے ان تمام عبادات کو ختم کر کے رکھ دیا۔ اس قسم کا مضمون حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے: آخر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''ایک کلمہ کہہ دیا جس نے اس کی دنیا و آخرت کو برباد کر دیا۔''

بخاری و مسلم میں ایک روایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی مضمون کی منقول ہے ''انسان کی زبان سے بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا کوئی کلمہ نکلتا ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ اس کے درجات کو بلند فرماتے ہیں اور بعض دفعہ ناراضگی کا کوئی کلمہ اس کے منہ سے نکلتا ہے جو جہنم میں گرانے کا باعث بنتا ہے اور بعض دفعہ بے دھیانی میں ایسی کوئی غلط بات زبان سے نکلتی ہے جس کی پاداش میں جہنم میں اتنا نیچے گرتا ہے جو مشرق و مغرب کے بعد سے بھی کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔''

اسی طرح ترمذی شریف میں ہے حضرت بلال بن حارثؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: ''بعض دفعہ تم میں سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا کوئی ایسا کلمہ زبان سے نکالتا ہے جس کی فضیلت کا اسے اندازہ بھی نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ اسکے لئے قیامت تک اپنی رضا مندی لکھ دیتے ہیں اور بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک انسان اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا کوئی کلمہ منہ سے نکال بیٹھتا ہے کہ اس کو اس کا اندازہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ بیٹھا ہے مگر اللہ تعالیٰ قیامت تک اس کے لئے اپنی ناراضگی لکھ دیتے ہیں۔''

حضرت علقمہؒ فرمایا کرتے تھے کہ بہت ساری باتوں سے بلال بن حارث کی حدیث نے مجھے روکا۔

اسی طرح جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں ایک صحابی کا انتقال ہوا تو ایک شخص نے کہا۔ ''آپ کو جنت کی بشارت ہو'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وما يدريك؟ فلعله تكلم فيما لا يعنيه او بخل بما لا ينقصه'' ''تمہیں کیسے پتہ چلا کہ وہ جنتی ہے ہو سکتا ہے کہ اس نے زبان سے کوئی فضول گفتگو کی ہو یا ایسی چیز سے بخل کیا ہو جس سے عام طور بخل نہیں کیا جاتا۔''

یہی مضمون دوسرے لفظوں میں یوں ہے۔ غزوۂ احد کے موقع پر ایک نوجوان کا انتقال ہوا تو دیکھا گیا کہ اس کے پیٹ پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھا ہوا تھا تو اس کی ماں اس کے چہرے سے گرد و غبار صاف کرتی ہوئی کہنے لگی ''میرے پیارے تجھے جنت کی خوشخبری ہو'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تجھے کیسے معلوم ہوا کہ یہ جنتی ہے؟ ہو سکتا ہے لا یعنی و فضول بات اس کے منہ سے نکلی ہو یا کسی نقصان نہ دینے والی چیز کے بارے بخل کیا ہو۔

اسی طرح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً

روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیقل خیراً او لیصمت" "اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھنے والے شخص کو چاہئے کہ نیکی وخیر کی باتیں کہے ورنہ خاموش رہے"۔

اور مسلم شریف میں دوسرے الفاظ میں یہی مضمون اس طرح آیا ہے "من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فاذا شہد امراً فلیتکلم بخیر او یسکت" "جس کا اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان ہو اور کسی معاملے میں گواہی دے تو خیر کی بات کرے یا خاموش رہے"۔ اسی طرح ترمذی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبارک بھی نقل کیا ہے۔

"من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ" (الحدیث) "فضول و لا یعنی باتوں اور کاموں کو چھوڑنا انسان کے بہترین مسلمان ہونے کی علامت ہے"۔

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے اسلام کے متعلق ایسی بات بتا دیجئے کہ اس کے بعد مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿قل آمنت باللہ ثم استقم﴾

"کہہ دو میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا پھر اس بات پر مضبوطی سے برقرار رہو"

پھر میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارے بارے آپ کو سب سے زیادہ کس چیز کا اندیشہ ہے؟ تو آپ نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا "ھذا" (یعنی اس زبان کو غلط استعمال کرنے کا اندیشہ ہے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبارک

نقل فرماتی ہیں:

﴿كل كلام ابن آدم عليه لا له الا امرا بمعروف ونهيا عن منكر او ذكر الله عز وجل﴾

''ذکر اللہ، امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کے علاوہ انسان کا ہر کلام اس کے لئے وبال ہے'' (ترمذی)

ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک منقول ہے:

﴿اذا اصبح العبد فان الاعضاء كلها تكفر اللسان، فتقول: اتق الله فينا فانما نحن بك فان استقمت استقمنا، وان اعوججت اعوججنا﴾

''جب صبح ہوتی ہے تو بدن کے تمام اعضاء زبان سے عرض کرتے ہیں۔ ہمارے بارے میں خدا تعالیٰ کا خوف کرو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اگر تو سیدھی ہوگی تو ہم بھی سیدھے ہوں گے اور اگر تجھ میں کجی آجائے تو ہم میں بھی کجی آجائے گی۔''

اسلاف تو یہ ''آج کا دن گرم ہے'' یا ''آج کا دن ٹھنڈا ہے'' کہہ کر بھی اس پر اپنا احتساب کرتے ہیں۔

کسی بڑے عالم کو خواب میں دیکھا گیا اور ان سے دریافت کیا گیا۔ تیرے ساتھ کیا معاملہ ہوا تو کہنے لگے۔ مجھے صرف ایک بات پر روک لیا گیا وہ یہ کہ میں نے کہا تھا ''لوگوں کو بارش کی آج کل سخت ضرورت ہے'' مجھ سے فرمایا گیا ''یہ لوگوں کی مصلحتوں کے بارے تجھے کیا علم ہے اپنے بندوں کی مصلحتیں میں خود جانتا ہوں۔''

کسی صحابیؓ نے اپنی خادمہ سے کہا کہ دسترخوان لاؤ ذرا کچھ شغل و تماشا کریں۔ پھر فوراً استغفر اللہ کہا اور کہنے لگے۔ میں ہر بات احتیاط سے کرنے کی کوشش

کرتے ہوں مگر یہ کلمہ مجھ سے بے احتیاطی سے نکلا۔ بدن کے تمام اعضاء میں سب سے آسان زبان کی حرکت ہے مگر انسان کے لئے سب سے زیادہ نقصان دہ اور ضرر رساں بھی زبان ہی کی حرکت ہے۔ علماء کے درمیان اس بات پر اختلاف ہے کہ آیا انسان کے تمام ملفوظات لکھے جاتے ہیں یا صرف کلمات خیر یا صرف کلمات شر۔ لیکن راجح قول پہلا ہی ہے، کسی بزرگ کا قول ہے ''اللہ کی یاد اور اس کے متعلقات کے علاوہ انسان کے تمام کلام اس کے لئے وبال ہیں۔'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی زبان پکڑ کر فرماتے۔ ''اسی نے تو مجھے شدائد میں ڈال دیا ہے۔ تمہارا کلام تمہارے قبضے میں ہے اور جب تیرے منہ سے نکل جائے تو تو اس کے قبضے اور قید میں آجائے گا۔'' ہر بات کرنے والے پر اللہ کی طرف سے نگہبان موجود ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾

''وہ جس تلفظ کرتا ہے مگر اس کے پاس ایک نگران تیار بیٹھا ہے''

(ق ۱۸)

زبان کی دو بڑی آفتیں ہیں۔ ایک سے بچ جائے تو دوسری سے بچنا بے حد مشکل ہے۔

ایک بولنے کی آفت، دوسری خاموشی کی آفت۔ بسا اوقات ایک کا گناہ دوسرے سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ حق سے خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نافرمان اور دین کو ہلکا سمجھنے والا ریاکار ہوتا ہے۔ اور غلط بولنے والا شیطان، رحمٰن کا نافرمان ہوتا ہے۔ اکثر لوگ بولنے اور خاموش رہنے میں راہ اعتدال سے منحرف ہوتے ہیں۔ اور کچھ لوگ بولنے اور خاموش رہنے میں اعتدال کے دامن کو تھامے رہتے ہیں۔

اور یہی لوگ راہِ مستقیم کے راہ رو ہیں جو اپنی زبانوں کو فضول گوئی سے روکتے۔ اور آخرت میں نفع دینے والی باتوں پر اسے چلاتے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں میں آپ کسی کو بھی کسی قسم کی فضول گوئی کرتے نہیں دیکھیں گے چہ جائے کہ وہ ایسے بول بولیں جو آخرت کے لئے نقصان دہ ہوں۔ بعض لوگ قیامت کے دن نیکیوں کے پہاڑ لے کر آئیں گے مگر دیکھیں گے کہ ان زبانوں نے انہیں برباد کر دیا ہوگا۔ اور بعض لوگ برائیوں کے انبار ساتھ لائیں گے مگر دیکھیں گے کہ زبان سے ذکر الٰہی کی کثرت نے ان برائیوں کو مٹا دیا ہوگا۔

قدم کی حفاظت:

قدم کی حفاظت یہ ہے کہ ہر اس کام میں قدم اٹھائے جس میں ثواب کی امید ہو۔ ثواب کے بغیر چلنے کے مقابلے میں بیٹھنا ہی بہتر ہے۔ انسان کے بس میں ہے کہ ہر جائز کام کی طرف قدم اٹھا کر چلنے کو نیت کے ذریعے تقرب الٰہی کا ذریعہ بنائے۔ لہٰذا نیت کے ذریعے ہر مباح قدم کو عبادت بنا سکتا ہے اور ہر قدم میں ثواب ہوگا۔

انسانی لغزشات دو طرح کی ہوتی ہیں۔

(۱) پاؤں کے ذریعے سرزد ہونے والی لغزشات

(۲) زبان سے سرزد ہونے والی لغزشات۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیہ مبارکہ میں ان دونوں قسم کی لغزشات سے

حفاظت کو اکٹھا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ (الفرقان:۶۳)

"اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب ان سے جہالت والے لوگ بات کرتے ہیں تو وہ رفع شر کی بات کہتے ہیں۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ اس بات پر اپنے بندوں کی تعریف فرمارہے ہیں کہ وہ اپنی زبان اور قدموں کو غلط استعمال نہیں کرتے۔ اسی طرح ایک جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنکھوں اور دل کی حفاظت کو اکٹھا ذکر فرمایا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ﴾ (الغافر:۱۹)

"وہ آنکھوں کی چوری جانتا ہے اور ان کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

﴿اکثر ما یدخل الناس النار الفم و الفرج﴾

"اکثر لوگ جہنم میں زبان اور شرم گاہ کے سبب داخل ہوں گے"

صحیحین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿لا یحل دم امرئ مسلم الا باحدی ثلاث۔ الثیب الزانی۔ والنفس بالنفس۔ و التارک لدینه المفارق للجماعة﴾

"تین قسم کے مسلمانوں کے علاوہ کسی مسلمان کو قتل کرنا جائز نہیں

ہے۔ شادی شدہ زانی، قاتل، اپنے دین کو چھوڑ کر مرتد ہونے والا۔ (صحیحین)

جیسے اس حدیث میں زنا، کفر اور قتل کو اکٹھا ذکر فرمایا ہے اسی طرح سورۃ فرقان میں بھی ان تینوں چیزوں کو اکٹھا ذکر کیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں سب سے پہلے اس چیز کو ذکر فرمایا ہے جو بہ نسبت دوسری چیزوں کے زیادہ کثرت سے پائی جاتی ہے۔ اسی لئے سب سے پہلے زنا کو ذکر فرمایا کیونکہ وہ بہ نسبت قتل کے زیادہ عام ہے پھر آپ نے قتل کو ذکر فرمایا کیونکہ وہ بہ نسبت ارتداد کے زیادہ واقع ہوتا ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ گناہ میں مبتلا ہونے والوں کا بتدریج ذکر فرمایا ہے۔

زنا ایک ایسا قبیح جرم ہے جس سے پوری دنیا کا نظام تہہ و بالا ہو جاتا ہے۔ اگر عورت زنا کرائے تو اس کی شرم اس کا خاوند، بلکہ تمام گھر والے محسوس کرتے ہیں اور ان کے سر لوگوں کے سامنے ندامت سے جھک جاتے ہیں۔ اور اگر زنا سے حمل ہو جائے تو یا تو اس حمل کو ضائع کرایا جائے گا اس طرح زنا اور قتل دونوں کا دگنا گناہ ہوگا اور اگر زنا کے حمل سے بچہ پیدا ہو جائے جب کہ عورت شادی شدہ بھی ہو تو اس کا مطلب ہے کہ عورت نے اس گھر میں ایک ایسے اجنبی کو داخل کر دیا ہے جس کا گھر والوں سے کوئی رشتہ داری نہیں۔ یہ لڑکا ان کا وارث بن جائے گا حالانکہ اس کا وراثت میں کوئی حق نہیں۔ یہ لڑکا گھر کی خواتین کو دیکھے گا، ان سے تنہائی اختیار کرے گا حالانکہ یہ جائز نہیں۔ اس قسم کی اور بھی بے شمار خرابیاں اس زنا سے لازم آ گئی ہیں۔

اور اگر مرد زنا کرے تو اس سے بھی نسب میں اختلاط لازم آتا ہے، نیز پاکدامن عورت کی پاک دامنی کو ختم کرنے کی خرابی لازم آتی ہے۔ اور پھر اگر زنا سے حمل ہو جائے تو اسے ضائع کرنا پڑے گا یا پھر وہ خرابیاں لازم آئیں گی جو عورت کے

زنا کے بیان میں گذر چکی ہیں۔

الغرض زنا کا فعل شنیع دین و دنیا دونوں کی خرابی کا باعث ہے اور برزخ میں عذاب قبر کا سبب ہے۔ زنا کتنے نامحرموں کو محرم بنا دیتا ہے؟ کتنے حقوق کے ضیاع کا سبب ہے؟ اور کتنے مظالم کے وقوع کا باعث ہے؟ نیز اس کی ایک بہت بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ اس سے انسان تنگ دستی اور کم عمری میں مبتلا ہوتا ہے اور لوگوں کے سامنے ذلیل اور روسیاہ ہوتا ہے۔ اس کی ایک یہ بھی خرابی ہے کہ یہ دلی جمعی کے خاتمے کا سبب ہے بلکہ مردہ دلی اور بیماری دل کا باعث ہے۔ اس سے غم، خوف اور حزن لاحق ہوتے ہیں۔ یہ غلیظ فعل انسان کو خدا تعالیٰ سے دور کر کے شیطان کے قریب کر دیتا ہے۔ زنا قتل کے بعد سب سے زیادہ خرابیوں کا باعث ہے اسی لئے شریعت نے اس کی یہی سزا تجویز کی ہے کہ زانی کو انتہائی دردناک اور وحشتناک طریقے سے قتل کر دیا جائے۔ اگر کسی انسان کو علم ہو کہ اس کی بیوی یا اس کی رشتہ دار قتل کر دی گئی تو اسے اتنا افسوس نہیں ہوگا جتنا کہ اس بات کا ہوگا کہ اس کی بیوی یا کسی رشتہ دار عورت کے ساتھ زنا کیا گیا۔

ایک روز حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں کسی انسان کو اپنی بیوی کے ساتھ مشغول دیکھ لوں تو اسے معاف نہیں کروں گا بلکہ اسے قتل کر دوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک جب ان کی یہ بات پہنچی تو آپؐ نے فرمایا:

﴿اتعجبون من غیرة سعد؟ واللہ لانا اغیر منه واللہ اغیر منی و من اجل غیرة اللہ حرم الفواحش ما ظهر منها و ما بطن﴾

"کیا تمہیں سعد کی غیرت پر تعجب ہو رہا ہے؟ خدا کی قسم میں سعد سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ

غیرت مند ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ظاہر اور پوشیدہ دونوں
قسم کی برائیوں کو حرام قرار دیا ہے" (متفق علیہ)

صحیحین میں مذکور ہے:

﴿ان اللہ یغار و ان المؤمن یغار و غیرۃ اللہ ان یاتی
العبد ما حرم علیہ﴾

"بیشک اللہ تعالیٰ بھی غیرت والے ہیں اور مومن بھی غیرت مند
ہے۔ اللہ کی غیرت یہ ہے کہ انسان اللہ کے حرام کردہ کاموں
میں واقع ہو" (صحیحین)

صحیحین میں ایک اور حدیث ہے۔

﴿لا احد اغیر من اللہ من اجل ذالک حرم
الفواحش ما ظھر منھا وما بطن و لا احد احب الیہ
العذر من احد من اجل ذالک ارسل الرسل مبشرین و
منذرین و لا احد احب الیہ المدح من اللہ ومن اجل
ذالک اثنی علی نفسہ﴾

"کوئی بھی ذات اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت والی نہیں۔ اسی لئے
اللہ تعالیٰ نے ظاہری اور پوشیدہ دونوں برائیوں کو حرام قرار دیا
ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی بھی عذر آوری پسند نہیں کرتا
اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو بشیر اور نذیر بنا کر
بھیجا ہے۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی کو تعریف پسند ہے
اسی لئے اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تعریف فرمائی ہے" (صحیحین)

صحیحین میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ کسوف کے خطبہ

کے دوران ارشاد فرمایا: اے امت محمد! خدا کی قسم اللہ سے زیادہ کسی کو اس پر غیرت نہیں آتی کہ اس کا بندہ یا بندی زنا کرے۔ اے امت محمد! اگر تم وہ کچھ جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم ہنسو کم اور زیادہ روؤ۔ پھر آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کئے اور فرمایا اللھم ھل بلغت۔ اے اللہ کیا میں نے آپ کا حکم پہنچا دیا؟

نماز کسوف کے متصل بعد اس قبیح فعل کے ذکر کرنے میں اگر غور کیا جائے تو اہم نکتہ پنہاں ہے۔

زنا دنیا کی خرابی کی علامت اور قیامت کی نشانی ہے۔ جیسے کہ صحیحین میں حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں۔ میں تمہیں ایسی حدیث سناتا ہوں جو تمہیں میرے بعد کوئی نہیں سنائے گا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ قیامت کی علامات یہ ہیں کہ علم اٹھا لیا جائے گا۔ جہالت ظاہر کر دی جائے گی۔ شراب پی جانے لگی، زنا کیا جائے گا۔ مرد کم اور عورتیں زیادہ ہوں گی۔ یہاں تک کہ پچاس عورتوں کے لئے ایک ہی مرد ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہی ہے کہ زنا کے وقت اللہ تعالیٰ شدید ناراض ہوتے ہیں۔ یہی ہو سکتا ہے کہ اللہ کا غضب دنیا میں سزا کا باعث بن جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ جس بستی میں سود اور زنا کا وقوع ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی بربادی کا حکم دے دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے زنا کی تین حدود بیان فرمائی ہیں۔

(۱) رجم کے طریقے سے قتل کرنا۔ اگر غیر شادی شدہ کیا جائے تو دوسری سزا دی جاتی ہے۔ جسم کی سزا یہ ہے اسے کوڑے لگائے جاتے ہیں اور دل کی سزا یہ ہے کہ انسان کو ایک سال کے لئے جلاوطن کر دیا جاتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو زانی پر رحم سے منع کیا ہے کہ تمہیں ان کے

جب حد کی قائم نہ کریں۔ جس خدا نے یہ سزا مقرر فرمائی ہے وہ سب سے زیادہ رحیم و کریم ہے جب اس کا رحم سزا میں رکاوٹ نہیں بنتا تو تمہاری رحمت و رافت بھی اقامت حدود میں مانع نہیں ہونی چاہیئے۔

یہ بات اگرچہ تمام حدود میں ضروری ہے مگر زنا میں اسے خاص طور سے ذکر کیا گیا کیونکہ لوگوں کے دلوں میں جتنی سختی چور، ڈاکو اور شرابی وغیرہ کے بارے میں پائی جاتی ہے اتنی زانی کے بارے میں نہیں پائی جاتی بلکہ لوگوں کے دلوں میں اخلاق بگاڑ کی وجہ سے زانی کے بارے میں لچک پائی جاتی ہے۔ واقعات سے اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم سے منع فرمایا ہے اور حکم دیا ہے کہ حد ضرور قائم کریں۔

زانی پر رحم کا سبب یہ بھی ہے کہ اس گناہ میں اچھے، برے اور متوسط ہر طبقہ کے لوگ مبتلا ہوتے ہیں۔ دل میں اس کام کی خواہش بھی زیادہ ہوتی ہے، اس میں ابتلا بھی زیادہ ہوتا ہے، اکثر زنا عشق کے سبب ہوتا ہے اور دل میں عاشق پر رحم کا داعیہ ضرور پیدا ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ عاشق کی مدد کو ثواب سمجھتے ہیں۔ اگرچہ محبوبہ کو دیکھنا شریعت میں جائز نہیں لیکن پھر بھی اسے اتنا معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ بعض لوگ تو جانوروں کی طرح ہر قسم کی شرم بالائے طاق رکھ کر اس میں منہمک ہو جاتے ہیں۔ ہمیں بہت سی ایسی باتیں نقل کی گئی ہیں جن سے زانیوں کی حماقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

نیز یہ گناہ چونکہ جانبین کی رضامندی سے ہوتا ہے۔ اس میں ظلم اور تعدی نہیں کہ لوگ اس سے متنفر ہوں۔ انسان میں چونکہ شہوت کا مادہ موجود ہے اس لئے اسے زانی پر رحم آ سکتا ہے حتیٰ کہ ہو سکتا ہے کہ یہ رحم اسے اقامت حد سے ہی روک دے۔ لیکن یہ تمام ایمانی کمزوری سے ہوتا ہے اور تقاضا ایمان یہ ہے کہ انسان میں اتنی

قوت ہو کہ اللہ کی حدود کو قائم کر سکے، اور رحم بھی ہو لیکن قوت اور رحم دونوں اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہوں۔

(۳) زانی پر حد لوگوں کی موجودگی میں قائم کی جائے نہ کہ تنہائی میں جہاں کوئی دیکھ نہ سکے۔ کیونکہ حد کا تقاضا اور حکمت یہی ہے کہ لوگوں کے سامنے ہو تا کہ لوگ عبرت حاصل کریں۔

شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا قوم لوط کی سزا سے لیا گیا ہے کیونکہ زنا اور لواطت فحش ہونے میں برابر ہیں کیونکہ دونوں کام اللہ تعالیٰ کی تخلیقی حکمتوں کے خلاف ہیں۔

مفعول کو قتل کرنا ہی بہتر ہے تا کہ وہ دوبارہ ایسی حرکت نہ کر سکے کیونکہ وہ ایسی خرابی میں مبتلا ہے جس کے بعد بھلائی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اس کی تمام بھلائی غارت ہو جاتی ہے زمین اس کے چہرے سے حیا کو چوس لیتی ہے۔ پھر اسے نہ خدا سے حیا آتی ہے اور نہ ہی مخلوق سے۔ اس کے دل اور روح میں فاعل کا نطفہ اتنا ہی نقصان دہ ہے جتنا کہ انسانی جسم میں لئے زہر۔

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا مفعول جنت میں داخل ہوگا؟ اس میں دو قول ہیں میں نے شیخ الاسلام کو یہ بیان کرتے سنا فرماتے ہیں کہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے لا یدخل الجنۃ ولد زنا۔ ولد زنا جنت میں داخل نہیں ہوگا جب ولد زنا کے بارے میں یہ ارشاد ہے جس کا کوئی گناہ نہیں لیکن اس کی بنیاد شر اور خباثت پر ہے اس لئے اس سے کبھی بھی بھلائی کی توقع نہیں کی جا سکتی کیونکہ وہ خبیث نطفہ کی پیداوار ہے۔ نیز جب حرام مال سے

اس حدیث کو امام عبدالرزاق، ابن حبان وغیرہ نے ضعیف سند کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ اس حدیث کے ظاہری معنی قرآن کریم کی اس آیت کے معارض ہیں ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ علامہ سخاوی نے اس کے طرق کی بناء پر اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

نشوونما پانے والا جسم آگ کا حقدار ہے تو نطفۂ حرام سے پیدا ہونے والے جسم کا کیا حال ہوگا؟ علماء حضرات فرماتے ہیں مقبول یہ ولد زنا سے زیادہ برا، بخیل اور رسوا اور خبیث ہے۔ وہ اس قابل ہے کہ اسے بھلائی کی توفیق نصیب نہ ہو۔ اگر اس سے کوئی نیکی کا کام سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس سے ایسا عمل کرا دیتے ہیں جس سے اس کی نیکی غارت ہو جاتی ہے یہی اس کی سزا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو بچپن میں اس قبیح کام میں جتنا رہا وہ بڑا ہو کر اور زیادہ شریر بنا۔ اسے نہ علم نافع نصیب ہوتا ہے اور نہ ہی عمل صالح اور توبۂ نصوح اس کے مقدر میں ہوتی ہے۔

اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ اگر اس میں مبتلا ہو تو توبہ کرکے اللہ کی طرف رجوع کرے اور نیک عمل کرے اور پہلے کی بہ نسبت خود کو نیک کر لے اور توبہ کے ذریعے اپنے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے، اطاعت خداوندی کے ذریعے شرم کے داغ دھو ڈالے، اپنی آنکھ جھکا لے، اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ صدق نیت سے پیش آئے تو وہ یقیناً بخشا ہوا اور ولی جنت میں سے ہے۔ جب توبہ ہر گناہ کو مٹا دیتی ہے حتیٰ کہ شرک، قتل انبیاء، جادو اور کفر وغیرہ کو بھی تو اس گناہ کے مٹانے سے کیوں عاجز رہے گی؟ اللہ تعالیٰ کی حکمت، عدل اور فضل تو یہ ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو شخص شرک، قتل اور زنا سے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو نیکیاں بنا دیتا ہے۔ یہ حکم ہر گناہ سے توبہ کرنے والے ہر شخص کے لئے ہے۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (الزمر)

نیز آپ نے فرمایا کہ ناصر کے متعلقین میں سے کسی پر نزع کا عالم طاری ہوا اس کے بیٹے نے کہا کہ کلمہ پڑھئیں اس نے جواب میں کہا میرے مولیٰ ناصر ہیں۔ بیٹے نے پھر کہا ابا جی! کلمہ پڑھئیں۔ اس نے پھر یہی جواب دیا پھر اس پر غشی طاری ہوگئی۔ کچھ دیر بعد افاقہ ہوا اس سے پھر یہی کہا گیا اس نے پھر وہی جواب دیا۔ الغرض آخری وقت اسے کلمہ نصیب نہیں ہوا۔ پھر اس نے اپنے بیٹے سے کہا ناصر کے پاس یہ تلوار لے جانا وہ تمہیں اس کے ذریعے پہچان لے گا۔ قتل، قتل۔ اسی طرح یہ قول کہتا اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔

عبدالحق فرماتے ہیں۔ میرے واقف کاروں میں سے ایک آدمی کو آخری وقت کہا گیا کلمہ پڑھو وہ کہنے لگا فلانی کے گھر کی مرمت کرو اور فلاں کے باغ میں یہ کرو اور وہ کرو۔

نیز فرمایا کہ مجھے ابوطاہر سلفی نے بتایا کہ ایک آدمی کی موت کے وقت اسے کلمہ پڑھنے کی تلقین کی گئی تو وہ کلمہ کی بجائے فارسی میں کہنے لگا۔

دہ یازدہ دوازدہ یعنی دس، گیارہ، بارہ

ایک اور شخص سے موت کے وقت کلمہ پڑھنے کو کہا گیا تو وہ کہنے لگا حمام منجاب کا راستہ کونسا ہے؟ اس کا قصہ یہ ہے کہ ایک آدمی اپنے گھر کے دروازے پر کھڑا تھا اس کے گھر کا دروازہ حمام منجاب کے دروازے کی طرح تھا۔ اچانک ایک خوبصورت خاتون اس نوجوان کے پاس آئی اور پوچھنے لگی کہ حمام منجاب کا راستہ کونسا ہے۔ اس نے اپنے گھر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ حمام منجاب ہے۔ وہ خاتون گھر میں داخل ہوگئی۔ یہ نوجوان بھی داخل ہوگیا۔ جب اس خاتون کو علم ہوا کہ اس کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے تو اس نے بھی مرد کو دھوکہ دینے کے لئے خوشی کا مظاہرہ کیا اور کہنے لگی کہ اس موقعہ پر کھانے پینے کا سامان بھی ہو تو مزہ دوبالا ہو جائے گا۔ جوان

کہنے لگا آپ ذرا سی دیر ٹھہریں میں ابھی لے کر آتا ہوں۔ نوجوان یہ کہہ کر گھر سے نکلا
کچھ دیر بعد جب کھانے کے سامان لے کر واپس ہوا تو وہ خاتون غائب تھی۔ اس
نوجوان کو بہت افسوس ہوا۔ یہ نوجوان عموماً اس خاتون کا تذکرہ کرتا اور یہ شعر پڑھتا۔

یا رب قائلة یوما وقد تعبت   کیف الطریق الی حمام منجاب؟

ہائے افسوس وہ خاتون کس دن تھک کر پوچھ رہی تھی کہ حمام منجاب کا راستہ کونسا ہے؟

ایک روز یہ نوجوان یہی شعر پڑھ رہا تھا کہ ایک خاتون نے اسے دریچے سے
جواب دیا کہ

هلا جعلت سریعا اذ ظفرت بها   حرزا علی الدار او قفلا علی الباب

جب تو اس پر کامیاب ہو چکا تھا تو تو نے جلدی سے اسے گھر میں مقید کیوں نہیں کیا یا
تو نے دروازے کو تالا کیوں نہیں لگایا؟

نوجوان یہ سن کر اور زیادہ حسرت کرنے لگا۔ یہاں تک کہ جب دنیا سے
رخصت ہوا تو اس کی زبان پر یہی جاری تھا کہ حمام منجاب کا راستہ کونسا ہے؟

ایک روز حضرت سفیان ثوریؒ تمام رات روتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح
ہوگئی۔ صبح کے وقت کسی نے پوچھا کہ کیا آپ گناہوں کے خوف سے رو رہے تھے؟
آپؒ نے زمین سے مٹی اٹھائی اور فرمایا گناہ تو اس سے بھی ہلکے ہیں میں تو سوء خاتمہ
کے ڈر سے رو رہا ہوں۔

یقیناً سمجھدار شخص وہی ہے جو یہ سوچے کہ اس کے گناہ اسے موت کے وقت
ذلیل کریں گے اور اسکے حسن خاتمہ میں رکاوٹ ڈالیں گے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت ابوالدرداءؓ کا قصہ بیان کیا ہے۔ جب آپ کا
آخری وقت آیا تو آپ پر غشی طاری ہوئی۔ جب کچھ افاقہ ہوا تو آپؓ نے یہ آیت

مبارکہ تلاوت فرمائی:

﴿وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ (الانعام ۱۱۰)

"اور ہم بھی ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسا یہ لوگ اس پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں حیران رہنے دیں گے۔"

سلف صالحین اسی لئے گناہوں سے خوف زدہ رہتے ہیں کہ اس سے سوء خاتمہ کا ڈر ہوتا ہے۔

نیز فرمایا کہ سوئے خاتمہ بعد ذنا اللہ منہا سے وہ شخص محفوظ رہتا ہے جس کا ظاہر اتباع سنت سے آراستہ اور جس کا باطن اصلاح یافتہ ہو۔ الحمدللہ ایسا کبھی نہیں سنا گیا کہ متبع سنت سوء خاتمہ کا شکار ہوا ہو۔ بلکہ صرف وہی شخص سوء خاتمہ میں مبتلا ہوتا ہے جس کے عقیدہ میں فساد ہو یا جو مسلسل کبیرہ گناہ میں مبتلا رہا ہو۔ جب ایسے شخص پر گناہ غالب آجاتے ہیں تو توبہ سے پہلے اس کی موت آجاتی ہے اور شیطان اس کے خلاف کامیاب ہو جاتا ہے۔

نیز ایک روایت بیان فرمائی کہ مصر میں ایک آدمی مسجد میں رہتا تھا۔ اذان دیتا اور نماز پڑھاتا تھا۔ اس کا چہرہ عبادت کے انوار سے درخشاں تھا۔ ایک روز یہ نوجوان حسب عادت اذان دینے کے لئے منارہ پر چڑھا۔ اس منارہ کے نیچے ایک عیسائی کا گھر تھا۔ چونکہ اس کی نظر عیسائی کی بیٹی پر پڑی۔ اس کے دل میں اس کی محبت پیدا ہوئی اس نے اذان چھوڑی، منارہ سے اترا اور عیسائی کے گھر پہنچ گیا۔ اس لڑکی نے پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ اس نے کہا کہ میرے دل پر آپ کی محبت غالب آگئی ہے اس لڑکی نے کہا کہ میں تمہارا مرتبہ نہیں کرتی۔ یہ نوجوان کہنے لگا۔

میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں وہ لڑکی کہنے لگی آپ مسلمان ہیں اور میں عیسائی میرے والد بھی اس شادی پر راضی نہیں ہوں گے۔ یہ نوجوان کہنے لگا تو پھر میں عیسائی ہو جاتا ہوں۔ لڑکی نے جواب دیا کہ اگر ایسا ہو جائے تو میں شادی پر رضامند ہوں۔ یہ نوجوان اس لڑکی سے شادی کرنے کے لئے عیسائی بن گیا اور ان کے گھر میں ٹھہر گیا اسی روز یہ نوجوان کسی کام سے گھر کی چھت پر چڑھا، پاؤں پھسلا، نیچے گرا اور مر گیا۔ اپنا دین بھی ضائع کیا اور لڑکی بھی حاصل نہ کر سکا۔

نیز فرمایا کہ ایک شخص کا کسی سے شدید تعلق ہو گیا اور اس کی شدید محبت اس کے دل پر غالب تھی۔ یہاں تک کہ شدت محبت سے اتنا مضطرب ہوا کہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا اور بستر پر دراز ہو گیا۔ اور محبوب سے ملنے کی تمنا کرنے لگا۔ اس کا محبوب اس سے شدید نفرت کرتا تھا۔ لوگ درمیان میں آئے اور کسی طرح محبوب کو اس سے ملنے پر رضامند کیا جب اسے خبر پہنچی کہ اس کا محبوب اس سے ملنے آ رہا ہے تو شدت خوشی سے اس کی تمام تکلیف ختم ہو گئی اور وہ بالکل تندرست ہو گیا۔ اسی دوران درمیانی واسطے کے آدمی نے آکر خبر دی کہ آپ کا محبوب آدھے راستے سے واپس ہو گیا کیونکہ وہ کہتا ہے کہ میں بدنامی سے ڈرتا ہوں میں تہمت کی جگہ جانا پسند نہیں کرتا۔ میں نے اسے بہت سمجھایا مگر وہ رضامند نہیں ہوا۔ اس شخص نے جب یہ سنا تو اس کی حالت پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو گئی ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے موت کے منہ میں پہنچ چکا ہو۔ اسی حالت میں اس نے یہ اشعار پڑھے

اسلم یا راحة العلیل	و یا شفا المدنف النحیل
رضاک اشهی الی فؤادی	من رحمة الخالق الجلیل

اے سلامت رہنے والے! اے بیمار کی راحت! اے موت کے منہ میں پہنچے ہوئے

دوستی کے لئے باعث شفا تیری رضا ہے سے ولی و قدانی ہے زیادہ مرغوب تھے۔

میں نے اس سے کہا کہ خدا سے ڈر تو کیا کہہ رہا ہے۔ میں یہ کہہ کر روانہ ہو گیا۔ ابھی میں دروازہ تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ مجھے اس کی چیخ سنائی دی اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

نعوذ باللہ من سوء الخاتمۃ و شقوۃ الخاتمۃ

لوطی کی سزا:

لواطت بہت بڑے فساد کا باعث ہے اسی لئے اس کی سزا بھی دنیا و آخرت دونوں میں بہت بڑی ہے۔ علماء کرام کا اس کی سزا کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس کی سزا زنا کی سزا سے زیادہ ہے یا کم؟ یا دونوں کی سزا برابر ہے؟

حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت علیؓ حضرت خالد بن ولیدؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت جابر بن زیدؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، زہریؒ، ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن، امام مالکؒ، اسحاق بن راہویہ، صحیح روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ اور ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سزا زنا کی سزا سے زیادہ ہے۔ لواطت کرنے والا شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اسے بہرصورت قتل کیا جائے گا۔

حضرت عطاء بن ابی رباحؒ، حسن بصریؒ، سعید بن المسیب، ابراہیم نخعیؒ، قتادہ، اوزاعی، ظاہری مذہب کے مطابق امام شافعی، ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل، امام ابو یوسف اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ لواطت اور زنا کی سزا برابر ہے۔

امام حکمؒ اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ لواطت کی سزا زنا کی سزا سے کم

ہے، انکی سزا تعزیر ہے نہ کہ حد۔ اس کی دلیل یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ اس کی سزا نہ ہی اللہ تعالیٰ نے مقرر کی ہے اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ لہٰذا اس میں تعزیر ہوگی نہ کہ حد جیسے کہ مردار اور خنزیر وغیرہ کے کھانے میں۔ نیز یہ بھی دلیل دیتے ہیں کہ چونکہ لواطت کے ذریعے ایسے مقام میں شہوت پوری کی جاتی ہے جہاں طبیعت نہیں چاہتی بلکہ اس مقام میں شہوت پوری کرنے کو ناپسند سمجھتی ہے۔

نیز یہ کہ لواطت کرنے والے کو نہ ہی لغۃً زانی کہا جاتا ہے، نہ ہی شرعاً اور نہ ہی عرفاً لہٰذا یہ ان نصوص کے ذیل میں داخل نہیں ہوگا جو زنا کی حد پر دلالت کرتی ہیں۔ نیز اگر ہم شریعت کے قواعد کا بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر طبیعت گناہ کو ناپسند سمجھے تو اس میں حد واجب نہیں ہوتی جیسے کہ مردار اور خنزیر کھانا وغیرہ اور اگر طبیعت اس گناہ کی طرف مائل ہو تو اس میں حد واجب ہوتی ہے جیسے زنا، چوری اور شراب نوشی وغیرہ، اسی لئے مردار اور چوپایوں کے ساتھ بدکاری سے حد لازم نہیں ہوتی۔ اب اگر غور کریں تو اللہ تعالیٰ نے مرد کے ساتھ بدکاری سے شدید نفرت ڈال دی ہے۔ یہاں تک کہ چوپایوں اور مرداروں کے ساتھ بدکاری سے بھی زیادہ۔ نیز زنا میں تقاضا جانبین سے ہوتا ہے بخلاف لواطت کے کیونکہ کوئی بھی مرد یہ نہیں چاہتا کہ اس کے ساتھ لواطت کی جائے۔ نیز یہ کہ اگر دو عورتیں آپس میں برائی کریں تو جب ان پر حد واجب نہیں ہوتی تو دو مردوں کی برائی سے ان پر حد کیسے لازم ہو جائے گی۔

جب کہ جمہور امت فرماتے ہیں کہ اس کی سزا زنا سے زیادہ ہے۔ کیونکہ صحابہؓ کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ اس گناہ کا فساد سب سے زیادہ ہے بلکہ قریب بہ کفر ہے۔ نیز اس کا فساد قتل سے بھی زیادہ ہے جیسا کہ ہم انشاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔ اس کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط سے پہلے اس گناہ کبیرہ

میں بھی کسی قوم کو مبتلا نہیں فرمایا اور ان سے پہلے کسی کو بھی اتنی بڑی سزا نہیں
دی۔ انہیں ہلاک فرمایا، پوری بستی کو الٹ کر زمین پر دے مارا، انہیں زمین میں دھنسا
دیا اور ان پر پتھروں کی بارش فرمائی کیونکہ یہ ایک عظیم جرم ہے کہ جب یہ گناہ زمین پر
ہوتا ہے تو زمین کانپ جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کے سامنے فریاد کرتی ہے، فرشتے آسمانوں
اور زمین کی جوانب میں بھاگ جاتے ہیں کہ کہیں اللہ کا عذاب لواطت میں مبتلا
لوگوں پر نہ آ جائے اور یہ بھی اس عذاب میں گرفتار ہو جائیں۔ اس فعل شنیع کے
باعث اگر پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو ممکن ہے۔ مفعول کے ساتھ بدکاری
سے بہتر ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ اگر اس کے ساتھ بدکاری کی گئی تو اس کی
زندگی موت سے بدتر ہوگی اور اگر اسے قتل کر دیا گیا تو مظلوم اور شہید ہے جس کا اجر
اسے آخرت میں ضرور ملے گا۔

یہ اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ قتل پر مجبور کرنے کا اختیار ولی کو دیا
ہے کہ اگر چاہے قتل کرے اور اگر چاہے تو معاف کر دے۔ لیکن ولی کو یہ چھوٹ
حاصل نہیں ہے کہ اسے بھی قتل کر دیا جائے گا۔ اس پر صحابہ کا اجماع ہے حضور صلی
اللہ علیہ وسلم کی سنت سے بھی یہ ثابت ہے جس پر صحابہ اور خلفاء راشدین کا عمل ہے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ عرب کے ایک علاقہ میں پہنچے جہاں مرد آپس میں
نکاح کیا کرتے تھے۔ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو صورت حال لکھ بھیجی۔ حضرت
ابوبکرؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت علیؓ نے خوب سختی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ یہ گناہ
ایک ہی امت نے کیا تھا اور آپ حضرات خوب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کیسی
عبرتناک سزا دی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ انہیں جلا دیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے
حضرت خالد بن ولیدؓ کو یہ لکھ بھیجا انہوں نے ان کو جلا ڈالا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ لوطی کو سب سے اونچی عمارت پر

لے جا کر اوندھے منہ گرا دیا جائے پھر ان پر پتھر برسائے جائیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ سزا قوم لوط کی سزا سے اخذ فرمائی ہے۔ نیز آپؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی شخص لواطت کرے تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔[1] امام احمد بن حنبلؒ نے اس حدیث مبارک سے استدلال کیا ہے۔ اس کی اسناد شرط بخاری پر ہیں۔

نیز یہ حضرات اپنی دلیل میں یہ حدیث بھی پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لعن اللہ من عمل عمل قوم لوط۔ اللہ لواطت کرنے والے پر لعنت فرمائے۔ آپ نے تین بار یہ ارشاد فرمایا جب کہ زانی پر تین بار لعنت ایک بھی حدیث میں وارد نہیں ہوئی۔ اسی طرح صحابہؓ بھی لوطی کے قتل پر متفق ہیں کسی بھی دو صحابیوںؓ نے اس میں اختلاف نہیں کیا۔ صحابہؓ سے جو اختلاف منقول ہے وہ قتل کے طریقے میں ہے نہ کہ نفس قتل میں۔ جبکہ نفس قتل میں تمام صحابہؓ اس میں متفق ہیں۔

نیز وہ حضرات یہ بھی دلیل بیان کرتے ہیں کہ جو شخص اس آیت

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾ (الاسراء: ۳۲)

"اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو۔ بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے اور بری راہ ہے۔"

اور اس آیت

﴿أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ﴾ (الاعراف: ۸۰)

"تم ایسا فحش کام کرتے ہو جس کو تم سے پہلے کسی نے دنیا جہان

---

[1] اسے امام احمد، اصحاب سنن، دار قطنی، حاکم اور بیہقی نے اس حدیث کو حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

والوں میں سے نہیں کیا۔"

میں غور کرنے گا اسے واضح طور سے معلوم ہو جائیگا کہ زنا میں اللہ تعالیٰ نے فاحشہ کو نکرہ بیان کیا ہے جب کہ لواطت میں معرفہ ذکر فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ لواطت فواحش کے تمام معانی کو شامل ہے۔ ان دونوں میں اسی طرح فرق ہے جیسا کہ اس مثال میں زید رجل اور عمر الرجل زید۔ یعنی کیا تم ایسی برائی کرتے ہو جو سب کے نزدیک مسلمہ برائی ہے؟ اسی قسم کی ایک اور مثال یہ ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔

﴿وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ﴾(الشعراء ۱۹)

"اور تم نے اپنی وہ حرکت بھی کی تھی جو کی تھی۔"

یعنی ایسا برا کام جسے ہر ایک برا سمجھتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی برائی کو مزید بیان فرمایا کہ یہ ایسا برا کام ہے جو کبھی کسی نے نہیں کیا:

﴿مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ﴾(الاعراف ۸۰)

"جس کو تم سے پہلے کسی نے دنیا جہان والوں میں سے نہیں کیا"

اس کے بعد پھر ایسی بات ذکر فرمائی کہ جس کے سنتے ہی انسان کے دل و دماغ میں اس کام کی نفرت پیدا ہو جائے اور اسکی برائی انسان کی طبیعت ثانیہ بن جائے۔ فرمایا۔

﴿إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً﴾

"تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو۔" (الاعراف ۸۱)

اگر مزید غور کریں تو یہ بات خوب آشکارا ہوتی ہے کہ لوطی کے پیش نظر صرف اور صرف اپنی شہوت رانی ہوتی ہے۔ جب کہ نکاح بہت سے مصالح کا مجموعہ

ہے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ لذت کا حصول ہوتا ہے بلکہ عورت کے دل میں شوہر کی اتنی محبت بھی پیدا ہو جاتی ہے جس کے سبب وہ اپنے والدین تک کو بھول جاتی ہے۔ نیز نکاح بقاء نسل انسانی کا ذریعہ ہے اسی کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ترین بندوں کو پیدا فرماتے ہیں۔ انبیاء، صلحاء اور مؤمنین وغیرہ کو۔ اسی کے ذریعے حرمت مصاہرت اور پاکیزگی نفس حاصل ہوتی ہے۔ اسی کی ایک منفعت یہ بھی ہے کہ اگر اولاد کا سلسلہ جاری ہو جائے تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فخر کا باعث بھی ہے۔ اور لواطت تو صرف خرابیوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں اتنی برائیاں ہیں جن کا شمار بھی انسانی قدرت سے باہر ہے۔ نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قوم لوط کو اس لئے الٹا تھا کہ انہوں نے اپنی فطرت الٹ ڈالی تھی کیونکہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ انسان کو عورتوں پر شہوت آئے نہ کہ مردوں پر۔ جب انہوں نے اپنی فطرت تبدیل کر دی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے ساتھ یہی معاملہ فرمایا کہ ان کی حالت ہی بدل ڈالی۔ ان کی بستی کے نیچے والے حصے کو اوپر والا حصہ بنا دیا اور اوپر والے کو نیچے والا۔ اور انہیں اوندھے منہ عذاب میں مبتلا کیا۔ پھر اسکی برائی کو مزید ذہن نشین کرانے کے لئے فرمایا:

﴿بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ﴾ (الاعراف: ۸۱)

"بلکہ تم حد ہی سے گزر گئے ہو۔"

آپ خود سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے زنا کو اسراف اور حد سے متجاوز کہا ہے۔ پھر اس کی مزید برائی بیان فرمائی:

﴿وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ (الانبیاء: ۷۴)

"اور ہم نے ان کو اس بستی سے نجات دی جس کے رہنے والے گندے گندے کام کیا کرتے تھے۔"

نیز اللہ تعالیٰ نے لوطیوں کو فاسق، مفسد اور ظالم جیسے برے القاب سے یاد

کیونکہ ارشاد گرامی ہے:

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَاسِقِينَ﴾ (الانبیاء ۷۴)

''بلاشبہ وہ لوگ بڑے بدذات بدکار تھے۔''

اور

﴿رَبِّ انْصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ﴾ (العنکبوت ۳۰)

''اے میرے رب مجھ کو ان مفسد لوگوں پر غالب کر دے۔''

اور

﴿إِنَّا مُهْلِكُوا أَهْلِ هَذِهِ الْقَرْيَةِ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ﴾ (العنکبوت ۳۱)

''ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ وہاں کے باشندے بڑے شریر ہیں۔''

آپ غور فرمائیں کیا اتنی سخت سزا کسی کو دی گئی ہے؟ کیا کسی کی اتنی مذمت بیان کی گئی ہے؟ جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو بتایا گیا کہ انہیں ہلاک کر دیا جائے گا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام فرشتوں سے بحث کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا إِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ وَإِنَّهُمْ آتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ﴾ (ھود ۷۶)

''اے ابراہیم اس بات کو جانے دو۔ تمہارے رب کا حکم آچکا ہے اور ان پر ضرور ایسا عذاب آنے والا ہے جو کسی طرح ٹلنے والا نہیں۔''

لوطیوں کی خباثت اور سرکشی تو ملاحظہ ہو کہ جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت

عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ ﴾(ہود ۸۲)

"سو جب ہمارا امر آپہنچا تو ہم نے اس زمین کا اوپر کا تختہ تو نیچے کر دیا اور اس زمین پر کھنگر کے پتھر برسانا شروع کیے۔"

اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا والوں کے لئے عبرت اور نصیحت اور اس جرم میں شریک لوگوں کے لئے موعظت بنا دیا ہے:

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ ○ وَإِنَّهَا لَبِسَبِيلٍ مُّقِيمٍ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾(الحجر ۷۵-۷۷)

"اس واقعہ میں کئی نشان ہیں اہل بصیرت کیلئے۔ اور یہ بستیاں ایک آباد سڑک پر ملتی ہیں۔ ان بستیوں میں اہل ایمان کے لئے بڑی عبرت ہے۔"

جب اللہ تعالیٰ نے ان پر گرفت فرمائی تو وہ خواب غفلت میں منہمک اور برائی کے نشہ میں سرمست تھے۔ اس وقت ان کی کوئی چیز ان کے کام نہیں آئی۔ ان کی لذتیں حسرتیں بن گئیں اور انہیں کے سبب وہ عذاب میں مبتلا ہوئے۔ ان کی لذتیں اور شہوتیں حسرت اور شقاوت میں تبدیل ہوگئیں۔ چند دن دنیاوی عیش میں گذارے اب لمبے عرصے تک دردناک عذاب میں گرفتار رہیں گے۔ وہ شہوات کے نشہ میں مست اور خواب غفلت میں مبتلا تھے یہاں تک کہ انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ اب انہیں ندامت کا احساس ہوا لیکن اب ندامت کا کوئی فائدہ نہیں۔ اب وہ روئے بلکہ انہوں نے خون کے آنسو بہائے مگر بے سود۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آگ کا وہ دردناک عذاب دیا ہے کہ آگ ان کے چہروں اور جسموں کو پھوڑ کر نکلتی ہے۔ انہیں لذیذ مشروبات کی جگہ کھولتا ہوا پانی پلایا جاتا ہے اور انہیں اوندھے منہ گرا کر کہا جاتا ہے کہ لو اس کا مزا جو تم دنیا میں کرتے تھے۔

﴿اصْلَوْهَا فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ (الطور ۱۶)

"اس میں داخل ہو پھر خواہ صبر کرو یا صبر نہ کرو، تمہارے حق میں دونوں برابر ہیں۔ جیسا تم کرتے تھے ویسا ہی بدلہ تم کو دیا جائے گا۔"

اسی عذاب سے جو اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو دیا اللہ تعالیٰ لواطت کرنے والوں کو ڈراتے ہیں۔

﴿وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ﴾ (ہود ۸۳)

"اور یہ بستیاں ان ظالموں سے کچھ دور نہیں۔"

فيا ناكحي الذكران يهنيكم البشرى — فيوم معاد الناس ان لكم اجرا

كلوا واشربوا وازنوا ولوطوا وابشروا — فان لكم زفا الى الجنة الحمرا

فاخوانكم قد مهدوا الدار قبلكم — وقالوا الينا عجلوا لكم البشرى

وها نحن اسلاف لكم في انتظاركم — سيجمعنا الجبار في ناره الكبرى

فلا تحسبوا ان الذين نكحتموه — يغيبون عنكم بل ترونهم جهرا

ويلعن كلا منكما بخليله — ويشقى به المحزون في الكرة الاخرى

يعذب كلا منكما بشريكه — كما اشتركا في لذة توجب الوزرا

"اے لواطت کرنے والو! تمہیں خوشخبری ہو۔ میدانِ حشر میں یقیناً تمہیں بہت بڑے اجر سے نوازا جائے گا۔ کھاؤ، پیو، زنا کرو، اور خوش رہو کیونکہ تم کامیابی سے ہمکنار ہو کر "سرخ جنت" میں داخل ہو جاؤ گے۔ تمہارے وہ بھائی جنہوں نے تم سے پہلے یہ گھر بنایا ہے وہ کہہ رہے ہیں خوش آمدید جلدی کرو۔ ہم تمہارے اسلاف تمہارا انتظار

لوط کے پاس خوبصورت مہمان آئے ہوئے ہیں تو گرتے پڑتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے جب انہیں دیکھا تو فرمایا:

﴿یٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ﴾ (ہود ۷۸)

"اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں موجود ہیں وہ تمہارے لئے خاصی ہیں۔ سو اللہ سے ڈرو میرے مہمانوں میں مجھ کو فضیحت مت کرو کیا تم میں سے کوئی بھی بھلا مانس نہیں۔"

حتیٰ آپ کو اتنا خوف لاحق ہوا اور مہمانوں کے سامنے اتنی شرم ہوئی کہ آپ ان کے ساتھ اپنی بیٹیوں کے نکاح پر بھی تیار ہو گئے۔ لیکن انہوں نے سرکشوں کی طرح اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور کہنے لگے:

﴿لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ﴾ (ہود ۷۹)

"آپ کو معلوم ہے کہ ہمیں آپ کی ان بیٹیوں کی کوئی ضرورت نہیں اور آپ کو تو معلوم ہے جو ہمارا مطلب ہے۔"

حضرت لوط علیہ السلام نے جب یہ سنا تو آپ کے غمگین دل سے آہ نکلی اور آپ نے فرمایا:

﴿لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ﴾ (ہود ۸۰)

"کیا خوب ہوتا اگر میرا تم پر کچھ زور چلتا یا کسی مضبوط پایہ کی پناہ پکڑتا۔"

اب فرشتوں نے حقیقت حال کو واضح کیا اور لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ مطمئن رہیں۔ یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

﴿یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْكَ﴾(ہود:۸۰)

''اے لوطؑ! ہم تو آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں آپ تک ہرگز ان کی رسائی نہیں ہوگی۔''

اور ساتھ ہی آپ کو خوشخبری بھی سنائی کہ ان پر عذاب کا وعدہ جو آپ نے کیا تھا ان کے وقوع کا وقت آ پہنچا ہے۔

﴿فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَ لَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ﴾(ہود:۸۱)

''آپ رات کے کسی حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر چلے جایئے اور تم میں سے کوئی پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھے۔ ہاں مگر آپ کی بیوی نہ جائے گی اس پر بھی وہی آفت آنیوالی ہے جو اور لوگوں پر آئے گی۔ ان کے وعدہ کا وقت صبح کا وقت ہے۔''

آپ کو اتنی مہلت بھی شاق گذری لہٰذا آپ نے فرمایا کہ انہیں جلدی عذاب دو۔ فرشتے کہنے لگے:(ہود:۸۱)

﴿اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ﴾

''کیا صبح کا وقت قریب نہیں۔''

واللہ! سحری اور صبح میں کتنی دیر ہوتی ہے؟ صبح ہوتے ہی ان کی بستی کو بنیادوں کو اکھاڑ کر آسمان تک لے جایا گیا۔ یہاں تک کہ فرشتوں نے کتوں اور گدھوں کی آوازیں سنیں پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اسے اوندھے منہ پٹخ دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا

حضورؐ نے فرمایا جو شخص محرم رشتہ دار کے ساتھ زنا کرے اسے قتل کر دو۔[1]

حجاج کے پاس ایک آدمی کو لے جایا گیا جس نے اپنی بہن سے زنا کیا تھا۔ حجاج نے کہا کہ اسے قید کر دو اور کسی صحابیؓ سے مسئلہ دریافت کرو۔ لوگوں نے حضرت عبداللہ بن ابی مطرفؓ سے پوچھا انہوں نے کہا کہ میں نے حضورؐ کو یہ فرماتے ہیں سنا کہ جو شخص دو رشتہ داروں کے درمیان زنا کا خط ڈال دے تلوار کے ذریعے اس کے دو ٹکڑے کر دو۔[2]

یہ حدیث ایسے شخص کے قتل کی بالکل واضح دلیل ہے۔ جب محرم کے ساتھ جماع کی حد قتل ہے کیونکہ یہ کسی بھی حال میں جائز نہیں اسی طرح لواطت کی سزا بھی قتل ہونی چاہئے کیونکہ یہ بھی کسی صورت جائز نہیں۔

تحقیق اس مسئلہ کی یہی ہے کہ لوطی اور محرم کے ساتھ زنا کرنے والے دونوں پر حد ہے۔ تاہم اس میں اختلاف ہے کہ حد کیا ہوگی؟ کیا شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں کو قتل کیا جائے گا؟ یا ان پر زنا کی حد جاری کی جائے گی؟

امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص پر زنا کی حد جاری کی جائے گی۔

امام احمدؒ، اسحاقؒ اور محدثین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ ایسے شخص کو بہر صورت قتل کیا جائے گا۔

اسی طرح امام ابو حنیفہؒ کے سوا تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص یہ جاننے کے باوجود کہ محرم سے نکاح نہیں ہو سکتا اپنی محرم کے ساتھ نکاح کے بعد جماع کرے تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ شبہ کی

---

[1] ابن ماجہ۔ علامہ البانی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔
[2] طبرانی، بیہقی۔ علامہ البانی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

وجہ سے حد ساقط کر دی جائے گی۔

وہ حضرات اپنی دلیل میں یہ بیان کرتے ہیں کہ ایسے شخص کا جرم دگنا ہے کیونکہ اس نے دو گناہ کئے ہیں ایک غلط نکاح اور ایک زنا۔ لہذا اسے تو دگنی سزا ملنی چاہئے نہ یہ کہ اسے زنا کی بھی سزا نہ دی جائے۔

کسی مردہ خاتون کے ساتھ جماع کے بارہ میں امام احمدؒ وغیرہ کے دو قول ہیں۔ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ اس پر حد ضرور واجب ہوگی کیونکہ اس نے بھی دو گناہ کیے۔ ایک زنا اور ایک لاش کی بے حرمتی۔

چوپایوں کے ساتھ بدکاری:

چوپایوں کے ساتھ وطی کی سزا میں فقہاء کے تین اقوال ہیں۔

اول: امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ اور امام اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص پر حد واجب نہیں ہوتی بلکہ اس پر تعزیر لازم آئے گی۔

ثانی: امام حسنؒ کے نزدیک چوپایوں کے ساتھ وطی کرنے والے اور زانی دونوں کا ایک حکم ہے۔ یعنی کہ لواطت کرنے والا غیر شادی شدہ ہو تو اسے کوڑے لگائے جائیں گے اور اگر شادی شدہ ہو تو اسے رجم کر دیا جائے گا۔

سوم: ایسے شخص کی سزا وہی ہے جو لوطی کی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کا یہی قول ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ کیا ایسے شخص کو قتل ہی کیا جائے گا یا زانی کی طرح صرف شادی شدہ کو قتل کیا جائے گا اور غیر شادی شدہ کو کوڑے لگائے جائیں گے؟

جو حضرات قتل کا حکم فرماتے ہیں ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابن

کر رہے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ آتش میں اکٹھا کرے گا۔ یہ نہ خیال کرو کہ جن کے ساتھ تم نے لواطت کی ہے وہ تم سے دور ہوں گے بلکہ تم انہیں واضح طور پر دیکھو گے۔ تم میں سے ہر ایک اپنے دوست پر لعنت بھیجے گا اور جہنم میں مبتلا دوسرے حملہ میں شقا حاصل کرے گا۔ تمہیں اور تمہارے شریک کو اکٹھا عذاب دیا جائے گا جیسے کہ دنیا میں تم اس لذت کے حصول میں مشترک تھے جس کے سبب تمہیں اس عذاب میں مبتلا ہونا پڑا۔"

فصل

لواطت اور زنا کی سزا:

(ان حضرات کے دلائل کا جواب جو کہتے ہیں کہ لواطت کی سزا زنا کی سزا سے کم ہے۔)

ان حضرات کی پہلی دلیل یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے لواطت کی کوئی سزا مقرر نہیں کی ہے۔ اس کے کئی جوابات دیے جا سکتے ہیں۔

اول: یہ کہنا غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا مقرر نہیں فرمائی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا حضورؐ کے ذریعے قتل مقرر فرمائی ہے۔ لہٰذا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اس کی سزا مقرر نہیں۔ ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس کی سزا قرآنی نص میں موجود نہیں لیکن اس سے سزا کی عدم مشروعیت ثابت نہیں ہوتی۔

دوم: حدیث مبارک میں رجم کے ثبوت سے آپ کی بات غلط ہو جاتی ہے۔ اگر آپ اعتراض کریں کہ رجم تو قرآن کریم سے ثابت ہے اگرچہ الفاظ منسوخ ہو گئے تھے لیکن حکم تو باقی ہے؟ تو ہم جواب دیں گے کہ پھر آپ کی دلیل شراب نوشی کی حد سے ٹوٹ جاتی ہے۔

سوم: یہ قاعدہ ہے کہ معین دلیل کی نفی سے مطلق دلیل کی نفی نہیں ہوتی اور یہ

بات ہم پہلے ہی ذکر کرچکے کہ آپ جو مطلق دلیل کی نفی کرتے ہیں صحیح نہیں۔ باقی رہی آپ کی یہ دلیل کہ ایسے مقام میں اپنی شہوت پوری کرنا جہاں طبیعت ناپسند کرے موجب حد نہیں۔ اس کے بھی بہت سے جوابات ہیں۔

اول: یہ قیاس فاسد ہے۔ سنت رسولؐ اور اجماع صحابہؓ سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے۔

دوم: ایک خوبصورت لڑکے کے ساتھ لواطت کرنا جس کی محبت انسانی دل ودماغ پر غالب ہو اور ایک گدھی یا مردہ عورت کے ساتھ جماع برابر ہوسکتے ہیں؟ یقیناً یہ قیاس بالکل فاسد ہے۔

سوم: اگر کوئی شخص اپنی ماں، بہن یا بیٹی کے ساتھ جماع کرے تو یقیناً سخت ترین حدود واجب ہوتی ہے۔ ایک قول تو یہ ہے کہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ بہر صورت اسے قتل کردیا جائے گا۔ امام احمد کی بھی ایک روایت یہی ہے۔ اسحاق بن راہویہ اور محدثین کی ایک جماعت سے بھی یہی ثابت ہے۔ حالانکہ طبیعت کی ناپسندیدگی تو یہاں بھی موجود ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ آپ کی بات قرین قیاس نہیں ہے۔

امام ابوداؤدؒ اور امام ترمذیؒ نے حضرت براء بن عازبؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں اپنے چچا سے ملا ان کے ہاتھ میں جھنڈا تھا میں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ کہنے لگے کہ مجھے حضورؐ نے بھیجا ہے کہ میں اس آدمی کی گردن اڑا کر اس کے مال پر قبضہ کرلوں جو باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سے شادی کرے۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ امام جوزجانی فرماتے ہیں کہ حضرت براءؓ کے چچا کا نام حارث بن عمرو تھا۔

سنن ابی داؤد اور ابن ماجہ میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث موجود ہے کہ

اشبهت أعدائي فصرت أحبهم إذ كان حظي منك حظي منهم

أجد الملامة في هواك لذيذة حبا لذكرك فليلمني اللوم

شاید مجھ سے جو سوال اور استفتاء پوچھا گیا تھا اس کا مقصود بھی یہی تھا کہ اس کی دوا دریافت کی جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں! اسکی دوا ضرور موجود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی نہیں اتاری جس کی دوا نہ ہو۔ البتہ کچھ لوگ اسے جان لیتے ہیں اور کچھ لوگ اس سے ناواقف رہتے ہیں۔ اس دوا کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) اس بیماری میں مبتلا ہونے سے پہلے اس کا سدباب کرنا

(۲) اس بیماری کا شکار ہونے کے بعد اسکے دفعیہ کی کوشش کرنا۔ اگر انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معاونت ہو تو یہ دونوں آسان ہیں اگر اسکی مدد نہ ہو تو پھر دونوں مشکل ہیں۔ اس بیماری کی دوا دو چیزیں ہیں۔

(۱) نظروں کی حفاظت:

اس بیماری کی سب سے عمدہ دوا نظروں کی حفاظت ہے کیونکہ نگاہ شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ ایک لمحہ کی نظر بازی کا نقصان بسا اوقات عمر بھر اٹھانا پڑتا ہے۔ نظروں کی حفاظت کے بہت سے فوائد ہیں۔

۱۔ سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ نظروں کی حفاظت میں اطاعت خداوندی ہے۔ یہی انسان کی سعادت کی دلیل ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اس سے بڑھ انسان کی اور کیا سعادت ہو سکتی ہے کہ وہ احکام خداوندی بجا لائے؟ نیز اس سے بڑھ کر کوئی شقاوت اور بدبختی نہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کی پاسداری نہ کرے۔

۲۔ نظروں کی حفاظت شیطانی زہر کو دل تک پہنچنے سے مانع ہوتی ہے۔

۳۔ اس سے دلی اطمینان اور اللہ تعالیٰ کی محبت نصیب ہوتی ہے جب کہ بدنظری سے انسانی دل یکسوئی کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسی لئے دل کے لئے

سب سے زیادہ نقصان دہ چیز بدنظری ہے کیونکہ اس سے انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بعد اور دوری پیدا ہوتی ہے۔

۴۔ اس سے دل کو تقویت اور فرحت نصیب ہوتی ہے جب کہ بدنظری دل کو کمزور اور غمگین کر دیتی ہے۔

۵۔ جیسے بدنظری سے دل میں ظلمت پیدا ہوتی ہے اسی طرح نظروں کی حفاظت سے دل میں نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نظروں کی حفاظت والی آیت کے فوراً بعد "نور" والی آیت ارشاد فرمائی ہے۔ فرمایا:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾ (النور ۳۰)

"آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔"

اس کے فوراً بعد ارشاد فرمایا:

﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ﴾ (النور ۳۵)

"اللہ تعالیٰ نور دینے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اس کے نور کی حالت عجیبہ ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اس میں ایک چراغ ہے۔"

جب انسان کو اللہ کا نور نصیب ہوتا ہے تو وہ اللہ کے احکام کی پیروی کرتا ہے اس کی نافرمانی سے بچتا ہے اور ہر ایک نیکی کی طرف رغبت کرتا ہے۔ اور اگر انسانی دل پر ظلمات چھائی ہوئی ہوں تو ہر طرف سے مصائب اسے گھیر لیتے ہیں۔ بدعت، گمراہی، اتباع نفسانی اور برے کاموں میں ابتلاء یہ سب اسی ظلمت کا نتیجہ ہے۔ اگر انسانی دل سے یہ نور ختم ہو جائے تو اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک اندھا

عباسؓ سے حضرت امام ابوداؤدؒ نے نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص کسی چوپائے کے ساتھ بدکاری کرے تو اسے قتل کر دو اور اس جانور کو بھی قتل کر دو"۔ نیز وہ یہ بھی دلیل دیتے ہیں کہ جانور سے وطی کسی بھی حال میں جائز نہیں اس لئے ایسے شخص کو بھی لوطی کی طرح قتل کیا جائے گا۔

جو حضرات حد کے قائل نہیں فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں کوئی صحیح حدیث ہم تک نہیں پہنچی ورنہ ہم ضرور اس پر عمل کرتے۔

حضرت اسماعیل بن سعید الشالنجی فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے سوال کیا کہ جو شخص کسی جانور کے ساتھ بدکاری کرے اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے سکوت اختیار کیا اور عمرو بن ابی عمرو کی حدیث بیان نہیں فرمائی۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ نیز اس کے راوی حضرت ابن عباسؓ ہیں اور ان کا مفتی بہ قول یہ ہے کہ ایسے شخص پر حد جاری نہیں ہوتی۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ چوپایوں کے ساتھ بدکاری انسانی طبیعت کو بہ نسبت لواطت کے زیادہ ناپسند ہے۔ نیز انسانی طبیعتیں بھی مختلف ہیں اس لئے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

فصل

لواطت اور عورتوں کی آپس میں بدکاری:

لواطت کو عورتوں کی آپس کی بدکاری پر قیاس کرنا بالکل غلط ہے۔ البتہ بغیر دخول کے لواطت کو اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ البتہ بعض احادیث مرفوعہ میں موجود ہے کہ اگر دو عورتیں آپس میں بدکاری کریں تو وہ زانیہ ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان پر اس لئے حد واجب نہیں ہوتی کہ دخول نہیں پایا گیا اگرچہ اس پر زنا کا اطلاق ہو

۱ علامہ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ صحیح ابن ماجہ۔

ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ ہاتھ پاؤں منہ اور آنکھ وغیرہ پر زنا کا اطلاق ہوتا ہے۔

نیز تمام فقہاء کا اس پر بھی اجماع ہے کہ اپنے غلام کے ساتھ لواطت کا وہی حکم ہے جو دوسرے کے غلام کے ساتھ لواطت کا ہے۔ بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے غلام کے ساتھ لواطت جائز ہے۔ دلیل کے طور پر یہ آیت پیش کرتے ہیں۔

﴿إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ﴾

"مگر اپنی بیویوں سے یا اپنی باندیوں سے کیونکہ ان پر کوئی الزام نہیں" (المعارج ۳۰)

نیز اسے اپنی باندی پر قیاس کرتے ہیں ایسے شخص کافر ہیں۔ انہیں توبہ کے لئے کہا جائے گا جیسا کہ مرتد کو کہا جاتا ہے اگر توبہ کر لیں تو ٹھیک ورنہ ان کی گردن زنی کر دی جائے۔ خلاصہ یہ کہ اپنے غلام کے ساتھ لواطت کرنے کا وہی حکم ہے جو غیر کے غلام کے ساتھ لواطت کرنے کا۔

فصل

لواطت کی دوا:

پوچھا گیا کہ اس تمام کے باوجود اس خطرناک بیماری کا کوئی علاج ہے؟ یا کوئی ایسا طریقہ جس سے انسانی ذہن پر سوار یہ بھوت اتر جائے؟ کیا ایسے عاشق کا عشق بھی زائل ہو سکتا ہے جسے محبوب کے بارے میں پائی جانے والی ملامت بھی لذیذ محسوس ہو؟ اور جس کا عشق اس کے دل میں مضبوط جڑ پکڑ چکا ہو؟ جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے:

وقف الهوى بي حيث انت فليس لي — متأخر عنه ولا متقدم

[illegible]

ایمان قول وعمل اور ظاہر و باطن کے مجموعے کا نام ہے۔

نیز ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ﴾ (فاطر۔۱۰)

"جو شخص عزت حاصل کرنا چاہے تو تمام تر عزت خدا ہی کے لئے ہے۔ اچھا کلام اُسی تک پہنچتا ہے اور اچھا کام اُسی کو پہنچتا ہے۔"

یعنی جو شخص عزت چاہتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرے۔ کلمات طیبات کے ساتھ اس کا ذکر کرے اور نیک اعمال اختیار کرے۔

دعاء قنوت میں ہے:

"انہ لا یذل من والیت ولا یعز من عادیت"۔ "جس کے آپ دوست بن جائیں وہ کبھی ذلیل نہیں ہو سکتا اور جس کے آپ دشمن ہوں وہ کبھی عزت نہیں پا سکتا"۔ جو شخص اللہ کی اطاعت کرتا ہے وہ اس کا دوست ہے اور اطاعت کی بقدر اسے عزت نصیب ہو جاتی ہے۔ اور جو شخص اللہ کی نافرمانی کرتا ہے وہ اللہ کا دشمن ہے اور دشمنی کے مطابق اسے ذلت اٹھانی پڑتی ہے۔

۸۔ چونکہ انسانی دل میں شیطان نظر کے ذریعے داخل ہوتا ہے لہٰذا اگر اس کی حفاظت ہو جائے تو شیطان کا راستہ خود بخود بند ہو جاتا ہے۔ ورنہ شیطان ہوا کی سی تیزی سے انسانی قلب تک پہنچ جاتا ہے۔ اگر انسان بدنظری کرے تو آہستہ آہستہ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان کے دل میں اس کی محبت جاگزین ہو جاتی ہے وہی شخص اس کا قبلہ و کعبہ بن جاتا ہے۔ اسکے دل میں شہوت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور گناہ جلتی پر تیل کا کام کرتے ہیں۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ وہ دل لغویات سے اجتناب کر کے راہ راست پر گامزن ہو۔ ایسے ہی دل ہوتے ہیں جنھیں گناہوں کی لپیٹیں ہر طرف سے گھیر لیتی ہیں اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ ایک بکری کو تنور کے درمیان میں ڈال دیا جائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بدنظری کرنے والوں کی یہ سزا تجویز فرمائی ہے کہ

گھٹا ٹوپ اندھیروں میں کوئی چیز تلاش کرے۔

۶۔ حفاظت نظر سے انسان کو فراست صادقہ نصیب ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ حق و باطل اور سچ اور جھوٹ میں تمیز کر سکتا ہے۔ حضرت شجاع کرمانی فرماتے تھے: "جو شخص اپنے ظاہر کو اتباع سنت اور باطن کو دوام مراقبہ سے مزین رکھتا ہو، بدنظری اور شبہات سے خود کو محفوظ رکھتا ہو اور رزق حلال کھاتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی فراست کو خطا سے محفوظ رکھتے ہیں۔ حضرت شجاعؒ کی فراست بھی غلطی سے محفوظ تھی۔

اللہ تعالیٰ کے لئے جو کام بھی کیا جائے اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اسی عمل کی جنس عطاء فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے اگر کوئی شخص کوئی چیز ترک کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے بہتر عطاء فرماتے ہیں۔ اسی لئے اگر کوئی شخص اپنی نگاہ کو بدنظری سے محفوظ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے نور بصیرت عطاء فرماتے ہیں۔ اور اس پر علم وعمل، ایمان اور فراست صادقہ کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾ (الحجر ۷۲)

"آپ کی جان کی قسم! وہ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔"

اللہ تعالیٰ نے پہلے نشہ کو بیان کیا جو فساد عقل ہے۔ پھر سرگردانی کو بیان فرمایا جو فساد بصیرت ہے۔ لہٰذا بدنظری فساد عقل، فساد بصیرت اور فساد دل کا باعث ہوتی ہے۔

جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

سکران سکر هوى و سکر مدامة ومتى افاقة من به سکران

"جو شخص محبت اور شراب دونوں کے نشہ میں مخمور ہو وہ ہوش میں کب آ سکتا ہے؟"

ایک اور شاعر کے اشعار ہیں:

قالوا جننت بمن تهوى فقلت لهم ... العشق اعظم مما بالمجانين

العشق لا يستفيق الدهر صاحبه ... وانما يصرع المجنون في الحين

"لوگوں نے کہا کہ تو محبوب کے عشق میں مجنوں ہو چکا ہے میں نے انہیں جواب دیا کہ عشق تو جنون سے بھی بڑی مصیبت ہے۔ عشق میں مبتلا شخص ہوش میں نہیں آ سکتا جبکہ مجنوں تو تھوڑی دیر کیلئے مبتلائے جنون ہوتا ہے۔"

۲۔ حفاظت نظر سے دل میں شجاعت اور قوت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے سبب اللہ تعالیٰ ظاہری اور باطنی دونوں قوتوں سے نوازتے ہیں۔ مشہور مقولہ ہے "جو اپنی خواہشات کی مخالفت کرتا ہے شیطان اس کے سایہ سے بھی بھاگتا ہے"۔ جو شخص خواہشات نفسانی کی اتباع کرتا ہے اس کا نفس کمزور اور ذلیل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی اس سے حفاظت فرماتے ہیں۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ گناہگار اگرچہ عمدہ قسم کے تیز رو خچروں پر سوار ہو جائیں پھر بھی اللہ تعالیٰ انہیں ضرور ذلیل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے عزت اپنی اطاعت اور ذلت اپنی معصیت میں رکھی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (المنافقون ۸)

"اور اللہ ہی کی عزت ہے اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی۔"

نیز ارشاد فرمایا ہے

﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (آل عمران ۱۳۹)

"اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو، اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مومن رہے۔"

(۲) محبت حقیقی، جب دل عشق مجازی سے سرشار ہو اور اس کے سوا کسی دوسری چیز میں اسے نفع نہ دکھائی دیتا ہو تو وہ یقیناً اس کے نقصانات کا خیال نہیں کرے گا اور برابر اس مرض میں مبتلا رہے گا۔

اس کی وضاحت اس طرح کی جا سکتی ہے کہ انسان اپنے محبوب کو صرف دو وجہ سے چھوڑ سکتا ہے یا تو اس سبب سے کہ اس سے زیادہ خوبصورت کوئی اور محبوب مل جائے یا پھر اس محبوب کے مل جانے میں کوئی اتنا بڑا نقصان ہو جو محبوب کے نہ ملنے کے نقصان سے بھی بڑا ہو۔ لیکن اس بات کا حصول دو چیزوں پر موقوف ہے۔

(۱) بصیرت صحیحہ جس کے ذریعے انسان محبوب کے مراتب کا ادراک کر سکے۔ تبھی تو انسان ادنیٰ اور اعلیٰ محبوب کا امتیاز کر کے اعلیٰ کو ادنیٰ پر ترجیح دے سکتا ہے۔ اور یہ بصیرت صحیحہ انسانی عقل کا خاصہ ہے۔ جو شخص اس سے محروم ہے وہ عقلمند نہیں ہے بلکہ وہ تو جانوروں سے بھی زیادہ بے عقل ہے۔

(۲) قوت عزم اور صبر جس کے ذریعے انسان کسی کام کے کرنے یا اس کے ترک کے قابل ہوتا ہے۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی کام کے مضرات کو جانتا ہے لیکن کم ہمتی اور کمزور ارادہ کے سبب اس سے رک نہیں سکتا۔ ایسا شخص نہ تو خود کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی کسی اور کو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اہل صبر و اہل یقین کو دینی امامت کے شرف سے مشرف فرمایا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ﴾ (السجدہ: ۲۴)

"اور ہم نے ان میں بہت سے پیشوا بنا دیئے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے۔"

چنانچہ بعض لوگ اپنے عمل سے خود بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور دیگر لوگ بھی ان کے عمل سے بہرہ مند ہوتے ہیں جب کہ بہت لوگ نہ تو اپنے عمل سے خود فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ ہی ان کے عمل سے دیگر افراد کو کچھ فائدہ پہنچتا ہے۔ البتہ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے عمل سے خود تو مستفیض ہو جاتے ہیں اوروں کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔

پہلی قسم کے لوگ وہ ہیں جو اپنے نور کی روشنی میں چلتے ہیں اور دیگر لوگ بھی ان کے نور سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ دوسری قسم کے لوگوں کی مثال یہ ہے کہ جو خود بھی اندھیروں میں بھٹکے ہوئے ہیں اور ان کے متعلقین بھی گمراہ ہوں۔ تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو اپنے نور سے خود تو مستفیض ہو سکتے ہیں لیکن کسی دوسرے کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔

محبوب ایک ہی ہونا چاہئے

گذشتہ باتوں سے یہ بات بخوبی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ عشق حقیقی اور عشق مجازی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں اس لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے دل سے ایک کو نکال باہر کرے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت چونکہ حقیقی اور قوی ترین ہے اس لئے اسے دل میں بسا کر تمام ماسواء سے اپنے دل کو خالی کرے۔ اگر کسی بھی انسان سے محبت رکھے تو صرف اور صرف اللہ کے لئے یا اس لئے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا وسیلہ ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے رکاوٹ ہو اس سے قطع تعلق ضروری ہے۔

محبت صادق کا تقاضا یہی ہے کہ انسان صرف اور صرف ایک سے محبت رکھے نہ کہ دوسرے کو اس کی محبت میں شریک قرار دے۔ جب ایک مجازی محبوب اپنی محبت میں کسی دوسرے کی شرکت گوارا نہیں کر سکتا تو اللہ اپنی محبت میں کیسے شرکت گوارا کرتا ہے

سفید ہو گئے ہیں"۔

علاقہ کے بعد محبت کا درجہ صبابہ (جھکنا) ہے۔ محبت کو صبابہ اس لئے کہتے ہیں کہ محبت میں انسان کا دل محبوب کی طرف جھک جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

تشكى المحبون الصبابة ليتني   تحملت ما يلقون من بينهم وحدي

فكانت لنفسي لذة الحب كلها   فلم يلقها قبلي محب ولا بعدي

"عاشق محبت کی شکایت کرتے ہیں۔ اے کاش جس میں وہ مبتلا ہیں۔ میں اس میں تنہا مبتلا ہوتا، پس محبت کی ساری لذتیں مجھے حاصل ہو جاتیں، نہ کوئی عاشق مجھ سے پہلے ان لذتوں سے بہرہ ور ہو سکتا اور نہ ہی میرے بعد"۔

اس کے بعد درجہ ہے غرام (چمٹ جانا) کا۔ محبت کو غرام اس لئے کہتے ہیں کہ یہ دل سے چمٹ جاتی ہے پھر اس سے جدا نہیں ہوتی۔ قرض خواہ کو بھی غریم اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ مقروض سے چمٹ جاتا ہے۔ نیز ارشاد خداوندی ہے:

إن عذابها كان غراما (فرقان ۶۵)

"کیونکہ اس کا عذاب چمٹی ہوئی ہے"۔

متاخرین نے اس لفظ کو محبت کے معنی میں بہت زیادہ استعمال کیا ہے۔ عرب کے قدیم اشعار میں اس کا استعمال بہت کم ہے۔

اس کے بعد عشق کا درجہ ہے اور یہ محبت میں افراط کو کہتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ اس کے بعد درجہ ہے شوق کا، شوق کہتے ہیں دل کا محبوب کی طرف بہت زیادہ متوجہ ہونا۔ مسند احمد میں لفظ "شوق" کو اللہ تعالیٰ کے حق میں استعمال کیا ہے۔ حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نماز پڑھی اور مختصر دعا فرمائی۔ جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے ... دعا کی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔

﴿اللّٰھُمَّ إِنِّی أَسْأَلُكَ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ أَحْيِنِي إِذَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَشْيَتَكَ فِي الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَأَسْأَلُكَ كَلِمَةَ الْحَقِّ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضٰى وَأَسْأَلُكَ الْقَصْدَ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنٰى وَأَسْأَلُكَ نَعِيْمًا لَا يَنْفَدُ وَأَسْأَلُكَ قُرَّةَ عَيْنٍ لَا تَنْقَطِعُ وَأَسْأَلُكَ بَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَأَسْأَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ إِلٰى وَجْهِكَ وَأَسْأَلُكَ الشَّوْقَ إِلٰى لِقَائِكَ فِي غَيْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَلَا فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ اللّٰهُمَّ زَيِّنَّا بِزِيْنَةِ الْإِيْمَانِ وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مُهْتَدِيْنَ﴾

"اے اللہ میں تجھ سے تیرے علم غیب اور مخلوق پر قدرت کے سبب سوال کرتا ہوں کہ جب تک میرے لئے زندگی بہتر ہو مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لئے موت بہتر ہو تو مجھے موت دیدے۔ اے اللہ مجھے لوگوں کے سامنے اور تنہائی میں اپنی خشیت عطا فرما غضب اور رضا دونوں میں کلمہ حق اور فقر و غنا دونوں میں میانہ روی عطا فرما اے اللہ میں تجھ سے نہ ختم ہونے والی نعمتوں، آنکھوں کی ٹھنڈک، موت کے بعد راحت، جنت میں تیری زیارت اور تیری ملاقات کے "شوق" کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ مجھے نقصان دہ بیماری اور گمراہ کن فتنے سے بچا۔ اے اللہ ہمیں ایمان سے مزین فرما اور ہمیں ہدایت یافتہ ہادی بنادے۔"

نسائی۔ حاکم۔

ایک اثر میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

نیک لوگوں کو میری ملاقات کا بہت زیادہ شوق ہے اور میں ان کی ملاقات کا اس سے بھی زیادہ شوق رکھتا ہوں۔

مندرجہ ذیل فرمان نبوی کا بھی یہی مفہوم ہے۔

﴿من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ﴾[1]

"جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿من كان يرجو لقاء الله فإن أجل الله لآت﴾ (العنکبوت ۵)

"جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہو سو اللہ کا وہ معین وقت ضرور ہی آنے والا ہے۔"

اس آیت کے بارہ میں بعض اہل نظر فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے شدت شوق کو ملاحظہ فرمایا تو ان کیلئے ایک ایسا وقت مقرر فرمایا جس میں اللہ تعالیٰ اپنے محبین کو قربت وصال سے محظوظ کریں، اور انہیں دنیا میں بھی ایسی حقیقی پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں جس سے بہتر کا تصور نہ ہو سکے۔ اسی حیات طیبہ کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس آیہ مبارکہ میں فرمایا ہے۔

﴿من عمل صالحا من ذكر أو أنثى وهو مؤمن فلنحيينه حياة طيبة﴾ (النحل ۹۷)

"جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو بالطف زندگی دیں گے۔"

اس حیات طیبہ سے مراد وہ زندگی نہیں ہو سکتی جو کفار، مسلمین اور نیک و بد دونوں میں مشترک ہو بلکہ اس سے مراد وہ حقیقی پاکیزہ زندگی ہے جس کا اللہ تعالیٰ

۱۔ مسند احمد، ترمذی، نسائی۔

نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہوا ہے۔ اور وہ پاکیزہ زندگی یقیناً یہ ہے کہ تمام غم ختم ہو کر صرف ایک غم رہ جائے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی دھن پیدا ہو جائے۔ اسی کے ذکر سے قلبی تسکین اور دلی راحت حاصل ہو۔ یعنی تمام زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کا قرب ہو۔ انسان کی یہ حالت ہو جائے کہ اللہ ہی کے حکم سے بولے، اسی کے حکم سے خاموش رہے، اسی کے حکم سے سنے اسی کے حکم سے دیکھے، اسی کے حکم سے پکڑے اسی کے حکم سے چلے، اسی کے حکم کے مطابق اپنی تمام زندگی بسر کرے اور اسی کے حکم کے مطابق جان دے۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

جب کوئی شخص میرے فرائض پر عمل کرتا ہے تو میں اسے اپنے قرب سے نوازتا ہوں۔ وہ جتنے میرے نوافل ادا کرے میں اس سے اتنی ہی محبت کرتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو پھر میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ چلتا ہے۔ پس وہ میرے ذریعے سنتا ہے، میرے ذریعے دیکھتا ہے، میرے ذریعے چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں، اگر مجھ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دیتا ہوں۔ جو میں کرتا ہوں مجھے اس میں تردد نہیں ہوتا ہاں! مگر اس مومن کی روح قبض کرتے ہوئے مجھے تردد ہوتا ہے جو موت کو ناپسند کرے۔ میں اسے تکلیف دینے کو ناپسند کرتا ہوں لیکن یہ ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس حدیث شریف میں اپنی محبت کے اسباب کو دو چیزوں میں منحصر فرمایا ہے۔ ادائیگی فرائض اور کثرت نوافل میں اور بتا دیا ہے کہ ادائے فرائض و نوافل اس کی محبت کا ذریعہ ہیں۔ انسان جس قدر فرائض اور نوافل کا اہتمام کرے گا اسی قدر اسے اللہ تعالیٰ کی محبت نصیب ہوگی۔ اور جب اسے اللہ تعالیٰ کی یہ شدید محبت نصیب ہوگی تو اس کے دل سے تمام غم دور ہو جائیں گے صرف اللہ کا فکر باقی رہے گا۔ اس کے ذکر

سے دل و جاں کو سکون نصیب ہوگا

غرضیکہ یہ محبت اس کی زندگی کے تمام افعال پر اثر انداز ہوتی۔ پھر انسان اگر سنتا ہے تو اپنے محبوب حقیقی کے ساتھ، پکڑتا ہے تو محبوب حقیقی کے ساتھ اور چلتا ہے تو محبوب حقیقی کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں اتر جاتے ہیں اس کے انیس اور رفیق بن جاتے ہیں۔ اور اپنی بے مثال مصاحبت سے اسے نوازتے ہیں جس کا علم چکھ کر ہو سکتا ہے نہ کہ صرف جان کر۔

جب انسان کو ایک فانی مخلوق کے ساتھ اتنی محبت ہو جاتی ہے کہ ہر وقت اس کا خیال اس کے دل میں گردش کرتا رہتا ہے اور یہ چاہتے کے باوجود اسے بھلا نہیں سکتا۔

ایک شاعر کہتا ہے

خيالك في عيني وذكرك في فمي ومثواك في قلبي فأين تغيب

تیرا تصور میری آنکھوں میں سمایا ہوا ہے اور میری زبان تیرے ذکر سے سرشار ہے اور میرا دل تیرا ٹھکانا ہے پس تو کیسے غائب ہو سکتا ہے؟

ایک اور شاعر کہتا ہے

ومن عجبي اني احن اليهم فأسأل عنهم من لقيت وهم معي

وتطلبهم عيني وهم في سوادها ويشتاقهم قلبي وهم بين اضلعي

کتنے تعجب کی بات ہے کہ میں اپنے ہر ملنے والے سے اپنے محبوب سے متعلق سوال کرتا ہوں حالانکہ وہ میرے ساتھ ہوتا ہے۔ میری آنکھیں انہیں تلاش کرتی ہیں حالانکہ وہ آنکھوں کی پتلیوں میں سمایا ہوا ہے۔ میرا دل ان کا مشتاق ہے حالانکہ وہ میری پسلیوں کے درمیان ہے۔

ایک اور بہترین شعر ہے۔

إن قلت غبت فقلبي لا يصدقني ۔۔۔ إذ أنت فيه مكان السر لم تغب

اگر میں کہوں کہ تو غائب ہے تو میرا دل یہ ماننے کو تیار نہیں ہوتا کیونکہ تو اپنے پردہ مکان سے غائب نہیں ہوسکتا۔

اور کبھی کبھار تو یہ محبت اتنی شدید ہوجاتی ہے کہ انسان خود کو فراموش کر دیتا ہے لیکن اپنے محبوب سے غافل نہیں ہوسکتا۔

أريد لأنسى ذكرها فكأنما ۔۔۔ تمثل لي ليلى بكل سبيل

میں اس کی یاد بھلانا چاہتا ہوں گویا کہ لیلیٰ کی صورت ہر وقت میرے سامنے رہتی ہے۔

نیز

أراد من القلب نسيانكم ۔۔۔ وتأبى الطباع على الناقل

دل سے تمہیں بھلانے کا ارادہ تو کیا جاتا ہے لیکن طبیعت یہ ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتی۔

حدیث شریف میں کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں کا تذکرہ اس لئے کیا ہے کہ یہ آلات ادراک اور آلات عمل ہیں۔ آنکھ اور کان کے ذریعے دل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا ارادہ پیدا ہوتا ہے انہیں کے ذریعے کسی کی محبت یا بغض دل میں جگہ پکڑتا ہے، بعد ازاں ہاتھ اور پاؤں استعمال ہوتے ہیں۔ جب یہ تمام آلات محفوظ ہوگئے تو انسان کا دل اور اس کے تمام اعضاء محفوظ ہو جائیں گے۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھ پاؤں آنکھ اور کان کا ذکر فرمایا لیکن زبان کو ذکر نہیں فرمایا اس لئے کہ آنکھ اور کان انسان کبھی اختیار کے ساتھ استعمال کرتا ہے اور کبھی بغیر اختیار کے۔ اسی طرح ہاتھ اور پاؤں کا استعمال بھی انسان کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ لہٰذا ان چیزوں کا ذکر فرمایا جس میں ارادہ و بغیر ارادہ

دونوں موجود ہیں جبکہ زبان تو بغیر ارادہ کے حرکت ہی نہیں کر سکتی اس لئے اس کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ نیز یہ کہ زبان چونکہ دل کی ترجمان ہے لہذا دل کا اثر زبان پر نسبت دیگر اعضاء کے بہت زیادہ ہوتا ہے۔

یہ کتنی بڑی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں بن جاتے ہیں یعنی بندے کے ہر قسم کے ادراکات میں اللہ کی معیت اس کے ساتھ ہوتی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فبی یسمع وہ میرے ساتھ سنتا ہے، یہ نہیں فرمایا کہ لی یسمع وہ میرے لئے سنتا ہے، کیونکہ فبی یسمع میں "ب" کا مطلب صرف استعانت نہیں کہ وہ اللہ کی مدد سے سنتا ہے کیونکہ تو گنہگار بھی اللہ کی مدد سے ہی ادراک کرتے ہیں بلکہ یہاں "ب" کا معنی مصاحبت ہے یعنی وہ پکڑتا ہے، دیکھتا ہے، سنتا ہے اور میں اس کے ساتھ ہو جاتا ہوں جیسے کہ ایک اور حدیث میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

جب بھی انسان مجھے یاد کرنے کے لئے ہونٹوں کو جنبش دیتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ مذکورہ ذیل آیت میں بھی اسی معیت کی طرف اشارہ ہے

﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ (۴۰)

"تم غم نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ہمراہ ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا ان دو کے بارہ میں کیا خیال ہے جن کے تیسرے اللہ تعالیٰ ہیں۔

نیز ارشاد ہے۔

﴿وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (العنکبوت: ۶۹)

"اور بیشک اللہ تعالیٰ ایسے خلوص والوں کے ساتھ ہے۔"

اور اس آیت میں

﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ﴾ (النحل:۱۲۸)

''اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو پرہیزگار ہوتے ہیں
اور جو نیک کردار ہوتے ہیں۔''

اور اس آیت میں

﴿وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (الانفال:۴۶)

''اور صبر کرو بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

اور اس آیت میں

﴿كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ﴾ (الشعراء:۶۲)

''ہرگز نہیں! کیونکہ میرے ہمراہ میرا پروردگار ہے وہ مجھ کو ابھی
رستہ بتا دے گا۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون سے فرمایا

﴿إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ﴾ (طٰہٰ:۴۶)

''میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، سب سنتا دیکھتا ہوں۔''

پس حدیث میں موجود ''[illegible]'' سے یہی معیت خاصہ مراد ہے۔ تمام مقامات [illegible] اخلاص، توکل اور صبر اسی معیت سے حاصل ہوتے ہیں۔ جب مسلمان کو یہ معیت نصیب ہوتی ہے تو پھر اس کی تمام مشکلات آسان بن جاتی ہیں کسی قسم کا غم و پریشانی اس کے قریب بھی نہیں آسکتی کیونکہ جب اللہ ساتھ ہوں تو پھر غم کس بات کا؟ ہاں! اگر یہ معیت ختم ہو جائے تو پھر انسان اس طرح مضطرب ہوتا ہے جس طرح مچھلی پانی کے بغیر تڑپتی ہے۔

جب انسان کو یہ معیت حاصل ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجات کو پورا

فرماتے ہیں۔ ارشاد گرامی ہے۔ اگر مجھ سے مانگے میں ضرور دیتا ہوں اور اگر میری پناہ میں آنا چاہے تو میں اسے اپنی پناہ میں لے لیتا ہوں۔ یعنی جیسے اس نے میرے احکامات پر عمل کیا میں اس کی خواہشات کا احترام کرتا ہوں۔ چونکہ یہ موافقت جانبین سے ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کو اسے موت دیتے ہوئے تردد ہوتا ہے۔ لیکن اس کی مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ اسے موت دے۔ کیونکہ موت حقیقی زندگی کا پیش خیمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جنت سے نکال کر باپ کی پیٹھ میں اسی لئے منتقل کیا تھا کہ پہلے سے اچھی حالت میں دوبارہ جنت بھیجا جا سکے۔ حضرت آدم کو بھی اخرج منہا (جنت سے نکل جاؤ) اسی لئے فرمایا تھا کہ اس میں دوبارہ بھیجا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہی تو اصل محبوب ہیں انسان کے ہر بن مو میں اس کی محبت راسخ ہونی چاہیے۔

نقّل فؤادك حيث شئت من الهوى ما الحب الا للحبيب الاول

كم منزل في الارض يألفه الفتى وحنينه ابدا لاول منزل

جب بھی تو محبت میں مبتلا ہوتا ہے تیرا دل اس سے بھٹکتا ہے لیکن اصل محبت پہلے محبوب کیلئے ہی ہوتی ہے۔ دنیا میں کتنے گھر ہیں جس سے انسان محبت رکھتا ہے لیکن اس کا دلی اشتیاق پہلے گھر کی طرف ہی ہوتا ہے۔

محبت کا آخری درجہ

عبادت محبت کا آخری درجہ ہے۔ عبادت کی حقیقت ہے محبوب کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور اس کی ہر بات کو بلا چون و چرا تسلیم کرنا۔ اسی لئے عبد کا افضل ترین مقام عبدیت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام عبدیت کو مقام دعوت، مقام نبوت اور مقام معراج کی جگہ اسی لئے ذکر فرمایا ہے کہ مقام عبدیت افضل ترین اور اشرف ترین ہے۔ ارشاد باری ہے

﴿وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ

لِبَدًا﴾ (جن ۱۹)

"اور جب خدا کا خاص بندہ خدا کی عبادت کرنے کھڑا ہوتا ہے
تو یہ لوگ اس بندہ پر ہجوم لگانے کو ہوجاتے ہیں۔"

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا
بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ (بقرہ ۲۳)

"اور اگر تم لوگ کچھ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے
نازل فرمائی ہے اپنے بندہ خاص پر تو اچھا پھر تم بنا لاؤ ایک محدود
ٹکڑا جو اس کا ہم پلہ ہو۔"

﴿سُبْحٰنَ الَّذِىْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا﴾ (اسراء ۱)

"وہ ذات پاک ہے جو اپنے بندے کو لے گئی شب کے وقت
مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔"

حدیث شفاعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جاؤ اللہ تعالیٰ نے ان کے پہلے اور بعد میں ہونے والے تمام خلاف اولیٰ کام معاف فرما دیئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مقام شفاعت عالی عبدیت اور کمال مغفرت سے حاصل ہوا۔ کامل عبدیت ہی حقیقت اسلام ہے اور یہی بات اہم ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

﴿وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ
.. وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ (بقرہ ۱۳۰-۱۳۳)

"اور ملت ابراہیمی سے تو وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ذات

ہی سے احمق ہو۔ اور ہم نے ان کو دنیا میں منتخب کیا۔ اور وہ آخرت میں بڑے لائق لوگوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ جب کہ ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ تم اطاعت اختیار کرو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اطاعت اختیار کی رب العالمین کی۔ اور اسی کا حکم کر گئے ابراہیم علیہ السلام اپنی بیٹوں کو اور یعقوب علیہ السلام بھی۔ میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے دین کو تمہارے لئے منتخب فرمایا ہے۔ سو تم بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا۔ کیا تم خود موجود تھے جس وقت یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا۔ جس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم لوگ میرے بعد کس چیز کی پرستش کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس کی پرستش کریں گے جس کی آپ اور آپ کے بزرگ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل و اسحاق پرستش کرتے آئے ہیں۔ یعنی وہی معبود جو وحدہ لاشریک ہے اور ہم اسی کی اطاعت پر رہیں گے"

اسی لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ شرک ہے۔

محبت میں شرک

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اصل شرک اس کی محبت میں شرک کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿ومن الناس من یتخذ من دون اللہ اندادا یحبونھم کحب اللہ والذین امنوا اشد حبا للہ﴾ (البقرہ ۱۶۵)

"اور ایک آدمی وہ ہیں جو علاوہ خدا تعالیٰ کے اوروں کو بھی شریک

قرار دیتے ہیں۔ ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں۔ جیسی محبت اللہ سے ضروری ہے اور جو مومن ہیں ان کو اللہ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے۔"

اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ بتا رہے ہیں کہ مشرکین اپنے بتوں سے اتنی محبت رکھتے ہیں جتنی کہ خدا تعالیٰ سے رکھنی چاہیے۔ لیکن ایمان والے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس سے زیادہ محبت رکھتے ہیں جتنی کہ مشرکین اپنے بتوں سے رکھتے ہیں۔

بعض حضرات اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ مشرکین بھی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے تھے لیکن جب انہوں نے اس محبت میں بتوں کو شریک کر لیا تو ان کی محبت میں کمی آ گئی لیکن ایمان والے چونکہ صرف اللہ سے ہی محبت رکھتے ہیں لہذا ان کی محبت میں کمی نہیں آتی۔ جب اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ اس کی مخلوق خلوص کے ساتھ اس سے محبت رکھے اسی لئے انہوں نے کسی دوسرے کو ولی یا شفیع بنانے پر سخت رد کیا ہے۔

فرمایا ہے:

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ ... أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾ (یونس۔۳)

"بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ روز میں پیدا کر دیا۔ پھر عرش پر قائم ہوا وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے کوئی سفارش کرنے والا نہیں بدون اس کی اجازت کے۔ ایسا اللہ تمہارا رب ہے۔ سو تم اس کی عبادت کرو! کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے؟"

﴿اَللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ ... أَفَلَا

تتذکرون ﴿ (السجدہ ۴)

''اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین اور ان مخلوق کو جو ان دونوں کے درمیان میں ہے چھ روز میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر قائم ہوا۔ بجز اس کے نہ تمہارا کوئی مددگار ہے اور نہ سفارش کرنے والا ہے۔ سو کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟''

﴿وانذر به الذین یخافون ...... لعلهم یتقون﴾ (انعام ۵۱)

''اور ایسے لوگوں کو ڈرائیے جو اس بات سے اندیشہ رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت سے جمع کئے جائیں گے کہ جتنے غیر اللہ ہیں نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا اور نہ کوئی شفیع ہوگا۔ اس امید سے کہ وہ ڈر جائیں۔''

﴿ام اتخذوا من دون الله شفعاء قل اولو كانوا لا يملكون شيئا ولا يعقلون قل لله الشفاعة جميعا﴾ (الزمر ۴۳-۴۴)

''ہاں! کیا ان لوگوں نے خدا کے سوا دوسروں کو شفیع قرار دے رکھا ہے جو سفارش کریں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگرچہ یہ کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہوں اور کچھ بھی علم نہ رکھتے ہوں۔ آپ کہہ دیجئے کہ سفارش تو تمام تر خدا ہی کے اختیار میں ہے۔''

﴿من ورائهم جهنم ولا يغني عنهم ما كسبوا شيئا ولا ما اتخذوا من دون الله اولياء ولهم عذاب عظيم﴾

(جاثیہ ۱۰)

''ان کے آگے جہنم ہے۔ اور نہ تو ان کے وہ چیزیں ذرا کام

"زمین کی جو کہا گئے تھے اور نہ وہ جن کو انہوں نے اللہ کے سوا
کارساز بنا رکھا تھا۔ اور ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا۔"

جب انسان صرف اللہ سے محبت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے شفاعت کرنے والے مقرر کر دیتے ہیں اور اپنے مومن بندوں کو اس کا ولی بنا دیتے ہیں اور جو شخص مخلوق کو اپنا ولی بناتا ہے وہ اس سے محروم رہتا ہے۔ شفاعت بھی دو طرح کی ہوتی ہے۔ شفاعت شرکیہ جو باطل محض ہے دوسری شفاعت حق جو اللہ تعالیٰ نے اہل توحید کے لئے خاص فرمائی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حقیقت عبدیت اللہ کی محبت میں شرک کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اللہ کی محبت میں داخل ہے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے بغیر ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔ صحیحین میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص میں تین باتیں ہوں گی اسے ایمان کی حلاوت نصیب ہوگی (۱) اسے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمام سے زیادہ محبوب ہو (۲) جس سے بھی محبت کرے صرف اللہ کے لئے کرے (۳) دوبارہ کافر ہونا اسے اتنا ہی ناپسند ہو جتنا کہ آگ میں ڈالا جانا۔

ایک اور حدیث میں مذکور ہے۔

اگر دو شخص آپس میں اللہ کے لئے محبت رکھتے ہوں تو ان میں افضل وہ ہوگا جو دوسرے کے ساتھ زیادہ محبت رکھے گا۔

یہ محبت چونکہ اللہ کے لوازم اور اس کے موجبات میں سے ہے لہذا جس میں یہ صفت زیادہ قوی ہوگی وہی افضل ترین ہوگا۔

محبت کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ سے محبت۔ یہ تنہا نجات کے لئے کافی نہیں ہے ورنہ تو مشرکین،

یہودی اور عیسائی وغیرہ بھی اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔

۲۔ اس کی محبت جو اللہ کو محبوب ہو۔ یہ محبت انسان کو کفر سے نکال کر اسلام میں داخل کرتی ہے۔ یہ محبت رکھنے والا اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔

۳۔ اللہ کے لئے محبت کرنا۔ اس سے انسان کے دل میں اس کی محبت پیدا ہوتی ہے جو اللہ کو پسند ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کی محبت میں غیر کو شریک کرنا۔ اور اپنا محبوب بنانا۔ یہ مشرکین کی محبت ہے۔

ان کے علاوہ محبت کی پانچویں قسم بھی ہے جو ہماری بحث سے خارج ہے اور وہ ہے طبعی محبت اور میلان۔ جیسے کہ پیاسے کو پانی سے، بھوکے کو کھانے سے یا جیسے انسان کو بیوی بچوں سے محبت ہوتی ہے۔ یہ محبت اگر انسان کو اللہ کے ذکر اور اس کی محبت سے غافل نہ کرے تو قابل مذمت نہیں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (المنافقون ۹)

"اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائیں۔"

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (النور ۳۷)

"جن کو اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈال پاتی ہے اور نہ فروخت۔"

کمال محبت

کمال محبت کو "خلت" کہتے ہیں یعنی دل میں محبوب کے سوا کسی کی جگہ

ہو اور نہ ہی گنجائش اور نہ ہی دل محبوب کے علاوہ کسی اور کی طرف متوجہ ہوتا ہو۔ یہ منصب صرف اللہ تعالیٰ نے دو ہستیوں کو عطا فرمایا ہے حضرت ابراہیمؑ کو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جیسے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا مجھے بھی خلیل بنایا ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اگر میں اہل زمین میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو خلیل بناتا لیکن تمہارے دوست (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میں ہر خلیل کی خلت سے برات کا اظہار کرتا ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے بیٹا مانگا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطاء کر دیا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ ان کے دل میں بیٹے کی محبت پیدا ہوگئی ہے تو اسے ذبح کرنے کا حکم دے دیا اور حکم بھی خواب میں دیا تاکہ امتحان مزید سخت ہو جائے۔ لیکن مقصد بیٹے کو ذبح کرنا نہیں تھا بلکہ مقصد اس دلی محبت کا خاتمہ تھا۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے حسب ارشاد خداوندی بیٹے کی گردن پر چھری چلا دی تو اللہ تعالیٰ نے ایک مینڈھے کو بیٹے کا فدیہ بنا دیا۔ اسی لئے اب بھی یہی حکم ہے کہ اگر کوئی شخص جانور کی قربانی کرتا ہے تو اسے بیٹے کی قربانی کا ثواب دیا جاتا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازوں کو پانچ بنا دیا ہے لیکن ثواب پچاس کا باقی رکھا۔

محبت اور خلت

بعض لوگ اپنی جہالت کے سبب یہ سمجھتے ہیں کہ محبت خلت سے زیادہ کامل ہوتی ہے۔ اسی لئے ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم حبیب اللہ۔ یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ محبت عام ہے اور خلت خاص ہے۔ اور خلت محبت کا انتہائی مقام

ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ذیشان سے بھی ثابت ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ نے جیسے حضرت ابراہیمؑ کو خلیل بنایا اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خلیل بنایا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے سوا غیر کی خلت کی نفی کی ہے حالانکہ محبت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ وغیرہم سے بھی تھی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو بھی محبت بہت سے حضرات سے ہے۔ ارشاد ہے۔

﴿يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾ (البقرہ ۲۲۲)

"اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے اور محبت رکھتے ہیں صاف پاک رہنے والوں سے۔"

﴿يُحِبُّ الصَّابِرِينَ﴾ (آل عمران ۱۴۶)

"اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں صبر کرنے والوں سے۔"

﴿يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ (المائدہ ۹۳)

"اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں احسان کرنے والوں سے۔"

﴿يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ (المائدہ ۴۲)

"حق تعالیٰ عدل کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔"

اسی طرح وہ نوجوان بھی جو توبہ کرنے والا ہو رب اللہ کا محبوب ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی خلت صرف دو ہستیوں کے ساتھ خاص ہے۔ لہٰذا محبت کو خلت پر ترجیح دینا جہالت اور کم علمی ہے۔

محبوب اعلیٰ سے محبت کرنا

یہ بات پہلے گزر چکی کہ انسان جس سے محبت رکھتا ہے اسے صرف اس صورت میں چھوڑ سکتا ہے اگر اس سے اعلیٰ محبوب اسے مل جائے تو یہ بھی گزر چکا کہ اعلیٰ محبوب کو ادنیٰ پر ترجیح دینا عقل کے خواص میں سے ہے۔ لیکن یہ بات اس وقت

ختم نہیں ہوتی جب تک کہ دو چیزیں انسان میں موجود نہ ہوں۔ قوت اور اک اور قلبی شجاعت۔ پس محبوب اعلیٰ کو ترجیح نہ دینا یا تو اس لئے ہوتا ہے کہ اس میں قوت ادراک ضعیف ہوتی ہے کہ اسے محبوب کے مرتبے کا علم ہی نہیں ہوتا۔ یا پھر اس کے دل میں ہمت کا فقدان ہوتا ہے۔ اگر کسی انسان کی قوت ادراک بھی صحیح ہو اور اس میں قلبی شجاعت بھی پائی جائے تو ضرور بہ ضرور محبوب اعلیٰ کو ترجیح دیتا ہے۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی شہوت ان کی عقل اور ایمان پر غالب ہوتی ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی عقل اور ایمان ان کی شہوت پر غالب ہوتا ہے۔ جب مرض بڑھتا ہے تو پرہیز بھی زیادہ کرنا پڑتا ہے لہٰذا قوت ادراک کے لئے شہوت پرستی سے اجتناب ضروری ہے۔

محبت اور ارادہ ہر فعل کی جڑ ہے یہ دونوں دل کی تقویت کا باعث ہیں اور انسان کو شقاوت کے اندھیروں سے نکال کر سعادت کے نور سے آشنا کرتے ہیں کسی بھی فعل اختیاری کا وقوع پذیر ہونا بغیر محبت اور ارادے کے ممکن نہیں۔

جو کام سرزد نہ ہو تو اس لئے نہیں ہوتا کہ انسان اس کا تقاضا اپنے دل میں نہیں پاتا یا پھر وہ اس کے کرنے کو ناپسند سمجھتا ہے۔ جو کام انسان سرانجام نہ دے اس کی بھی دو قسمیں ہیں عدمی اور وجودی۔ اگر اس کا تقاضا نہ ہونے کے سبب نہ کرے تو عدمی ہے اور اگر کسی رکاوٹ کے سبب نہ کرے تو وجودی ہے۔

نافع ترین محبوب سے محبت کرنا

کام کرنا یا نہ کرنا دونوں اختیاری ہیں یہ اس سے [illegible] ہوتا ہے یا کسی غم سے شفا کی امید ہوتی ہے۔

ھی النفس [illegible] ولیس منہ [illegible]

وہ میری بیماری کی دوا ہے اگر میں اس پر [illegible] بیماری

عشق کی شفا اس سے حاصل نہیں ہوتی۔

ہر عاقل یہاں تک حیوان بھی لذت کا حصول چاہتا ہے۔ لیکن بہت سے لوگ اس میں بڑی سخت غلطی کرتے ہیں کہ وہ ایسی لذت حاصل کرنا چاہتے ہیں جس کے بعد شدید اذیت میں مبتلا ہونا پڑے۔ جو شخص آخرت کی سرمدی نعمتوں کو چھوڑ کر دنیا کی فانی نعمتوں کے پیچھے پڑا ہوا ہے یقیناً انجام سے بے خبر ہے۔ عاقل تو کہتے ہی اس کو ہیں جس کی انجام پر نظر ہو۔ یقیناً عاقل وہی ہوگا جو ہمیشہ ہمیشہ کی لذتوں کو ترجیح دے اور سب سے بڑا بیوقوف وہ ہے جو ان دائمی لذتوں کے بدلے میں فانی لذتیں حاصل کرے، جو نہ صرف یہ کہ بہت جلد ختم ہو جائیں گی بلکہ ان کی نہایت بھیانک سزا بھی بھگتنی پڑے گی۔

ایک عالم فرماتے ہیں میں نے عقلاء کے کاموں میں خوب غور کیا تو پتہ چلا کہ ان تمام کا مقصود ایک ہی ہے اور وہ ہے اپنے غموں کو دور کرنا۔ یہ کھا پی کر غم دور کر رہا ہے وہ تجارت اور کما کر، یہ نکاح کے ذریعے تو وہ گانے سننے اور لہو ولعب میں مشغول ہو کر۔ غرض ہر ایک کا مقصد ایک لیکن طریقے مختلف۔ جب میں نے غور کیا تو پتہ چلا کہ تمام کے طریقے غلط ہیں بلکہ اس کا اصل طریقہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور اپنی تمام خواہشات اس کی رضاء میں فنا کر دے۔ جو شخص اس راستے پر چلتا ہے اگرچہ اسے دنیا میں کم ہی ملے مگر پھر بھی جب اسے آخرت کی لا فانی لذتیں نصیب ہو گئیں تو دنیا میں بھی کامیاب ہے اور آخرت میں بھی۔ انسان کے لئے یہی طریقہ سب سے زیادہ آسان ہے کہ وہ اس کے ذریعے سعادت دارین حاصل کر سکے۔

محبوب کی اقسام

محبوب کی دو قسمیں ہیں۔ محبوب لنفسہ، محبوب لغیرہ، آخرکار محبوب لغیرہ بھی محبوب لنفسہ بن جاتا ہے ورنہ تو تسلسل لازم آ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی محبوب لنفسہ

اللہ تعالیٰ بیان فرما رہے ہیں کہ قتال اگرچہ انہیں ناپسند ہے لیکن ان کے لئے بہتر ہے۔ کیونکہ یہ انہیں محبوب اعظم یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے۔ عاقل وہ نہیں جو وقتی لذت کو پیش نظر رکھے یا وقتی غم سے ڈر جائے بلکہ عقلمند وہ ہوتا ہے جو وقتی پریشانی کو برداشت کرے اور ہمیشہ ہمیشہ کی لذت کو حاصل کرے۔

اس طرح کل چار چیزیں ہو گئیں۔

(۱) مکروہ جو مکروہ تک ہی لے جائے۔ اسے دو وجوہ سے چھوڑنا چاہیے۔ ایک تو اس لئے کہ یہ خود مکروہ ہے دوسرا اس لئے کہ اس کا انجام بھی مکروہ ہے۔

(۲) محبوب جو محبوب تک پہنچائے۔ اسے دو وجوہ سے اختیار کرنا چاہیے۔
(۱) یہ خود محبوب ہے (۲) محبوب تک پہنچاتا ہے۔

(۳) مکروہ جو محبوب تک پہنچائے۔

(۴) محبوب جو مکروہ تک پہنچائے۔

مؤخر الذکر دونوں صورتوں میں نفس تو یہ کہتا ہے کہ وقتی لذت کو اختیار کرو جبکہ عقل اور ایمان یہ صدا دیتے ہیں کہ کامیابی یہ ہے کہ وقتی پریشانیوں کے لئے ہمیشہ کی نعمتیں ضائع نہ کرو۔ دنیا کی پریشانی تو بہت جلد ختم ہو جاتی ہے۔ جب بھی اس طرح کی کوئی بات ہوتی ہے تو عقل نفس سے کہتی ہے اے نفس صبر کر، چند لمحوں کی بات ہے پھر سب کچھ ختم ہو جائے گا۔

ہر عمل کی بنیاد محبت پر ہے

جب ہر عمل کی بنیاد خواہ وہ صحیح ہو یا غلط محبت پر ہے تو اعمال دینیہ کی بنیاد محبت خدا اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو گی۔ جو ارادہ بھی محبت اللہ اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکمیل سے مانع ہو گا وہ ایمان کو کمزور کر دے گا۔ آپ کا ارادہ تو کئی ہو

إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴾ (زخرف ۲۶ ـ ۲۸)

"اور جب کہ ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو، مگر ہاں جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی مجھ کو رہنمائی کرتا ہے۔ اور وہ اس کو اپنی اولاد میں ایک قائم رہنے والی بات کر گئے تا کہ لوگ باز آتے رہیں۔"

یعنی ان کی دوستی صرف اور صرف اللہ کے لئے تھی ان کا سینہ غیر کی محبت سے بالکل صاف تھا۔ انہوں نے انبیاء کرام اور اپنے متبعین کے لئے ایک کلمہ چھوڑا ہے اور وہ کلمہ ہے لا الٰہ الا اللہ۔ جو قیامت تک ان پیروی کرنے والوں کی زبانوں پر جاری رہے گا۔

کلمہ توحید

اسی کلمہ کے ذریعے ہی تو آسمان و زمین قائم ہیں۔ اسی کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو پیدا فرمایا اسی کے لئے جہاد بالسیف کا حکم ہے۔ اسی کے سبب دین میں ہماری جان مال محفوظ ہیں اور اسی کے سبب ہمیں عذاب قبر اور جہنم سے نجات ملے گی۔ یہی وہ منشور ہے جس کے بغیر جنت کا داخلہ ممکن نہیں۔ یہی وہ رسی ہے جس کے ذریعے ہم خدا تعالیٰ تک پہنچ سکتے ہیں۔ اسی کے سبب بعض لوگ نیک بخت اور بعض لوگ بدبخت ہیں۔ اسی کے ذریعے تو کفر اور اسلام میں تمیز ہوتی ہے اور اسی کے ذریعے آخرت کی دائمی نعمتیں انسان کو حاصل ہوتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

"جس کا آخری کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہو جنت میں داخل ہوگا۔"

کلمہ توحید کی حقیقی روح

اس کلمہ کی حقیقی روح یہ ہے کہ انسان صرف اور صرف اللہ سے محبت رکھے اسی پر توکل کرے، اسی کی عظمت کا قائل ہو، اسی سے امید اور خوف رکھے اور جس سے بھی محبت رکھے اسی کی محبت رکھے۔ اس کے سوا نہ تو کسی سے ڈرے اور نہ ہی کسی سے امید رکھے۔ اسی کی طرف رغبت رکھے، اسی کے نام کی قسم کھائے۔ اسی کو ہر لمحہ پیش نظر رکھے، اسی کی بات مانے مصائب میں اسے ہی پکارے، اسی کو سجدہ کرے، اسی کے نام کی قربانی کرے، غرضیکہ کسی بھی عبادت میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ یہی مطلب ہے لا الٰہ الا اللہ کا اور یہی اس کی حقیقی روح ہے۔ جو شخص یہ کلمہ پڑھتا ہے اور اس کی شہادت دیتا ہے اس پر جہنم کی آگ حرام ہو جاتی ہے۔ فرمان خداوندی ہے۔

﴿وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ﴾ (معارج ۳۳)

"اور جو اپنی گواہیوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں۔"

یعنی ظاہر و باطن دونوں سے شہادت قائم کرے۔ بعض کی شہادت مری ہوئی ہوتی ہے، بعض کی سوئی ہوئی، بعض کی پہلو کے بل لیٹی ہوئی، بعض کی قیام کے قریب اور بعض کی قائم ہوتی ہے۔ یہ شہادت ایسی ہی ہے جیسا کہ بدن میں روح ہوتی ہے۔ بعض کی روح مردہ ہوتی ہے، بعض کی مریض، بعض کی تندرستی کے قریب اور بعض کی بالکل صحیح اور تندرست۔ ایک حدیث میں مذکور ہے۔

مجھے ایسے کلمہ کا علم ہے اگر کوئی شخص اسے وفات کے وقت کہہ دے تو اس کی روح کو حیات حاصل ہو جاتی ہے۔

روح کو اسی کلمہ سے حیات حاصل ہوتی ہے۔ جیسے کہ انسانی بدن بغیر روح کے زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح انسانی روح بھی بغیر روح کے زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور

جب انسانی روح کو حیات حاصل ہو جاتی ہے تو پھر وہ جنت میں عیش و طرب کی زندگی گزارتی ہے۔

﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى
فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى﴾ (النازعات ۴۰،۴۱)

"اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہو گا اور
نفس کو خواہش سے روکا ہوگا سو جنت اس کا ٹھکانا ہوگا۔"

یہ جنت تو اسے آخرت میں حاصل ہوگی۔ اس کے علاوہ ایک جنت اسے دنیا ہی میں مل جائے گی یعنی قلبی سکون اور دلی راحت۔ جو شخص اس دنیاوی جنت سے محروم ہوا وہ اخروی جنت سے تو یقیناً محروم ہوگا اور دنیا بھی اس کے لئے ایک جہنم ہے اگرچہ جتنی فراخی ہو جائے۔

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً﴾ (النحل ۹۷)

"جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ
صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو بالطف زندگی دیں گے۔"

شرح صدر سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہو سکتی ہے اور تنگی دل سے بڑھ کر اور کیا مصیبت ہو سکتی ہے؟

﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ
الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَيَاةِ
الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ذَلِكَ
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (یونس ۶۲-۶۴)

"یاد رکھو! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم

ہوتے ہیں۔ وہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز رکھتے ہیں۔ ان
کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوشخبری ہے۔
اللہ کی باتوں میں کچھ فرق ہوا نہیں کرتا۔ یہ بڑی کامیابی ہے"۔

مخلص مومن کو اللہ تعالیٰ یہ پاکیزہ دنیاوی جنت اخروی جنت سے پہلے ہی عطا فرما دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جب تم جنت کے باغوں میں سے گذرو تو چر لیا کرو۔ صحابہ نے عرض کیا جنت کے باغ کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے باغ ذکر اللہ کی مجلسیں ہیں۔

نیز ارشاد فرمایا۔ جو میرے گھر اور منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صوم وصال کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں تمہارے جیسا نہیں ہوں میں تو اپنے رب کے پاس ہوتا ہوں وہی مجھے کھلاتے اور پلاتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ روحانی غذا حاصل ہوتی تھی جو آپ کو مادی غذا سے مستغنی کر دیتی تھی یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے پینے کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ سے لو لگائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے مستغنی بنا دیا۔

لها احادیث من ذکراک تشغلها عن الشراب و تلهیها عن الزاد
لها بوجهك نور تستضیء به ومن حدیثك فی اعقابها حادی
اذا شکت من کلال السیر اوعدها روح القدوم فتحیا عند میعاد

[illegible] کیلئے ایسی ہے جو اسے کھانے پینے سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ وہ

حرکت کا شعور ہو تو اسے حرکت ارادی کہتے ہیں۔ اور اگر شعور نہ ہو تو پھر دو صورتیں ہیں یا تو اس کی طبیعت کے مطابق ہو تو اسے طبعی کہتے ہیں ورنہ اضطراری ہے۔

اس سے یہ بات بھی بخوبی ظاہر ہو رہی ہے کہ زمین و آسمان میں جتنی بھی حرکات ہیں۔ حرکت افلاک، حرکت شمس وقمر، بادل ہوا اور بارش و نباتات وغیرہ کی حرکت، حتیٰ کہ ماں کے پیٹ میں بچہ تک کی حرکت، یہ تمام کی تمام حرکات فرشتوں کے واسطہ سے سرانجام دی جاتی ہیں۔ جیسا کہ قرآن و حدیث میں اس کی وضاحت موجود ہے نیز اس پر ایمان ملائکہ پر ایمان میں داخل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے، رحم، بارش، ہوا، شمس وقمر اور نجوم وغیرہ کو فرشتوں کے سپرد کیا ہوا ہے۔ اسی طرح ہر انسان پر چار فرشتے مقرر ہیں ''کاتبین'' اور ''حافظین'' جو اس کی آگے پیچھے سے حفاظت کرتے ہیں۔ نیز روح کو قبض کرنا، جنت یا جہنم میں اس کا ٹھکانا بنانا، قبر میں سوال وجواب کرنا، جہنم میں عذاب دینا یا جنت کی نعمتوں سے بہرہ مند کرنا، بادلوں کو ہانک کر دور لے جانا اور پھر بارش برسانا، جنت میں تمام نعمتیں مہیا کرنا اور اسی طرح جہنم میں آلات عذاب بہم پہنچانا یہ تمام کی تمام فرشتوں کی ذمہ داری ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم لشکر ہے جسے ملائکہ کہتے ہیں۔ لفظ ''ملک'' (فرشتہ) سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ صرف اللہ کے قاصد اور اس کے احکامات کو بجالانے والے ہیں، ان کے اختیار میں کچھ نہیں، بلکہ تمام اختیارات کا مالک صرف اور صرف اللہ ہے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ (مریم: ۶۴)

''اور ہم بدوں آپ کے رب کے حکم کے وقتاً فوقتاً نہیں آسکتے۔ اسی کی ہیں ہمارے آگے کی سب چیزیں اور ہمارے پیچھے کی

سب چیزیں اور جو چیزیں ان کے درمیان میں ہیں۔ اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں۔"

﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى﴾ (النجم ۲۶)

"اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں موجود ہیں، ان کی سفارش ذرا بھی کام نہیں آ سکتی مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہیں اجازت دے دیں اور راضی ہوں۔"

اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ایک گروہ کی قسم کھاتے ہیں جو امر پیدائش میں اس کے احکام پر عمل کرتا ہے۔

﴿وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا﴾ (الصافات ۱-۳)

"قسم ہے ان فرشتوں کی جو صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر ان فرشتوں کی جو بندش کرنے والے ہیں پھر ان فرشتوں کی جو ذکر تلاوت کرنے والے ہیں۔"

﴿وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا عُذْرًا اَوْ نُذْرًا﴾ (المرسلات ۱-۶)

"قسم ہے ان ہواؤں کی جو نفع پہنچانے کے لئے بھیجی جاتی ہیں۔ پھر ان ہواؤں کی جو تندی سے چلتی ہیں۔ اور ان ہواؤں کی جو بادلوں کو پھیلاتی ہیں۔ پھر ان ہواؤں کی جو بادلوں کو متفرق کرتی ہیں پھر ان ہواؤں کی جو اللہ کی یاد یعنی توبہ کا یا ڈرانے کا القاء کرتی ہیں۔"

﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾ (النزعت ۱۔۵)

"قسم ہے ان فرشتوں کی جو جان سختی سے نکالتے ہیں اور جو بند کھول دیتے ہیں۔ اور جو تیرتے ہوئے چلتے ہیں۔ پھر تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں۔ پھر ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں۔"

ان آیات کا مطلب اور قسم کے رموز ہم نے اپنی کتاب "التبیان فی اقسام القرآن" میں ذکر کر دیئے ہیں۔

اس تمام تفصیل سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ کہ افلاک وغیرہ کی حرکات اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، اسی طرح حرکات طبعیہ اور اضطراریہ۔ اگر افلاک میں اللہ کی محبت نہ ہوتی تو وہ نہ گھومتے، نہ ستارے حرکت کرتے، نہ ہوائیں چلتیں، نہ بادل رواں دواں ہوتے، نہ بچہ ماں کے پیٹ میں حرکت کرتا، نہ نباتات اگتیں، نہ موجوں میں تلاطم پیدا ہوتا، نہ ہی آسمان و زمین اپنے خالق کے ثناء خواں ہوتے اور نہ ہی دیگر مخلوقات اس کی حمد کرتیں۔ وہ ذات پاک ہے

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ (بنی اسرائیل ۴۴)

"تمام ساتوں آسمان اور زمین اور جتنے ان میں ہیں، ان کی پاکی بیان کر رہے ہیں۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان نہ کرتی ہو، لیکن تم لوگ ان کی پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں ہو، وہ بڑا حلیم ہے، بڑا غفور ہے۔"

صرف اللہ سے محبت رکھنا

ہر جاندار جس میں ارادہ و محبت بھی ہو اور وہ صاحب عقل بھی ہو اس کی حرکت کا دارومدار محبت اور ارادہ پر ہے۔ کوئی بھی چیز اس وقت تک صاحب صلاح نہیں بن سکتی جب تک کہ اس کی ہر ہر حرکت اور محبت صرف اور صرف اللہ کے لئے نہ ہو جائے۔ جب اس کا وجود اسی ایک ذات کا مرہون منت ہے تو اس کی محبت بھی اسی کے لئے ہونی چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾ (انبیاء۔ ۲۲)

''زمین و آسمان میں اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو دونوں درہم برہم ہو جاتے۔''

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ زمین و آسمان نہ ہوتے یا یہ معدوم ہو سکتے یا یہ ختم ہو جاتے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ بغیر صلاح کے زمین و آسمان کو قائم رکھیں لیکن یہ بات ممکن نہیں کہ صلاح و استقامت اللہ تعالیٰ سے دل لگائے بغیر حاصل ہو جائے۔

اگر دنیا میں ایک سے زیادہ معبود ہوتے تو اس کا نظام بالکل فاسد ہو جاتا کیونکہ ہر معبود یہ چاہتا کہ اسے دوسرے پر غلبہ اور برتری حاصل رہے۔ نیز یہ بھی چاہتا کہ اس کی الوہیت میں اس کا کوئی شریک نہ ہو کیونکہ الوہیت میں شرکت اس کے لئے نقص اور عیب ہے۔ اور ہر معبود یہ چاہتا کہ میں عیب سے بری رہوں اور خود کو ناقص معبود نہ کہلواؤں۔ پس ہر ایک دوسرے کو مغلوب کرنے کی کوشش کرتا۔ اگر ایک دوسرے کو مغلوب کرنا چاہتا تو دو ہی صورتیں ہوتیں یا تو دوسرا مغلوب ہو جاتا یا نہیں۔ اگر مغلوب ہو جاتا تو مغلوب خدا نہیں ہو سکتا اور اگر مغلوب نہ ہوتا تو پہلا عاجز ہوا اور عاجز خدا نہیں ہو سکتا لہٰذا لازمی طور پر ان دونوں کا ایک اور بڑا معبود ہونا چاہیے جو ان

دونوں کا حاکم ہو، ورنہ تو یہ دونوں ایک دوسرے پر برتری کے چکر ہی میں رہیں گے، اور یوں زمین و آسمان میں فساد پھیل جائے گا۔ جیسا کہ اگر ایک ملک میں دو بادشاہ ہوں یا ایک بیوی کے دو شوہر ہوں تو اس ملک یا اس بیوی میں صلاح کی امید نہیں کی جا سکتی۔

دنیا میں اصل فساد کا سبب خلفاء اور بادشاہوں کا اختلاف ہے۔ اسی لئے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن اسی وقت مسلمانوں سے تیز آزما ہوتے ہیں جب ان میں اختلافات پھوٹ پڑیں۔ ہر ایک اپنی انفرادی شخصیت بنانے پر تلا ہوا ہو اور ہر ایک دوسرے پر برتری کا خواہاں ہو۔

الغرض زمین و آسمان کی صلاح و استقامت اور اس کے نظام کی درستگی صرف ایک اللہ سے محبت پر موقوف ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے۔ وہی تمام بادشاہوں کا مالک اور ہر قسم کی تعریف والا ہے۔ وہی زندہ کرتا اور موت دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ عرش سے لے کر فرش تک اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل اور فضول ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ (المؤمنون ۹۱-۹۲)

"اللہ تعالیٰ نے کسی کو اولاد نہیں قرار دیا اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا۔ اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک ہے

جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں، جاننے والا ہے سب پوشیدہ اور آشکارا کا، غرض ان لوگوں کی شرک سے وہ بالاتر ہے۔"

﴿أَمِ اتَّخَذُوا آلِهَةً مِنَ الْأَرْضِ هُمْ يُنْشِرُونَ ۝ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ﴾ (الانبیاء ۲۱-۲۳)

"کیا ان لوگوں نے خدا کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں زمین کی چیزوں میں سے جو کسی کو زندہ کرتے ہوں۔ زمین آسمان میں اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو دونوں درہم برہم ہو جاتے۔ سو اللہ تعالیٰ جو کہ مالک ہے عرش کا ان امور سے پاک ہے جو کچھ یہ لوگ بیان کرتے ہیں وہ جو کچھ بھی کرتا ہے اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا اور اوروں سے باز پرس کی جا سکتی ہے۔"

﴿قُلْ لَوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذًا لَابْتَغَوْا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا﴾ (اسراء ۴۲)

"آپ فرمایئے کہ اگر اس کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسے یہ لوگ کہتے ہیں تو اس حالت میں عرش والے تک انہوں نے راستہ ڈھونڈ لیا ہوتا۔"

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لا یعلو بعضہم ... مسئلہ قہر و غلبہ کے لئے فرمایا ہے جیسا کہ ایک اور آیت میں ارشاد باری ہے

﴿وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ (المؤمنون ۹۱)

"ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا۔"

ہمارے شیخ رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ لابتغوا الیہ سبیلا کے اصل معنی ہیں وہ معبودان باطلہ اطاعت خداوندی کے ذریعے اس کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ وہ اگرچہ ان کے زعم میں معبود ہیں مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہیں۔ اس کے کئی دلائل ہیں۔

۱: ارشاد باری اللہ تعالیٰ ہے:

﴿أُولٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ﴾ (اسراء: ۵۷)

"یہ لوگ کہ جن کو مشرکین پکار رہے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف ذریعہ ڈھونڈ رہے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب بنتا ہے اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔"

یعنی میرے علاوہ جن کی تم عبادت کرتے ہو جیسے تم میری مخلوق ہو اسی طرح وہ بھی میری مخلوق ہیں جب تم میری رحمت کی امید رکھتے اور مجھ سے ڈرتے ہو تو ان کی عبادت کیوں کرتے ہو؟

۲: اللہ تعالیٰ نے لاتبغوا علیہ سبیلا نہیں فرمایا بلکہ فرمایا ہے لابتغوا الیہ سبیلا یہ لفظ تقرب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

﴿اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ (مائدہ: ۳۵)

"اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور خدا تعالیٰ کا قرب ڈھونڈو۔"

مقابلے کے لئے اس کا صلہ علی ہوتا ہے۔

﴿فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا﴾ (نساء: ۳۴)

"پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر بہانہ

مت ڈھونڈو۔"

۳:۔ یہ قول کفار کا نہیں کہ ان کے معبود اللہ پر برتری چاہتے ہیں بلکہ وہ تو کہتے تھے کہ ہمارے معبود اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر بات اسی طرح ہو جس طرح کہ تم کہہ رہے ہو تو یہ معبود تو اللہ کے بندے ہوئے تو تم اللہ کو چھوڑ کر اس کے بندوں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟

آثار محبت

محبت خواہ اچھی ہو یا بری اس کے آثار اور لوازم بھی ہوتے ہیں۔ محبت خواہ نافع ہو یا نقصان دہ اس سے ذوق، حلاوت، شوق، انس و محبت، محبوب کا قرب یا دوری، فرحت و مسرت، ہجر و وصال یا رونا دھونا وغیرہ ضرور حاصل ہوتے ہیں۔ اچھی اور نافع محبت وہ ہے جس سے دین و دنیا دونوں کا بھلا ہو اور سعادت دارین کا باعث ہو۔ بری اور نقصان دہ محبت وہ ہے جو دین و دنیا دونوں کی بربادی کا باعث ہو، اسی کا دوسرا نام بدبختی اور شقاوت ہے۔ کوئی بھی عاقل دیدہ و دانستہ نقصان دہ محبت میں گرفتار نہیں ہوتا۔ اگر عاقل بھی اس محبت میں گرفتار ہو تو اس کی دو وجہیں ہوتی ہیں۔ یا تو اس پر محبت اتنی غالب آجاتی ہے کہ اسے اس مضرت کا خیال ہی نہیں یا پھر اسے علم تو ہوتا ہے لیکن وہ محبت میں اتنا اندھا ہو جاتا ہے کہ اس کا اعتقاد فاسد ہو جاتا ہے اور اس پر شہوت غالب آجاتی ہے۔ جب انسان کسی محبت میں گرفتار ہوتا ہے تو اس کا اعتقاد فاسد ہو جاتا ہے بدیں طور کہ اس پر حق اور باطل مشتبہ ہو جاتے ہیں اور محبوب کی باتیں اسے اچھی لگتی ہیں نہ کہ امر الٰہی۔ نیز اس پر شہوت بھی غالب آجاتی ہے جو اس محبوب کے حصول پر ابھارتی ہے۔ جس آدمی پر شبہات اور شہوات غلبہ پالیں پھر اس کا ایمان اور عقل دونوں کمزور ہو جاتی ہیں۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہوگا کہ ہر محبت کے توابع کا حکم اسی محبت والا ہے۔ پس اگر اس کی محبت اچھی ہے تو اس کے توابع بھی اس کے لئے فائدہ مند ہوں گے، اگر اس محبت میں رونے گا تب بھی فائدہ ہے اور اگر ہنسے گا تب بھی فائدہ سے خالی نہیں۔ اسی طرح خوش ہو یا غم زدہ ہو، طبیعت میں انقباض ہو یا انبساط دونوں ہی اس کے لئے فائدہ مند اور نافع ہیں۔ اور اگر اس کی محبت بری ہے تو پھر ہر کام اس کے لئے برا اور ضرر و نقصان دہ ہے، نیز اللہ تعالیٰ سے دوری کا باعث بھی ہے۔

ہر اچھا یا برا کام اس کا بھی یہی حال ہے۔ اگر نیک کام ہو تو قرب خداوندی میں اضافہ کا سبب ہے اور اگر برا ہے تو اس کے لئے خسارہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ وَلَا يُنْفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (توبہ۔۱۲۰۔۱۲۱)

"یہ اس سبب سے ہے کہ ان کو اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی اور جو ماندگی پہنچی اور بھوک لگی اور جو چلنا چلے کفار کے لئے موجب غیظ ہوا ہو اور دشمنوں کی جو کچھ خبر لی ان سب پر ان کے نام ایک ایک نیک کام لکھا گیا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتا اور جو کچھ چھوٹا بڑا انہوں نے خرچ کیا اور جتنے میدان ان کو طے کرنے پڑے یہ سب بھی ان کے نام لکھا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ

هو دان لهم باب اذكر هو الدين فاصبحوا اعزة وضيال

جب انہوں نے دین کو ناپسند کیا تو وہ ذلیل اور عزت وبہادری سے محروم ہو گئے۔

کبھی اس سے مراد ہوتا ہے پستی سے بلندی کی طرف جانا۔ جیسے دان اللہ کا ترجمہ کیا جاتا ہے کہ اللہ کی اطاعت کی، اس سے محبت کی، اس سے ڈرا، اس کے لئے مشقتیں اور ذلتیں برداشت کیں اور اسی کے لئے خشوع وخضوع سے کام کیا۔

باطنی دین کے لئے محبت اور عبادات میں خشوع وخضوع ضروری ہے اگرچہ دین ظاہر کے لئے ضروری نہیں کیونکہ اس میں تو صرف ظاہری اطاعت ہی کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یوم قیامت کا نام یوم الدین رکھا ہے کیونکہ اس دن لوگ اپنے اعمال کے سبب یا پست ہو نگے یا بلند، کیونکہ یہ دن ان کے حساب اور جزا کا دن ہے۔ اسی لئے اس کا نام یوم الجزاء اور یوم الحساب بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَوْلَا إِن كُنتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ۝ تَرْجِعُونَهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ (واقعہ ۸۶۔۸۷)

"تو اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں ہے۔ تو تم اس روح کو پھر کیوں نہیں لوٹا لاتے ہو اگر تم سچے ہو۔"

یعنی اگر تمہارا کوئی رب نہیں جو تم پر حکم چلا سکے تو روح کو اس کے اصل مقام پر لوٹا دو۔ یہ آیت کافروں کے خلاف دلیل ہے جو قیامت کے دن کا انکار کرتے ہیں۔ یہ چونکہ دلیل ہے اس لئے اس کی تشریح وہ ہونی چاہئے جس سے ذہن فوراً اس کے مدلول کی طرف منتقل ہو جائے اور وہ تفسیر یہ ہے کہ جب مشرکین نے بعث اور آخرت کا انکار کیا تو درحقیقت انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی ربوبیت کا انکار

کیا ہے۔ اگر ہے تو وہ اقرار کریں کہ ان کا ایک رب ہے جو ان پر حکم چلا سکتا ہے۔ انہیں زندہ کر سکتا اور مار سکتا ہے۔ انہیں کسی کام کا حکم بھی دے سکتا ہے اور روک بھی سکتا ہے۔ اچھوں کو ثواب اور بروں کو پکڑ بھی سکتا ہے۔ اگر وہ اس کا انکار کریں اور یہ سمجھیں کہ ان کا کوئی خدا نہیں تو انہیں یہ کہا جا رہا ہے کہ اگر ایسا ہی ہے تو تم اس روح کو جو تمہارے حلقوم تک پہنچ چکی ہے واپس لوٹا کر دیکھو۔ یہ دراصل ان لوگوں کو خطاب ہے جو جاں بہ لب ہیں اور مرنے کے قریب ہیں کہ دیکھو! جب تم اس سانس کے لوٹانے پر بھی قادر نہیں تو مان لو کہ تمہارا ایک رب ہے جس کے حکم سے سب کچھ ہوتا ہے اور جس کے بغیر کسی کا حکم نہیں چلتا۔ اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ اس کے بغیر اگرچہ ساری دنیا کے تمام جنات اور انسان جمع ہو جائیں مگر وہ اس سانس کو واپس نہیں لوٹا سکتے جسے اللہ تعالیٰ نے باہر نکلنے کا حکم فرما دیا ہے۔

دین کی دو قسمیں

دین کی دو قسمیں ہیں۔ دین امری شرعی یعنی شریعت پر اس نیت سے عمل کرنا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اور دین حسابی جزائی۔ یعنی سزا اور جزاء کو مدنظر رکھ کر دین پر عمل کرنا۔ یہ دونوں قسمیں صحیح ہیں کیونکہ یقیناً اللہ تعالیٰ اسی کام کا حکم فرمائیں گے جو انہیں پسند ہوگا اور اسی کام سے روکیں گے جو انہیں ناپسند ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے دین وہ ہوتا ہے جسے انسان محبت اور رضا سے اختیار کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

جو اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوا اس نے دین کا ذائقہ چکھ لیا۔[1]

اسی طرح دین جزائی پر عمل بھی باعث نجات ہے۔ اچھے کو اچھا بدلہ اور

[1] مسند احمد، مسلم، ترمذی۔

برے کو برا بدلہ دینا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ یہ اس کا عدل اور وہ اس کا فضل ہے۔ دونوں ہی اس کی صفات ہیں اور وہ اپنی صفات سے محبت رکھتا ہے اور اس سے بھی محبت رکھتا ہے جو اس کی صفات سے محبت رکھے۔ دین کی دونوں قسمیں صراط مستقیم ہیں جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مقدس میں فرمایا کہ حضرت ہودؑ نے اپنی قوم سے فرمایا:

﴿إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ مِنْ دُونِهِ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُونِ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ (ہود ۵۴_۵۶)

"میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کو تم خدا کے سوا شریک قرار دیتے ہو۔ سب مل کر میرے ساتھ داؤ گھات کرلو پھر مجھ کو ذرا مہلت نہ دو۔ میں نے اللہ پر توکل کر لیا ہے جو میرا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے جتنے روئے زمین پر چلنے والے ہیں سب کی چوٹی اس نے پکڑ رکھی ہے۔ یقیناً میرا رب صراط مستقیم پر ہے۔"

جب حضرت ہودؑ نے دیکھا کہ ان کا رب صراط مستقیم کے فیصلے فرماتا ہے تخلیق اور امر ونہی میں، ثواب وعقاب میں، قضاء وقدر میں، منع وعطاء میں، عافیت وآزمائش میں اور توفیق ومحرومی میں، اور اپنے اسماء اور صفات میں، اپنے مقتضیات میں جو فیصلہ بھی فرمائے یقیناً وہی مناسب حال تھے۔ اللہ تعالیٰ کا عدل، فضل، احسان اور حکمت ورحمت بھی اتنی ہی صحیح ہیں جتنا کہ منع کرنا، محروم کرنا، گمراہ کرنا اور برے کاموں پر پکڑ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا ہر کام حکمت سے بھرپور اور مقتضائے حال کے عین مطابق ہوتا ہے۔ ہر قسم کی تعریف اور حمد وثنا آپ کے لئے ہے۔ تبھی تو حضرت ہودؑ نے تمام

سرداران قوم کے سامنے یہ بات دل ذکرو بالا اعلان فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت وعظمت اور مخلوق کی ذلت وپستی کو بیان فرمایا۔

﴿مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (ھود ۵۶)

"جتنے روئے زمین پر چلنے والے ہیں سب کی چوٹی اس نے پکڑ رکھی ہے یقیناً میرا رب صراط مستقیم پر ہے۔"

وہ آدمی کیسے اللہ سے نہ ڈرے جس کا سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہو؟ اور جس پر اس کا ہر حکم چلتا ہو؟ اگر انسان پھر بھی نہیں ڈرتا تو بہت بڑا جاہل اور بہت بڑا ظالم ہے۔ نیز یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ صراط مستقیم کے احکام صادر فرماتے ہیں۔ اگرچہ ہمارا سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے مگر پھر بھی وہ ہم پر ظلم نہیں فرمائیں گے کیونکہ ظلم صراط مستقیم کے منافی ہے۔ وہی ذات پاک انسان میں تصرف کرنے والی اور عدل کرنے والی ہے کہ اس کا کوئی بھی تصرف عدل سے خالی نہیں ہوتا۔ اگر ان کی طرف سے عطا یا اور اکرام ملے تو ان کا فضل و احسان ہے اور اگر تکلیف یا رسوائی نصیب ہو تو یہ ان کا عدل اور حکمت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ دونوں ہی صورتوں میں صراط مستقیم پر ہیں۔

ایک حدیث صحیح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ

"جب بھی کسی انسان کو کوئی غم یا پریشانی لاحق ہو اور وہ یہ دعاء کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے غم کو دور فرما کر اس کے لئے آسانیاں پیدا فرما دیتے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم اسے سیکھ لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بھی سنے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسے سیکھے۔ وہ دعا یہ ہے۔

اے اللہ میں تیرا بندہ، تیری باندی کا بندہ ہوں آپ ہی میرے مالک

ہیں، آپ کا حکم مجھ پر چلتا ہے آپ کا فیصلہ مجھ پر لاگو ہوتا ہے۔ اے اللہ میں تیرے ان تمام ناموں کا واسطہ دے کر تجھ سے سوال کرتا ہوں جو تو نے خود رکھے ہیں یا تو نے کسی کتاب میں اتارے ہیں یا تو نے کسی کو سکھائے ہیں یا تیرے علم غیب میں وہ ہیں کہ تو قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار، میرے دل کا نور اور میرے غموں اور پریشانیوں کا مداوا بنادے۔[۱]

اس دعا سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ کا حکم بندے کے لئے اختیاری ہو غیر اختیاری دونوں صورتوں میں اس پر لاگو ہوتا ہے اور دونوں ہی اس کے عدل کے عین مطابق ہیں۔

عشق مجازی

اس کتاب کو اب ہم اس فصل پر ختم کرتے ہیں، اس فصل میں عشق مجازی کے دنیاوی اور اخروی مفاسد ذکر کیے جائیں گے، اگرچہ اس کے مفاسد بیان سے باہر ہیں۔ کیونکہ اس سے انسان کا دل خراب ہوتا ہے اور جب دل خراب ہو جاتا ہے تو تمام ارادے اور اقوال و اعمال تمام فاسد ہو جاتے ہیں اور انسان کی توحید بھی کمزور ہو جاتی ہے جیسا کہ گذر چکا اور آگے بھی بیان ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اس مرض کا تذکرہ دو گروہوں میں فرمایا ہے۔ ایک عورت و مرد کا عشق اور ایک لواطت والوں کا عشق۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے عشق کے سلسلہ میں عزیز مصر کی بیوی کا حضرت یوسف کے ساتھ عشق کا تذکرہ فرمایا ہے کہ زلیخا نے حضرت یوسف کو کیسے بہکایا اور حضرت یوسف نے خود کو کیسے بچایا؟ ایسے حال میں وہی صبر کرسکتا ہے جسے اللہ ہی صبر کی توفیق عطا فرمائیں کیونکہ برائی کے مواقع بہت زیادہ تھے۔

---

۱ مسند احمد

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کے دل میں عورت کی اتنی خواہش رکھ دی ہے جتنی کہ پیاسے کو پانی کی اور بھوکے کو کھانے کی ہوتی ہے۔ بلکہ بعض لوگ کھانے اور پینے سے صبر کر سکتے ہیں لیکن عورتوں سے صبر نہیں کر سکتے اور اگر یہ حلال طریقہ سے ہو تو کچھ قابل مذمت نہیں بلکہ قابل تعریف ہے۔ حضرت امام احمد نے کتاب الزہد میں روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مجھے عورت اور خوشبو پسند ہے حتیٰ کہ میں کھانے پینے سے صبر کر سکتا ہوں لیکن ان سے صبر نہیں کر سکتا۔

۲۔ حضرت یوسف نوجوان تھے۔ آپ میں جوانی کی حدت وشہوت قوی ترین تھی۔

۳۔ آپ غیر شادی شدہ تھے۔ قضاء شہوت کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔

۴۔ آپ پردیس میں تھے۔ انسان کو اپنے واقف کاروں میں شہوت رانی سے شرم محسوس ہوتی ہے۔

۵۔ حضرت زلیخا خوبصورت اور منصب والی تھیں۔ اگر کسی عورت میں یہ دونوں چیزیں جمع ہوں تو اس کی طرف دل زیادہ مائل ہوتا ہے۔

۶۔ زلیخا انکاری نہیں تھیں۔ کیونکہ اگر عورت کی طرف انکار ہو تو اکثر مردوں کی شہوت کم ہو جاتی ہے اس لئے کہ انہیں سوال کی ذلت اٹھانی پڑتی ہے۔ البتہ بعض لوگوں کی شہوت اور بھڑکتی ہے

وزادني كلفا في الحب أن منعت   أحب شيء إلى الإنسان ما منعا

انسانی طبیعتیں مختلف ہیں۔ بعض تو ایسے ہیں کہ عورت کی رغبت سے ان کی محبت بڑھتی اور اس کے انکار سے ان کی محبت کم ہوتی ہے۔ مجھے بعض قاضیوں نے بتایا

۱۲۔ حضرت یوسفؑ کو قید اور ذلت کی زندگی اچھی لگی اور زلیخا کو ٹھکرایا۔ لہٰذا شہوت کے ساتھ ساتھ قید سے حفاظت کا بھی تقاضہ یہی تھا کہ زلیخا کی دعوت قبول کر لی جاتی۔

۱۳۔ عزیز مصر جو زلیخا کے شوہر تھے ان سے بھی غیرت مندی کا ظہور نہیں ہو رہا تھا جب انہوں نے حضرت یوسفؑ سے کہا اس سے درگذر کرو اور زلیخا سے کہا اپنے گناہوں پر استغفار کر یہ سب تیری ہی خطا تھی۔ خاوند کی غیرت بھی ادھر سے ہٹ گئی ہے یہاں اس کا بھی فقدان تھا۔ ان تمام خطروں کے باوجود حضرت یوسفؑ نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کو مقدم رکھا اور اللہ تعالیٰ سے محبت کے سبب اس فعل قبیح سے جیل جانا پسند فرمایا

﴿قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ﴾ (یوسف ۳۳)

"یوسفؑ نے دعا کی کہ اے میرے رب مجھے قید زیادہ پسند ہے اس کام سے جس کی طرف یہ عورتیں مجھ کو بلا رہی ہیں۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ خود نہ بچ سکتے تھے۔ آپ اس لئے محفوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی برائی کو آپ سے دور فرمایا اور آپ کو معصوم رکھا۔ اگر اللہ ایسا نہ فرماتے تو آپ اس میں مبتلا ہو جاتے۔ حضرت یوسفؑ کو اپنے نفس کی اور اللہ تعالیٰ کی کامل معرفت حاصل تھی۔ اس قصہ میں اتنے فوائد اور حکمتیں ہیں کہ جن کے بیان کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔

دوسرا عشق جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے وہ یہ ہیں۔

ارشاد باری ہے۔

﴿وَجَاءَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ۝ قَالَ إِنَّ هَؤُلَاءِ ضَيْفِي فَلَا تَفْضَحُونِ ۝ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ﴾

نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ (الحجر ۶۷-۷۲)

"اور شہر کے لوگ خوب خوشیاں کرتے ہوئے پہنچے۔ لوطؑ نے فرمایا کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں سو مجھ کو فضیحت مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مجھ کو رسوا مت کرو۔ وہ کہنے لگے کیا ہم آپ کو دنیا بھر کے لوگوں سے منع نہیں کر چکے؟ لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ میری بیٹیاں موجود ہیں اگر تم میرا کہنا کرو۔ آپ کی جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔"

عورتوں اور لڑکوں دونوں کا عشق حرام اور نقصان دہ ہے۔ یہ ایسی بیماری ہے جس کی دوائی سے اطباء عاجز ہیں۔ یہ ایک زہر قاتل ہے جو دل میں سرایت کر جاتا ہے۔ اگر یہ آگ ایک بار بھڑک جائے تو اسے بجھانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کی کئی اقسام ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ جیسے اگر کوئی شخص اپنے محبوب سے اتنی محبت رکھے جتنی کہ خدا تعالیٰ سے رکھتا ہے یا اپنے محبوب کے ساتھ خدا تعالیٰ سے بھی زیادہ محبت ہو تو یہ بہت بڑا شرک ہے، جسے اللہ تعالیٰ بھی معاف نہیں فرماتے۔ الا یہ کہ وہ توبہ کر لے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ عشق شرک کی علامت یہ ہے کہ انسان اپنے معشوق کی رضا کو خدا تعالیٰ کی رضا پر مقدم رکھے۔ جب معشوق کے حق اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں تعارض ہو تو معشوق کو ترجیح دے۔ اس کے لئے تو اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہو اور خدا تعالیٰ کے لئے تھوڑا بہت کبھی کبھار کچھ خرچ کرے۔ اس کی ایک اور علامت یہ ہے کہ عاشق اپنے محبوب کی خوشنودی اور اس کی فرماں برداری میں ہمہ تن کوشاں رہے آپ غور کریں کیا اکثر عاشقوں کا یہی حال نہیں ہے؟ آپ ان کے حال کو ایک پلڑے میں

اور ان کے ایمان کو دوسرے پلڑے میں رکھیں پھر عدل کے ساتھ تولیں تو انہیں حقیقت کا علم ہو جائے گا۔

بعض عاشق تو صراحتاً معشوق کے وصال کو اللہ تعالیٰ کی توحید سے مقدم رکھتے ہیں۔ ایک خبیث شاعر کہتا ہے۔

یجرعنی من فیہ رشفات   هن أحلى فیه من التوحید

وہ اپنی زبان سے مجھے گھونٹ پلاتی ہے۔ اس کے گھونٹ مجھے توحید سے بھی زیادہ میٹھے معلوم ہوتے ہیں۔

پیچھے گزر چکا کہ ایک اور خبیث شاعر نے کہا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے زیادہ محبوب کے وصال کی خواہش ہے۔

یقیناً یہ عشق بہت بڑا شرک ہے۔ بہت سے لوگ خود کہتے ہیں کہ ہمارے دل میں معشوق کے سوا کسی کی کوئی جگہ نہیں۔ معشوق انسان کے دل کا مکمل مالک بن جاتا ہے اور پھر اس کی رضا مندی اتنی ہی محبوب ہوتی ہے جتنی کہ اللہ تعالیٰ کی۔ پھر اس کی محبت کے سبب انسان خدا تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ کر معشوق کی عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے کیونکہ اصل عبادت تو محبت اور اطاعت شعاری ہے۔ جب دل میں معشوق کی محبت اور اس کی اطاعت ضروری ہے تو حقیقی معبود تو معشوق ہوا نہ کہ اللہ تعالیٰ۔

بدفعلی اور اس گناہ میں کوئی مناسبت نہیں کیونکہ بدفعلی سے انسان گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے اور یہ گناہ انسان کو شرک تک لے جاتا ہے۔ ایک شیخ فرماتے ہیں ان معشوقوں کے ساتھ بدفعلی مجھے ان کے ساتھ عشق سے زیادہ پسند ہے کہ میرا دل ان کی عبادت میں مشغول رہے اور اللہ تعالیٰ سے غافل رہے۔

عشق کی دواء

جو انسان بھی اس مہلک مرض میں مبتلا ہو تو وہ اپنی جہالت کے سبب مبتلا

ہوتا ہے یہ اس لئے کہ اس کا دل اللہ تعالیٰ سے غافل ہوتا ہے۔ اگر وہ اس مہلک مرض سے بچنا چاہتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے واقفیت ضروری ہے۔ نیز اسے ظاہری اور باطنی عبادات میں مشغول ہونا چاہیے۔ اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ وزاری کرے کہ اے اللہ اس مصیبت سے نجات عطا فرما اور اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھے۔ اس مرض کے لئے سب سے زیادہ نافع دوا اخلاص ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ﴾ (یوسف ۲۴)

"تاکہ ہم ان سے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو دور رکھیں وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔"

اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے یوسفؑ سے عشق اور فحاشی ان کے اخلاص کے سبب دور کی۔ جب انسان کا دل مخلص ہو اور اس کے عمل میں بھی اخلاص ہو تو وہ عشق مجازی میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عشق مجازی فارغ دل میں جڑ پکڑتا ہے۔ جیسے کہ ایک شاعر کہتا ہے۔

میرے دل میں اس کی محبت اس وقت سے جاگزیں ہے جب مجھے محبت کا علم بھی نہیں تھا اس کی محبت نے میرے دل کو خالی پایا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ عقلمندوں کے پیش نظر یہ بات رہنی چاہیے کہ عقل اور شریعت دونوں کا تقاضہ ہے کہ انسان ایسا وہ کام کرے جس میں مصلحت ہو نہ کہ وہ جس میں کوئی مفسدہ اور خرابی ہو۔ جب کسی عاقل کے سامنے کوئی ایسا کام آئے جس میں مصلحت بھی ہو اور خرابی بھی تو اسے دو کام کرنے چاہئیں۔ علمی کام اور عملی کام۔ علمی کام تو یہ ہے کہ اسے علم ہو کہ مصلحت کو خرابی پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اور عملی کام یہ کہ جب اسے اس کا علم ہو جائے تو پھر اسے

مصلحت ہونے کو مفسدت ہونے پر ترجیح دینی چاہیے۔

عشق کے نقصانات

یہ بات تو واضح ہے کہ عشق بازی میں نہ کوئی دنیاوی مصلحت ہے اور نہ اخروی۔ بلکہ دین ودنیا دونوں کے بے شمار نقصانات ہیں۔ مثلاً

۱۔ خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کے ذکر کو چھوڑ کر مخلوق کی محبت اور اس کے ذکر میں مشغول ہونا۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں یکجا جمع نہیں ہو سکتیں یقیناً ایک غالب اور دوسری مغلوب ہوگی۔

۲۔ دلی پریشانی۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو محبوب بناتا ہے اسے ضرور اس کے ذریعے پریشانی میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ عاشق سے زیادہ دنیا میں کوئی بدبخت نہیں اگرچہ اس کی خواہشات اچھی ہی ہوں۔ تو دیکھے گا کہ وہ ہر وقت روتا رہتا ہے اگر دور ہو تو محبوب کے شوق میں روتا ہے اور اگر قریب ہو تو فراق کے ڈر سے۔ غرض فراق ہو یا وصال عاشق کی آنکھیں ہر صورت گریاں رہتی ہیں۔

عشق اگرچہ عاشق کو اچھا لگے مگر عذاب سے کم نہیں۔

۳۔ انسان کے دل پر غیر کا قبضہ ہو جاتا ہے لیکن انسان چونکہ محبوب کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے اس لئے اسے احساس نہیں ہوتا۔ اس کا دل ایک چڑیا کی مانند ہے جو کسی بچے کے ہاتھ میں ہو اور وہ بچہ اپنے کھیل کود میں مشغول ہو۔

ایک شاعر کہتا ہے

تم میرے دل کے مالک ہو۔ تم اس پر ظلم کرتے ہو تمہیں اس کا احساس بھی نہیں کیونکہ تم اپنے کھیل میں مشغول ہو۔

عاشق کی زندگی تو ایک قیدی کی سی ہے جو شخص عشق سے خالی ہے وہی آزاد زندگی گذارتا ہے۔

محبوب آنکھوں سے دور ہے لیکن عاشق پھر بھی اس کا قیدی ہے اور یہ ایسا بیمار ہے جس پر موت منڈلا رہی ہے۔

عاشق زندوں کی شکل میں ایک مردہ ہے جو قیامت سے پہلے زندہ نہیں ہوسکتا عشق کے اندھیروں میں اس کا دل گم ہو چکا ہے جو موت تک اسے دوبارہ نہیں مل سکتا۔

۴۔ عشق اسے اخروی اور دنیاوی دونوں مصروفیات سے بے کار کر دیتا ہے۔ دنیاوی اور اخروی مصروفیات عشق سے زیادہ کسی چیز سے ضائع نہیں ہوتیں۔ دینی مصالح تو اس طرح کہ عاشق ہمیشہ پراگندہ دل ہوتا ہے اور دین کے لئے دلجمعی کی ضرورت ہے۔ اور دنیاوی مصالح درحقیقت دینی مصالح کے تابع ہیں۔ جس شخص کے دینی مصالح ضائع ہوگئے اس کے دنیاوی مصالح بھی ضائع گئے۔

۵۔ عاشق دینی اور دنیاوی آفات میں بہت زیادہ مبتلا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عشق مجازی کے سبب انسان کا دل خدا تعالیٰ سے دور ہو جاتا ہے۔ جب انسان کا دل اللہ تعالیٰ سے دور ہو جاتا ہے تو اسے چاروں طرف سے آفات گھیر لیتی ہیں اور شیطان اس پر ہر طرف سے حملہ آور ہوتا ہے۔ کیونکہ اسے معلوم ہے کہ یہ دل اپنے محافظ اللہ تعالیٰ سے دور ہے۔ جو چیز اپنے محافظ سے دور ہو جائے وہ ہمیشہ خطرات میں گھری رہتی ہے۔

۶۔ جب انسان کے دل میں عشق راسخ ہو جاتا ہے تو اس کا ذہن فاسد ہو جاتا ہے اور مختلف وساوس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور کبھی تو عشق عاشق کی عقل کو

اس قدر خراب کر دیتا ہے کہ اسے مجنوں اور دیوانہ بنا دیتا ہے۔

عاشقوں کے بارے میں اتنی باتیں عام ہیں اور جا بجا اس کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے۔ انسان میں سب سے اشرف چیز عقل ہے۔ اس کے ذریعے انسان دیگر حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے اگر انسان کی عقل ہی ختم ہو جائے تو پھر تو حیوان ہی اس سے بہتر ٹھہرے۔ مجنوں کی عقل عشق نے ہی تو ضائع کی تھی۔ یہ عشق ایک ایسا مرض ہے جس سے جنون میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

لوگوں نے کہا کہ تو اپنی محبوبہ کے عشق میں مجنوں ہو گیا میں نے جواب دیا کہ عشق تو جنون سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔ عاشق عشق سے کبھی چھٹکارا نہیں پا سکتا بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس مرض میں اضافہ ہوتا ہے۔

۵۔ انسان میں عشق کے سبب دو خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ صوری اور معنوی۔ معنوی خرابی تو دل کے تابع ہوتی ہے۔ جب دل خراب ہو گیا تو آنکھ، کان اور زبان سب کچھ خراب ہو گئے۔ اسی لئے انسان کو اپنے محبوب کی بری باتیں بھی اچھی لگتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے۔

حبك الشيء يعمي ويصم۔ کسی چیز کی محبت تجھے اندھا اور بہرہ بنا دیتی ہے۔ جب انسان کے دل کی آنکھ اندھی ہو جاتی ہے تو پھر اسے محبوب کا کوئی عیب نظر نہیں آتا۔ جب کان بہرے ہو جائیں تو کوئی عیب سنائی نہیں دیتا۔ عشق ہر عیب کو چھپا دیتا ہے۔ جب عشق ختم ہوتا ہے تو پھر عیوب نظر آتے ہیں۔ شدت محبت آنکھ کا پردہ ہے ایک شاعر کہتا ہے۔

جب میں تم سے محبت کرتا تھا میری آنکھ پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ اب یہ پردہ اٹھا تو نظر آیا کہ میں کن مصیبتوں میں گرفتار تھا۔

جو شخص جس بھی چیز میں گم ہو جاتا ہے اسے اس کے عیوب دکھائی نہیں دیتے

اور جو شخص اس میں داخل ہی نہیں ہوا اسے بھی عیوب نظر نہیں آتے البتہ جو شخص داخل ہو کر باہر نکل آیا ہو اسے اس کے تمام عیوب نظر آجاتے ہیں۔ اسی لئے تو وہ صحابہ جو کفر کے بعد اسلام میں داخل ہوئے ان سے بہتر ہیں جو مسلمان پیدا ہوئے۔

صوری اور ظاہری خرابی عاشق میں یہ ہوتی ہے کہ وہ مریض اور کمزور ہو جاتا ہے۔ بھی کبھار تو نوبت موت تک جا پہنچتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے پاس عرفہ میں ایک نوجوان لایا گیا جس کی ہڈیوں پر صرف کھال ہی باقی رہ گئی تھی۔ آپؓ نے استفسار کیا کہ اسے کیا ہے؟ جواب ملا کہ عشق میں مبتلا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابن عباسؓ دن بھر استغفار کرتے رہے۔

۸۔ عشق جب عاشق کے دل میں راسخ ہوتا ہے تو اسے صرف اسی کا خیال رہتا ہے، یہی فکر اس کے ذہن پر مسلط ہوتی ہے کہ محبوب ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے دل سے جدا نہیں ہوتا۔ اس کا اثر انسانی اور حیوانی قوتوں پر بھی پڑتا ہے۔ انسان کے افعال، مقاصد اور صفات جداگانہ روش اختیار کر لیتی ہیں اور انسانی صلاحیتیں بھی زنگ آلود ہو جاتی ہیں۔

عشق ابتداءً بھی بہت بھلا اور میٹھا معلوم ہوتا ہے۔ پھر یہ غم اور دلی بیماریوں میں تبدیل ہو جاتا ہے اور آخری درجہ قتل ہے۔

ایک شاعر کہتا ہے۔

عشق نہ کرنا: کیونکہ ابتداء تو یہ میٹھا ہوتا ہے مگر درمیان میں بیماری اور آخر میں قتل بن جاتا ہے۔

عشق کے درجات

عشق کے تین درجے ہیں۔ ابتدائی درجہ، درمیانی درجہ اور انتہائی درجہ۔ اگر کوئی شخص ابھی ابتدائی درجہ پر ہو اور محبوب تک پہنچنا مشکل ہو تو اسے چاہیے کہ وہ کو

پر قابو رکھے اور آہستہ آہستہ اپنے دل سے اس خیال کو دفع کر دے۔ اگر ایسا نہ کر سکے تو یہ ابتدائی درجہ نہیں بلکہ وسطانی اور انتہائی درجہ ہے اس صورت میں اسے چاہیے کہ وہ اسے چھپائے اور کسی پر ظاہر نہ کرے۔ اگر وہ کسی کے سامنے محبوب کی برائی کرے گا تو اسے دوگنا گناہ ہوگا شرک کا اور ظلم کا۔ اس باب میں ظلم سب سے بڑا ظلم ہوتا ہے کبھی اس ظلم کے سبب معشوق کو بہت بڑے نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً یہ کہ معشوق کی عزت پر حرف آجاتا ہے کیونکہ اکثر لوگ ایسے ہیں جو ادنیٰ سے شبہ پر کسی کو برائی سے متہم کر دیتے ہیں۔ اگر کسی کے متعلق یہ کہہ دیا جائے کہ اس نے فلاں کے ساتھ زنا یا لواطت کی ہے تو ایک آدمی اسے جھوٹ سمجھے گا اور نوسو ننانوے آدمی اسے سچ سمجھیں گے۔

اگر کوئی عاشق اپنے محبوب کے بارہ میں کچھ کہے تو اسے یقینی طور پر سچ سمجھا جاتا ہے اور اگر مفعول کوئی غلط بات عاشق کی طرف منسوب کر دے تو اس کے جھوٹ سمجھے جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بالخصوص اگر عاشق و معشوق کبھی ایک جگہ دیکھ لئے جائیں تو ان کی برائی میں کسی کو شک نہیں رہتا۔ کیونکہ تمام لوگ برائی میں اپنے خیالات و وہم اور جھوٹی باتوں کو بنیاد بنا لیتے ہیں۔ اسی لئے حبیبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کو ایک ہلکے سے شبہ کے سبب حضرت صفوان بن المعطلؓ کے ساتھ متہم کر دیا گیا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کی برأت قرآن کریم میں نازل نہ فرماتے تو معاملہ بہت بگڑ جاتا۔

الغرض اظہار عشق انسان کو ظلم تک پہنچا دیتا ہے اور بہت سے لوگوں کی غلط سوچوں کی تصدیق کرتا ہے۔ پھر عشق پر کسی اور سے مدد لینا ترغیب دے کر یا ڈرا دھمکا کر اور اسے واسطہ بنانا اپنے ظلم کو متعدی اور اسے دیوث بنانا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے راشی پر جو رشوت دینے اور لینے والے کے درمیان واسطہ ہوتا

ہے اس پر لعنت فرمائی ہے تو اس دیوث کے بارے میں آپ خود فیصلہ کریں جو عاشق
اور معشوق کے درمیان واسطہ ہے۔ عاشق اور یہ دیوث دونوں مل کر اس معشوق پر ظلم
کرتے ہیں۔ کئی بار ایسا بھی ہوتا ہے کہ نوبت قتل تک پہنچ جاتی ہے۔ کتنے ہی تو سردار
اور قریبی رشتہ دار صرف اس عشق کے سبب قتل ہو جاتے ہیں؟ کتنی عورتیں اپنے
خاوندوں کو اور لونڈیاں اور غلام اپنے آقا کو اسی لئے قتل کر دیتے ہیں؟ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے ایسا کرنے والے پر لعنت فرمائی اور براءت کا اظہار فرمایا ہے کیونکہ یہ
بہت بڑا کبیرہ گناہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مردوں کو اپنے مسلمان بھائی کے پیغام نکاح پر
پیغام دینے تک اور بھاؤ پر بھاؤ لگانے تک سے منع فرمایا ہے اور جو شخص خاوند اور بیوی
کے درمیان تفریق ڈالے کیا اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہوگا؟

عاشق اور ان کے مددگار دیوث اسے گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ اگر انسان کوشش
کر کے بیوی سے زنا کرے یا لونڈی سے آقا کو جدا کر دے تو اسے دوسرے پر ظلم کرنے کا
گناہ ملے گا جو حق غیر ہے اور توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا۔ توبہ سے اگرچہ حقوق اللہ
معاف ہو جاتے ہیں مگر حقوق العباد اس سے بھی معاف نہیں ہوتے جب قیامت والے
دن وہ حقوق پورے کرائے جائیں گے۔ اگر کوئی شخص کسی کے گھر سے کچھ لے تو وہ اتنے
بیان سے بھی بڑا ہے جتنی اس کے لڑکے کو خراب کرے یا کسی شوہر کی بیوی کی
عصمت کو داغدار کر دے جس کا افسوس یقیناً اسے اتنا ہوگا کہ اگر اس کا سب اثاثہ
اور سامان لٹ جاتا تو اسے اتنا افسوس نہ ہوتا تو کیا ایسا گناہ توبہ سے معاف ہو سکتا
ہے؟ اور کیا یہ امید کی جا سکتی ہے کہ باپ یا شوہر اس کے اس گناہ کو معاف کر دیں
گے؟ یقیناً قیامت کے دن اس سے کہا جائے گا کہ اب ان کی نیکیوں سے وصول
کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

استفسار فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ہے کیا اب بھی اس کے پاس کوئی نیکی بچ سکتی ہے؟ پھر یہ شخص جس کے ساتھ برائی کی ہے اگر وہ رشتہ دار یا پڑوسی ہو تو اسے ظلم کے ساتھ ساتھ ایذاء جار و قطع رحمی کا بھی گناہ ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے قاطع رحم جنت میں داخل نہ ہوگا اور نہ وہ شخص جنت میں داخل ہوگا جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو۔

اگر عاشق وصال محبوب کے لئے جنات یا جادو وغیرہ کی مدد لیتا ہے تو وہ شرک اور ظلم کے ساتھ ساتھ حد کفر میں بھی پڑتا ہے۔

الغرض اس کام میں کسی قسم کا تعاون بھی ظلم و زیادتی میں تعاون کرنا ہے۔

عاشق کے بارہ میں تو معلوم ہو چکا کہ وہ ظلم، شرک اور کفر وغیرہ تک کی برائیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ معشوق بھی اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ظلم و تعدی پر اس کی مدد کرتا ہے بلکہ دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ معشوق عاشق کے اہل و عیال اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف اس کی مدد کرتا ہے اور عاشق معشوق کی اغراض پوری کرنے کے لئے اس کی مدد کرتا ہے۔ ظلم و تعدی کا گناہ ان کے تعاون کی وجہ سے اور بڑھ جاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عاشق معشوق کی غرض کو پورا کرنے کے لئے ناجائز امور اختیار کرتا ہے۔ کبھی چوری کرتا ہے، کبھی ڈاکے ڈالتا ہے، کبھی خیانت کرتا ہے اور کبھی جھوٹی قسموں سے اپنا مطلب پورا کرتا ہے حتیٰ کہ کبھی بے گناہ قتل تک سے دریغ نہیں کرتا اور معشوق ان تمام کاموں میں اس کی معاونت کرتا ہے۔ یہ تمام آفات عشق مجازی سے پیدا ہوتی ہیں۔ کبھی کبھی تو انسان اس کے سبب صریح کفر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بہت سے مسلمان عشق کے سبب عیسائی بن گئے۔ ایک مؤذن اذان دینے کے لئے منارہ پر چڑھا، اس نے ایک خوبصورت عورت دیکھی، اس کے عشق میں مبتلا ہوا۔ نیچے اتر کر اس کے قریب پہنچا اور اس سے شادی

کے لئے کھینچنے لگا۔ اس نے جواب دیا کہ میں عیسائی ہوں اگر آپ عیسائی بن جائیں تو میں آپ کے ساتھ شادی کر سکتی ہوں۔ یہ موذن عیسائی بن گیا۔ اسی روز کسی کام سے چھت پر چڑھا وہاں سے پاؤں پھسلا، نیچے گرا اور فوت ہو گیا۔ یہ واقعہ مولانا عبدالحق نے اپنی کتاب ”العاقبہ“ میں ذکر فرمایا ہے۔

چند عیسائیوں نے چاہا کہ ایک مسلمان قیدی کو عیسائی بنائیں۔ انہوں نے ایک خوبصورت لڑکی کو حکم دیا کہ اسے اپنی طرف مائل کرو۔ جب اس قیدی کے دل میں اس لڑکی کی محبت پیدا ہو گئی تو اسے کہا کہ ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ میں تمہاری بات ماننے کے تیار ہوں۔

﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ وَ يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ﴾ (ابراہیم ۲۷)

”اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات سے دنیا اور آخرت میں مضبوط رکھتا ہے اور ظالموں کو پھسلا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔“

عشق میں عاشق اور معشوق دونوں ظلم پر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ ظلم پر مدد کرنا بھی ظلم کرنا ہے تو یہ دونوں خود پر بھی ظلم کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر بھی۔ نیز ان کا ظلم دوسروں تک متعدی بھی ہوتا ہے جیسا کہ پیچھے گذر چکا ہے۔ اور سب سے بڑا ظلم شرک تک پہنچ جاتا ہے۔

معشوق میں اگر خوف خدا نہ ہو تو وہ عاشق کو برباد کر دیتا ہے۔ مثلاً بن سنور کر اپنی طرف مائل کرتا ہے اور ناز و ادا سے اس کا دل لبھاتا ہے اور پھر اس سے اپنے مقاصد پورے کرتا ہے۔ اس سے مال و دولت حاصل کرتا ہے اور اپنی شہوت کو بھی

تسکین پہنچاتا ہے۔ عاشق بھی کبھی اپنی شہوت رانی کے لئے معشوق کو قتل کر دیتا ہے۔ عشق کے ہاتھوں کتنے معشوق اور عاشق قتل ہوئے؟ کتنوں کی عزتیں برباد ہوئیں، کتنوں کی دولت ضائع ہوئی؟ اور کتنوں کے مراتب ختم ہوئے؟ اور کتنوں کے گھر برباد ہوئے؟ جب عورت دیکھتی ہے کہ اس کا شوہر کسی اور پر فدا ہے تو وہ بھی اپنا تعلق کسی اور سے قائم کر لیتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مرد اسے طلاق دے دیتا ہے اور یوں گھر برباد ہو جاتا ہے۔

پس عقلمند وہی ہے جو اس سے دور رہے تاکہ ان مفاسد سے حفاظت ہو سکے۔ اگر کوئی شخص اس عشق میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ اپنے ہی ہاتھوں مبتلا ہوتا ہے۔ اگر وہ بار بار معشوق کے چہرے کو نہ دیکھتا اور اس کے وصال کی خواہش نہ رکھتا تو اس کے عشق میں مبتلا نہ ہوتا۔ کیونکہ عشق کا سب سے پہلا سبب اچھا لگنا ہے خواہ دیکھ کر یا سن کر۔ پھر دیکھ کر یا سن کر اس کے ساتھ ساتھ ملاپ نہ رکھے تو عشق پیدا نہیں ہوتا۔ اگر وہ اس کے متعلق سوچتا ہی رہے اور نہ دینی خوف ہو اور نہ دنیاوی ہو تو اس کے دل میں اس کی محبت ضرور پیدا ہو جائے گی۔ دینی خوف تو یہ ہوتا ہے کہ جہنم سے ڈرے یا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا خوف رکھے، اور دنیاوی خوف یہ ہوتا ہے کہ جان کا خطرہ ہو یا مال اور مرتبے کے ختم کا خطرہ ہو یا ذلت کا ڈر ہو وغیرہ وغیرہ۔ یا پھر یہ صورت ہو کہ اس کے دل میں پہلے ہی کسی کی محبت جاگزیں ہو اور وہ اتنی پختہ اور راسخ ہو کہ اس کے سوا کسی اور کی محبت اس کے دل میں نہ سما سکتی ہو تو پھر بھی اس کا عشق اس کے دل میں پیدا نہیں ہوگا۔ اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو پھر اس کی طرف دل کا میلان ضرور ہوگا اور اس کی طرف دل ضرور کھنچے گا۔

اگر کوئی شخص کہے کہ آپ نے عشق کے مفاسد اور نقصانات کو ذکر فرمائے مگر اس کے منافع اور فوائد ذکر نہیں کئے۔ حالانکہ اس کے بے شمار فوائد ہیں۔ مثلاً

طبیعت کی بشاشت، نفس کی راحت، دل کے بوجھ کا ختم ہونا، طبیعت میں تحمل، اچھی عادتوں کا پیدا ہونا۔ شجاعت، سخاوت اور نرمی وغیرہ کا پیدا ہونا۔

بعض حضرات تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ عشق بلند مرتبہ لوگوں کے دلوں کی دوا ہے۔ اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ عشق وہی کر سکتا ہے جو ظاہراً با مروت ہو، جس کی عادات اچھی ہوں، جو صاحب زبان فاضل اور صاحب احسان کامل ہو اور جو ادبی ذوق رکھنے کے ساتھ ساتھ حسین بھی ہو۔

بعض حضرات کہتے ہیں عشق سے دل میں بہادری پیدا ہوتی ہے۔ ذہنی خباثت دور ہوتی ہے، بخیل سخی بن جاتا ہے۔ بادشاہوں میں تو تواضع پیدا ہو جاتی ہے اور انسان میں عمدہ اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں۔ عشق اس آدمی کا انیس ہے جس کا کوئی انیس نہیں اور اس آدمی کا جلیس ہے جس کا کوئی جلیس نہیں۔

بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ عشق بوجھ کو ہلکا کر دیتا ہے، روح کو لطیف بنا دیتا ہے، دل کی صفائی کر دیتا ہے اور انسان میں بلند اخلاق پیدا کر دیتا ہے۔ بعض عقلاء فرماتے ہیں، عشق نفس کے لئے مشقت ہے جو اخلاق کو اچھا بنا دیتا ہے اس کا اظہار طبعی امر ہے اور اس کا چھپانا قابل تکلیف ہے۔ ایک بار حکیم فرماتے ہیں جس شخص کے دل میں اچھی آواز اور اچھا چہرہ تلاطم نہ پیدا کرے وہ فاسد المزاج ہے جسے علاج کی ضرورت ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے

اذا انت لم تعشق ولم تدر ما الهوى   فقم واعتلف تبنا فانت حمار

اگر تو نے عشق نہیں کیا اور تجھے معلوم نہیں کہ محبت کیا ہوتی ہے؟ تو جا گھاس چر کیونکہ تو گدھا ہے۔

بعض صاحب عقل عشاق کہتے ہیں۔ ہم کو اس سے شرافت حاصل ہوئی اور عشق کر کے کامیابی ملی ہے۔

قتل کر دی گئی۔

آپؓ نے اس سے پوچھا کہ وہ آزاد ہے یا لونڈی۔ اس نے جواب دیا کہ لونڈی۔ آپؓ نے اسے خرید ااور محمد بن قاسم بن جعفر بن ابی طالبؓ کے پاس بھیج دیا۔

ایک لونڈی حضرت عثمان بن عفانؓ کے پاس آئی اور ایک انصاری پر دعویٰ کیا۔ آپؓ نے پوچھا کہ تیرا کیا قصہ ہے۔ کہنے لگی کہ میں اس کے بھتیجے کی طرف مائل ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے اس انصاری سے فرمایا۔ یا تو تو اسے اپنے بھتیجے کو ہبہ کر دے یا میں اپنے مال سے تجھے اس کی قیمت دے دیتا ہوں۔ وہ کہنے لگا اے امیر المومنین میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے یہ لونڈی اسے ہبہ کر دی۔

نیز ہم اس عشق کے بارہ میں نہیں کہتے جو برائی تک پہنچ جائے بلکہ ہم تو اس عشق کے بارہ میں کہہ رہے ہیں جو برائیوں سے بالکل پاک ہو جو خود میں مبتلا کے دین، عفت اور مروت کو ختم نہ کرے۔ یہ عشق تو سلف کرام اور ائمہ اعلام سے ثابت ہے۔ دیکھیں حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود جو مشہور سات فقہاء میں سے ایک ہیں انہوں نے عشق کیا یہاں تک کہ ان کے عشق کا خوب چرچا ہوا مگر کسی نے بھی اس پر نکیر نہیں کی بلکہ انہیں ملامت کرنے والے کو ظالم گردانا گیا ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کے بارہ مشہور ہے کہ وہ فاطمہ بنت عبد الملک کی لونڈی پر عاشق ہو گئے جو بہت زیادہ خوبصورت تھی۔ وہ لونڈی آپ کو اچھی لگتی تھی آپ اپنی بیوی سے اسے مانگتے رہتے تھیں وہ انکار کر دیتیں۔ جب آپ خلیفہ بنے تو حضرت فاطمہ نے اپنی لونڈی سے بناؤ سنگھار کرنے کو کہا۔ جب وہ بن سنور گئی تو اسے لے کر حضرت عمر بن عبد العزیز کے پاس پہنچیں اور فرمانے لگیں اے امیر المومنین آپ کو میری فلاں لونڈی بہت پسند تھی۔ آپ مجھ سے مانگتے رہے اور میں انکار کرتی رہی۔ اب میرا دل چاہتا ہے کہ میں وہ لونڈی آپ کو ہبہ کر دوں۔ جب آپ نے یہ سنا تو آپ کا چہرہ

مسرت سے کھل اٹھا۔ آپ نے فرمایا جلدی کرو۔ جب وہ لونڈی داخل ہوئی تو آپ کو پہلے سے بھی زیادہ اچھی لگی آپ نے فرمایا کہ اپنے کپڑے اتار دو۔ اس نے کپڑے اتار دیے تو آپ نے پوچھا کہ مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو اور ناصر تک کیسے پہنچیں۔ وہ کہنے لگی کہ حجاج نے ایک عامل پر کچھ مال کا جرمانہ ڈالا، میں اس کی لونڈی تھی مجھے پکڑا اور عبدالملک کے پاس بھیج دیا انہوں نے مجھے ناصر کو ہبہ کر دیا آپ نے پوچھا کہ اس عامل کا کیا بنا وہ کہنے لگی کہ فوت ہو گیا۔ آپ نے پوچھا کہ کیا کوئی اولاد چھوڑی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ جی ہاں آپ نے پوچھا وہ کس حال میں ہیں جواب ملا کہ بری حالت میں۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے کپڑے پہن لو اور اپنے گھر چلی جاؤ۔ پھر آپ نے عراق کے عامل کو خط لکھا کہ میرے پاس فلاں کو بھیج دو۔ جب وہ آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ جو کچھ جرمانہ تم سے حجاج نے لیا تھا واپس لے لو۔ اس نے جو بھی کہا آپ نے اسے دے دیا۔ پھر آپ نے حکم فرمایا کہ اسے لونڈی واپس کر دو۔ اور اسے فرمایا اس لونڈی کو خود سے دور رکھنا ہو سکتا ہے کہ تمہارے والد اس کے ساتھ مشغول ہوتے ہوں۔ وہ آدمی کہنے لگا اے امیرالمومنین یہ آپ کی ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے اس کی کچھ ضرورت نہیں۔ وہ کہنے لگا آپ مجھ سے خرید لیں۔ آپ نے فرمایا پھر یہ نفس کو خواہش سے روکنے والا نہ ہوا۔ جب وہ آدمی لونڈی کو لے جانے لگا تو اس لونڈی نے آپ سے سوال کیا اے امیرالمومنین اب آپ کی میرے متعلق کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا پہلے جیسی بلکہ کچھ زیادہ ہو گئی ہے۔ وہ لونڈی آخر تک آپ کے دل پر چھائی رہی۔ یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ امام ابوبکر محمد بن داؤد ظاہری جو فن فقہ، حدیث، تفسیر اور ادب کے امام تھے اور اکابر علماء میں سے تھے آپ کا عشق بھی مشہور ہے۔

حضرت نفطویہ فرماتے ہیں میں آپ کے مرض وفات میں حاضر خدمت ہوا

میں نے کہا کیسے مزاج ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ آپ جانتے ہیں اس کی محبت نے میرا یہ حال کر دیا جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ جب آپ کو اس پر قدرت ہے تو اس سے استمتاع کر لیں۔ آپ نے فرمایا کہ استمتاع کی دو صورتیں ہیں۔ جائز نظر اور ناجائز لذت۔ نظر مباح نے میرا یہ حال کر دیا جو آپ دیکھ رہے ہیں اور ناجائز لذت سے مجھے اس حدیث نے منع کیا ہوا ہے جو میرے والد نے مجھے سنائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص نے عشق کر کے اسے چھپایا اور وہ پاکدامن و صابر رہا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیں گے اور اسے جنت میں داخل کر دیں گے۔ پھر آپ نے یہ اشعار پڑھے۔

دیکھو اس کی آنکھ سے سحر پھوٹ رہا ہے۔ اس کی شکل آنکھوں کی سیاہی کو دیکھو۔ اس کے رخسار پر اس کے بالوں کو دیکھو گویا کہ وہ چیونٹیاں ہیں جو اجلی ذات پر رینگ رہی ہیں۔

پھر یہ اشعار بھی پڑھے۔

وہ محبوب کے رخسار پر سیاہ بالوں کو کیوں اچھا نہیں سمجھتے حالانکہ وہ ٹہنیوں پر کالے پھولوں کو پسند کرتے ہیں۔ اگر رخسار پر بال عیب ہوتے تو آنکھوں کا عیب پلکوں کے بال ہوتے۔

میں نے ان سے کہا کہ آپ فقہ میں تو قیاس کی نفی کرتے ہیں اور اشعار میں جائز قرار دیے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا محبت کے غلبہ کی وجہ سے ایسا ہوا۔ اسی رات آپ کا انتقال ہو گیا۔ آپ نے اپنے محبوب کی وجہ سے کتاب "الزہرۃ" تصنیف فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن معمر القیسی فرماتے ہیں۔ میں ایک سال حج کے لئے گیا اور ایک رات مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قبر مبارک کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔

میں قبر اور منبر کے درمیان بیٹھا ہوا تھا میں نے رونے کی آواز سنی۔ میں نے غور سے سنا تو رونے والا کہہ رہا تھا تیرے رونے نے مجھے مزید غم زدہ اور تم نے دل کو مزید افسردہ کر دیا ہے۔ جب نیند کا وقت ہوتا ہے مجھے محبوب کے فکر گھیر لیتے ہیں۔ اے رات تو اس شخص کے لئے طویل ہو جو کم خوابی کی شکایت کرتا ہے اور جو کم صبرا ہے۔ تو اس شخص کے ساتھ ملاقی سے چپٹ؟ جو محبوب کے ہجر میں انگاروں کی طرح دہک رہا ہے مجھے علم نہیں تھا کہ میں اس کے عشق میں گرفتار ہوں میں اس کے غم میں مبتلا ہو کر بھی اس سے بے خبر رہا۔

پھر آواز آنی بند ہو گئی۔ مجھے علم نہ ہو سکا کہ کہاں سے آ رہی ہے۔ تھوڑی دیر بعد پھر رونے کی آواز آئی۔ کوئی کہہ رہا تھا۔

ریا کے خیال نے مجھے اور غمگین کر دیا ہے جبکہ رات اپنے پر پھیلا کر جا رہی ہے میرے دل میں اس کا خیال اور محبت مضبوطی سے جڑ پکڑ چکے ہیں۔ میں نے ریا کو پکارا جبکہ گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے تھے۔ چاند آسمان میں ایسے چل رہا تھا جیسا کہ بادشاہ ہو اور ستارے اس کے سپاہی معلوم ہوتے تھے اے رات تو اس عاشق پر طویل ہو گئی ہے جس کے پاس صبح کی مساعدت کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ اس نے مجھے جواب دیا کہ مر جاؤ اور جان لے کہ محبت دور حاضر کا کھیل ہے۔

جب اس کے یہ اشعار مکمل ہوئے تو میں اس کے پاس گیا۔ میں نے ایک نوجوان دیکھا جس کے آنسوؤں نے اس کے دونوں رخساروں میں نشان ڈال دیا تھا۔ میں نے اسے سلام کیا اس نے مجھے بیٹھنے کا کہا اور پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ میں نے کہا عبد اللہ بن معمر القیسی وہ پوچھنے لگا کیا آپ کو کوئی کام ہے میں نے کہا میں روضہ اقدس کے پاس بیٹھا ہوا تھا آپ کی درد بھری آواز مجھے کھینچ کر آپ تک لے آئی۔ آپ کا کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا میں عتبہ بن حباب بن منذر بن جموح انصاری

ہوں۔ ایک روز صبح کے وقت میں مسجد احزاب گیا میں نے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد میں مسجد سے کچھ دور ہی پہنچا تھا کہ میں نے کچھ عورتیں دیکھیں۔ ان کے درمیان میں ایک بہت ہی خوبصورت لڑکی تھی اس نے مجھے کہا۔ اے عتبہ تو اس کے وصال کے بارہ میں کیا کہتا ہے جو تیرا وصال چاہتی ہے۔ یہ کہہ کر وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔ پھر میں نے نہ اس کی کچھ خیر سنی اور نہ ہی مجھے اس کا کچھ علم ہوا۔ میں حیران ایک جگہ سے دوسری جگہ گھومتا رہا۔ وہ تھوڑی دیر کو خاموش ہوا اور پھر یہ شعر پڑھے۔

تم دور کے شہر میں ہو میں پھر بھی تمہیں اپنے دل میں دیکھتا ہوں کیا تم مجھے میرے دور ہونے کے باوجود اپنے دل میں دیکھتے ہو؟ میرا دل اور میری آنکھیں تم پر افسوس کرتی ہیں میری روح تمہارے پاس ہے اور تمہارا ذکر میرے پاس ہے۔ میرے لئے راحت کا وجود ہی نہیں جب تک کہ میں تمہیں دیکھ نہ لوں اگرچہ میں جنت الفردوس میں پہنچ جاؤں۔

میں نے کہا اے بھتیجے توبہ کر اور گناہوں پر استغفار کر۔ میں صبح تک اس کے ساتھ رہا پھر میں نے کہا ہم مسجد احزاب چلتے ہیں۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ ہماری پریشانی دور فرمادے۔ ہم مسجد احزاب پہنچے۔ وہاں پہنچ کر اس نے یہ اشعار پڑھے۔

اے لوگو! بدھ والے دن سے کیا مجھے محرومی کے بعد کوئی خوشی حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس روز ایک ہرن اچانک مسجد احزاب کے قریب آئی اور اس نے مجھے قتل کر دیا۔

پھر ہم بیٹھ گئے یہاں تک کہ ہم نے ظہر کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد چند عورتیں آئیں ان میں وہ لڑکی نہیں تھی۔ وہ عورتیں کہنے لگیں اے عتبہ تیرا اس لڑکی کے بارہ میں کیا خیال ہے جو تیرا وصال چاہتی ہے۔ عتبہ نے پوچھا کہ اس کا کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگیں کہ اسے اس کے والد سماوہ لے گئے ہیں اس کا نام ریا بنت الغطریف

السلمی ہے۔ یہ بات کر عقبہ نے ان عورتوں کو دیکھا اور کہا۔

میں اپنی دوست ریا کو تلاش کر رہا ہوں اسے کوئی اور ساتھ وہ لے گیا ہے۔
میری دوست! میرے آنسو رو رو کر خشک ہو چکے ہیں کیا کسی کے پاس آنکھیں ہے
جنہیں میں مستعار لے لوں۔

میں نے کہا کہ میرے پاس بہت سامال ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ سارا خرچ کردوں تاکہ تمہیں تمہارا مقصد حاصل ہو جائے۔ چلو ہم مسجد الانصار چلتے ہیں۔ ہم مسجد انصار پہنچے وہاں کے سرداروں نے ہمارا استقبال کیا۔ میں نے کہا کہ عقبہ اور اس کے والد کے بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے۔ وہ کہنے لگے کہ عرب کے سرداروں میں سے ہیں۔ میں نے کہا کہ وہ کسی کی محبت میں گرفتار ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ سادہ کے سفر میں آپ ہماری مدد کریں۔ انہوں نے اسے قبول کرلیا۔ ہم اور دیگر افراد سوار ہو کر بنی سلیم تک پہنچے۔ غطریف کو ہمارے متعلق بتایا گیا۔ وہ بہت خوش ہوئے انہوں نے آ کر استقبال کیا اور ہمارے لئے دنبے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ ہمارے سامنے کھانا چن دیا گیا لیکن ہم نے نہیں کھایا۔ ہم نے کہا کہ جب تک آپ ہماری ضرورت کو پورا نہیں کریں گے ہم نہیں کھائیں گے۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ کی ضرورت کیا ہے۔ ہم نے کہا کہ ہم عقبہ بن حباب کے لئے آپ کی بیٹی کا رشتہ لینا چاہتے ہیں۔ وہ غصہ کی حالت میں اندر گھر میں داخل ہوئے۔ بیٹی نے غصہ میں دیکھ کر سوال کیا کہ ابا جان آپ غصہ کیوں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ انصار آئے ہیں تمہارا رشتہ مانگ رہے ہیں بیٹی نے کہا کہ معزز لوگ ہے عرب کے سردار ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے استغفار فرمایا ہے لیکن کس کے لئے رشتہ مانگ رہے ہیں باپ نے کہا عقبہ بن حباب کے لئے۔ بیٹی کہنے لگی کہ واللہ میں نے سنا ہے کہ عقبہ ہر وعدہ پورا کرتا ہے اور جس کا قصد کرتا ہے پالیتا ہے۔ باپ نے جواب دیا میں نے قسم اٹھائی تھی کہ تمہاری اس

کے ساتھ میری شادی نہیں کروں گا کیونکہ مجھے کسی نے خبر دی ہے کہ تم نے باتیں کی
ہیں۔ وہ لڑکی کہنے لگی کہ انصار بہت اچھے انداز میں مانتے ہیں۔ آپ بھی اچھے انداز
میں مانگیں۔ باپ نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ بیٹی نے جواب دیا کہ مہر دے دو کہہ دیں۔ باپ
کو یہ بات پسند آئی اس نے باہر آ کر ایک ہزار سونے کے مثقال، ایک سو سرخی کے
کپڑے اور عنبر کے پانچ ... انصار نے قبول کر لیا۔ فوراً ہی چند آدمیوں کو مدینہ بھیجا
گیا وہاں سے مطلوبہ سامان پہنچا دیا گیا۔ پھر ولیمہ کیا گیا ہم وہاں کافی دن ٹھہرے۔
کچھ دنوں بعد ہم نے دلہن اور اس کے سامان کو جو کہ اونٹوں پر لدا ہوا تھا اپنے ساتھ
لیا اور واپس مدینہ کوچ کیا۔ جب ہم مدینہ سے ایک منزل دور تھے تو ہم پر ڈاکوؤں کی
ایک جماعت نے حملہ کر دیا۔ عتبہ بن حباب ان کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوئے۔ آپ
نے ایک کو قتل کیا اور باقیوں کو زخمی کیا لیکن آپ کو بھی ایک نیزہ لگا اور آپ کے جسم
سے خون بہنا شروع ہو گیا۔ آپ واپس گر گئے اور جان جان آفریں کے
سپرد کر دی۔ ہم نے کہا ہائے افسوس عتبہ پر! دلہن نے یہ سن لیا۔ وہ اونٹ سے گری اور
چیخنے لگی۔ پھر اس نے یہ شعر پڑھے مجھے صبر کرنا چاہیے لیکن میں صبر نہیں کر سکتی۔ میں
چاہتی ہوں کہ میری روح آپ سے جا ملے۔ اگر میری روح انصاف سے کام لے تو
اسے جنت میں آپ سے آگے ہونا چاہیے۔ تیرے بعد دنیا میں میرا کوئی دوست نہیں
اور نہ کوئی ایسا ہے جس کے ساتھ میرا نباہ ہو سکے۔

پھر اس نے چیخ ماری اور فوت ہو گئی۔ ہم نے قبر کھودی اور دونوں کو اکٹھا دفن
کر دیا۔ پھر میں مدینہ گیا اور وہاں سات سال رہا۔ پھر میں حجاز گیا۔ جب میں
دوبارہ پھر مدینہ آیا تو میں نے ان کی قبر پر آنے کا ارادہ کیا۔ میں ان کی قبر پر پہنچا تو
میں نے وہاں ایک درخت دیکھا جس کی طرح اور زرد ٹہنیاں تھیں۔ میں نے پوچھا
کہ اس درخت کا کیا نام ہے۔ لوگوں نے بتایا شجرۃ العروسین۔ [illegible] کی اجازت نہ

ہوتی اور وہ ہوتی بڑا کام ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ حدیث کیوں ارشاد فرماتے۔
جو عشق کرے عفیف رہا اور اس نے اسے چھپایا اور مر گیا تو وہ شہید ہے۔

نیز جب خود سید الاولین والآخرین نے حضرت زینب بنت جحش کو دیکھا تو فرمایا تھا سبحان مقلب القلوب، پاک ہے وہ ذات جو دلوں کو پھیر دیتی ہے۔ حضرت زینب حضرت زید بن حارثہ کے نکاح میں تھیں۔ جب ان کا ارادہ ہوا کہ انہیں طلاق دے دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رکھو۔ جب انہیں طلاق ہو گئی تو خود اللہ تعالیٰ نے ان کے ولی بن کر سات آسمانوں پر ان کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی۔

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَاهُ (الاحزاب ۳۷)

"اور جب آپ اس شخص سے فرما رہے تھے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا کہ اپنی بی بی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے، اور خدا سے ڈر اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں سے اندیشہ کرتے تھے، اور ڈرنا تو آپ کو خدا ہی سے زیادہ مناسب ہے۔"

اسی طرح حضرت داؤد کی ننانوے بیویاں تھیں۔ اس کے باوجود آپ نے ایک اور خاتون سے محبت کر کے شادی کی اور اپنی بیویوں کی تعداد مکمل کر لی۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلی محبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہؓ میں تھی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے غلام حضرت ابو قیس فرماتے ہیں مجھے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیجا تاکہ میں ان سے پوچھ سکوں کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں بوسہ لیتے تھے یا نہیں؟ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا نہیں انہوں نے کہا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں بوسہ لیا کرتے تھے۔ حضرت ام سلمہؓ فرمانے لگیں کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کو دیکھ کر اپنی محبت پر قابو نہ رکھ سکتے ہوں مگر مجھ سے کبھی بوسہ نہیں لیا۔

حضرت سعد بن ابراہیم فرماتے ہیں حضرت ابراہیمؑ روزانہ شام سے سواری پر بیٹھ کر حضرت ہاجرہ کو دیکھنے آتے تھے کیونکہ ان کے ساتھ محبت تھی اور ان کے بغیر صبر نہیں ہوسکتا تھا۔

حضرت قرافی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک لونڈی خریدی آپؓ اس سے بہت محبت رکھتے تھے۔ ایک دن وہ خچر سے گری تو آپ اس کے چہرے سے مٹی صاف کر رہے تھے اور فرما رہے تھے [illegible]۔ جب وہ بھاگ گئی تو آپ پر ایک شدید وجد طاری ہوا اور آپ نے یہ شعر پڑھا۔

میں خود کو خوش قسمت سمجھتا تھا لیکن جب وہ بھاگ گئی تو مجھے علم ہوا کہ میں خوش قسمت نہیں ہوں۔

امام ابو محمد ابن حزم فرماتے ہیں۔ بہت سے اسلاف، شعراء اور [illegible] نے محبت کی ہے۔ ایک آدمی نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا اے امیر المومنین میں نے ایک عورت دیکھی اور میں اس کے عشق میں مبتلا ہو گیا تو آپ نے فرمایا [illegible]

نتیجہ ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق

تحقیق اس بارہ میں یہی ہے کہ جائز و حرام اور نفع و ضرر محبت میں تمیز ہونی چاہیے۔ لیکن اس کا علم ہمیں تب ہوگا جب ہمیں اس کے متعلقات معلوم ہو جائیں گے۔

محبت نافعہ

نافع ترین محبت وہ ہوتی ہے جو فطرتاً دل میں پیدا ہو۔ اسی کے سبب زمین و آسمان کا سارا نظام قائم ہے اور یہی لا الٰہ الا اللہ کا راز ہے۔ الٰہ کہتے ہی اس کو ہیں جو محبت، اجلال، تعظیم اور خضوع و تعبد کے ساتھ دلوں کو متألہ کرے اور عبادت صرف اسی کی ہوتی ہے۔ عبادت کہتے ہیں کمال محبت مع کمال خضوع و تذلل کو۔ اس عبادت میں شرک سب سے بڑا ظلم ہے جسے اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں فرماتے۔ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ایسی ہے جس سے بذاتہ محبت کی جاتی ہے۔ اس کے سوا جس سے بھی محبت کی جاتی ہے اس کے تابع ہو کر کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کے وجوب پر تمام آسمانی کتابیں، رسولوں کی دعوت، فطرت سلیمہ اور تمام نعمتیں دلالت کرتی ہیں۔ کیونکہ دل فطرتاً منعم اور محسن کی طرف کھنچتا ہے۔ پس جو ذات تمام احسانوں اور تمام نعمتوں کی مالک ہے یقیناً صرف وہی قابل محبت ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ
فَإِلَيْهِ تَجْأَرُونَ ۝ (نحل ۵۳)

"اور تمہارے پاس جو کچھ بھی نعمت ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی
طرف سے ہے۔ پھر جب تم کو تکلیف پہنچتی ہے تو اسی سے فریاد
کرتے ہو۔"

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس کے اسماء حسنیٰ اور صفات علیا کے ذریعے پہچانی جاتی ہیں۔ نیز اس کے جلال وعظمت اور اس کے کمالات سے بھی اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

محبت کے داعیے دو ہیں۔ جمال اور جلال۔ اللہ تعالیٰ جمیل ہیں جمال کو پسند فرماتے ہیں۔ بلکہ جمال سب ہی سارے کا سارا اللہ کے لئے ہے۔ اسی طرح جلال بھی سارے کا سارا اللہ کا ہے۔ پس اللہ کے سوا کوئی ذات ایسی نہیں جس کے ساتھ بذاتہٖ محبت کی جا سکے۔

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾

(آل عمران ۳۱)

"آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے"

پس اصل ولایت محبت ہے۔ اگر محبت نہ ہو تو کچھ ولایت نہیں جیسے کہ عداوت کی اصل بغض ہے۔ اللہ مومنوں کے ولی ہیں اور مومن اللہ کے۔ اللہ ان سے محبت رکھتے ہیں اور یہ اللہ سے۔ لہٰذا اللہ اپنے بندے کا اتنا ہی ولی بنے گا جتنی بندے کو اس کے ساتھ محبت ہوگی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر سخت نکیر فرمائی ہے جو اس کے علاوہ اوروں سے دوستی رکھتا ہے، بخلاف اس کے جو اس کے اولیاء سے محبت رکھتا ہے بلکہ ان سے دوستی تو اللہ کے ساتھ کمال دوستی کے ضمن میں آ ہی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر بھی نکیر فرمائی ہے جو اللہ اور غیر کی محبت کے درمیان برابری رکھتا ہے۔ ارشاد ہے

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ﴾ (بقرہ ۱۶۵)

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری جانوں کے ہم سے بہ نسبت زیادہ حق دار ہیں محبت اور اس کے لوازمات میں تو کیا اللہ تعالیٰ اپنی محبت اور عبادت میں زیادہ حقدار نہ ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ کی ہر ایک صفت اس کی محبت کی دعوت دیتی ہے۔ ان کے منع و عطاء، توفیق و ابتلاء، عدل و فضل، زندہ کرنا اور مارنا، اس کے لطف و کرم، بندے کی دعاء قبول کرنا، اس کی مشکلات کو ختم کرنا اور اس کی حاجت کو پورا کرنا یہ تمام چیزیں دل کو اس کی محبت کی طرف کھینچتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ انسان کی اچھے کاموں پر معاونت فرماتے ہیں بلکہ انسان کے گناہ دیکھ کر اس کی پردہ پوشی بھی فرماتے ہیں اور اپنی نافرمانی کے باوجود اپنی مخلوق سے محبت بھی رکھتے ہیں۔ تو کیا انسان ان تمام احسانات کا بدلہ برائی کے ساتھ دے؟ اللہ تعالیٰ نے اسے دل دیا، دولت دی، عزت دی اس کے عیوب پر پردہ پوشی کی اور انسان نے اس کا محتاج ہونے کے باوجود اس کی نافرمانی کی اس کے انعامات سے بہرہ مند ہونے کے باوجود گناہ کیے۔ کیا انسان کو اس کے احسانات دیکھ کر اس کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے؟ کیا یہ بات قابل ملامت نہیں کہ انسان اپنی ذات سے محبت نہ رکھے اور غیر سے اپنا دل جوڑے؟

پھر دنیا میں جو شخص بھی کسی سے محبت رکھتا ہے اپنی ذاتی غرض اور منفعت کے لئے لیکن اللہ تعالیٰ انسان سے انسان کے فائدہ کے لئے محبت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ہر شخص تجھ سے اپنا فائدہ چاہتا ہے۔ اور میں تجھ سے تیرا ہی فائدہ چاہتا ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ انسان پر اتنے مہربان ہیں تو اسے اللہ سے شرم کیوں نہیں آتی کہ وہ اس کی محبت کو چھوڑ کر غیر سے تعلق قائم کرتا ہے؟

یہ بات بھی ہے کہ اگر کسی شخص کو آپ سے کچھ نفع حاصل نہ ہو تو وہ آپ سے سودا نہیں کرتا۔ اور تعالیٰ اپنے بندہ سے اسی کے فائدہ کے لئے سودا کرتے ہیں کہ

ہے اور وہی مصیبت میں گھرے لوگوں کی فریادرسی کرتا ہے۔

بندہ پر اس کا یہ حق ہے کہ اسی کا ذکر و شکر کرے، اسی کی عبادت کرے اور اسی کی تعریف کرے۔ وہی سب سے بڑا مددگار، سب سے زیادہ مہربان بادشاہ، سب سے بڑا سخی، سب سے زیادہ دینے والا، جتنا ماں بچے پر شفقت کرتی ہے اس سے بھی زیادہ اپنے بندے پر مہربان اور اپنے بندے کی توبہ سے اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جتنا کہ بھوک پیاس سے پریشان آدمی جو موت کے منہ میں پہنچ جائے اور بھوک پیاس کے سبب جاں بلب ہو جائے اسے اگر کھانا پینا مل جائے۔ وہی بادشاہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں، یکتا ہے جس کا کوئی ساجھی نہیں، اس کے سوا ہر چیز ختم ہو جائے گی، اسی کے حکم سے ہر کام ہوتا ہے، اس کے علم کے بغیر کوئی گناہ نہیں ہو سکتا، اگر لوگ اس کی اطاعت کریں تو اس کی قدر کرتا ہے، اگر نافرمانی کریں تو ان کی نافرمانی کو معاف کر دیتا ہے، بہت زیادہ معاف کرنے والا ہے اگرچہ اس کا حق ہی سب سے زیادہ ضائع ہوتا ہے، وہ قریب ترین محافظ ہے، وہی عدل و انصاف کرنے والا ہے، اس سے ہر پوشیدہ بھی ظاہر اور غیب بھی مکشوف ہے۔ ہر ایک اسی کا محتاج ہے۔

چہرے اس کے نور سے روشنی حاصل کرتے ہیں، عقول اس کی حقیقت کے ادراک سے عاجز ہیں، فطرت کا یہی تقاضا ہے اور دلائل بھی یہی بتاتے ہیں کہ اس جیسا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ اس کے نور سے ظلمات ختم ہوتی ہیں، زمین و آسمان منور ہوتے ہیں اور تمام مخلوق اس سے مستفید ہوتی ہے۔ وہ ایسی ذات ہے جو کبھی نہیں سوتی۔ اسی کی طرف دن اور رات کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں

کمال لذت محبوب کامل اور کمال محبت میں ہوتی ہے

ہر انسان اس بات سے بخوبی آگاہ ہے کہ کمال لذت، فرحت اور خوشی

زندگانی میں کچھ کر لے اور ترقی کر سکتا ہے؟ پس اب تو ہم

اپنے پروردگار پر ایمان لا چکے۔ تاکہ ہمارے گناہ معاف کر دے

اور تو نے جو جادو میں ہم پر زور ڈالا اس کو بھی معاف کر دے۔"

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس لئے پیدا فرمایا ہے تاکہ وہ دائمی لذت حاصل کریں۔ دنیا کی نعمتیں تو فانی اور ختم ہو جانے والی ہیں۔ البتہ آخرت کی نعمتیں دائمی اور ہر قسم کے تکدرات سے پاک ہیں۔ وہاں انسان جو چاہے گا اسے ملے گا اور وہاں اس کا قیام عارضی نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ تک ہوگا۔ وہاں ایسی ایسی نعمتیں ہیں جو کسی کان نے سنی نہیں، کسی آنکھ نے دیکھی نہیں اور کسی کے دل میں ان کا خیال تک نہیں گذرا

﴿يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۚ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ﴾ (غافر ۳۸-۳۹)

"اے بھائیو! تم میری راہ پر چلو میں تم کو ٹھیک رستہ بتاتا ہوں۔ اے بھائیو! یہ دنیا کی زندگانی محض چند روزہ ہے۔ اور ٹھہرنے کا مقام تو آخرت ہے۔"

اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ دنیا کی نعمتیں تو ختم ہو جائیں گی آخرت کی نعمتیں ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ دنیاوی نعمتیں آخرت کی نعمتوں کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں اسی لئے یہ مقدم نعمتیں ہیں کیونکہ ان کے سبب آخرت کی سرمدی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا دیدار

آخرت کی سب سے عظیم نعمت اور لذت اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس سے قرآن کریم کا منشا ہے۔ حدیث شریف میں ہے

اللہ کی قسم انہیں کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے دیدار سے زیادہ پسند نہیں آئے گی۔

ایک اور حدیث میں ہے۔

جب جنتی اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے تو تمام نعمتیں بھول جائیں گے۔

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا بھی منقول ہے۔

میں تیرے دیدار کی لذت کا سوال کرتا ہوں اور تیری ملاقات کے شوق کا سوال کرتا ہوں۔

ایک اور حدیث میں منقول ہے۔

جب جنتی اللہ تعالیٰ سے قرآن سنیں گے تو انہیں محسوس ہوگا کہ انہوں نے کبھی قرآن سنا ہی نہیں تھا۔

اس تمام تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ دنیا کی سب سے بڑی اور نعمت لذت اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی محبت ہے۔ انسانی جسم، دل اور روح چونکہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں لہٰذا اس میں محبت بھی اللہ ہی کی ہونی چاہیے۔ اسی کی محبت ہی روح کی لذت، دلوں کی بشاشت اور دنیا کی نعمت و مسرت ہے۔ دنیا سے تو انسان مزید پریشانیوں اور مصیبتوں میں گرفتار ہوتا ہے۔ پاکیزہ زندگی وہی ہے جو محبت خداوندی سے سرشار ہو۔

بعض عشاق تو کہتے ہیں کہ اگر جنتی ہمارے جیسی حالتوں میں ہوئے تو یقیناً ان کو اچھی زندگی حاصل ہوگی۔ یہ بھی گزر چکا ہے کہ بعض عشاق کہتے ہیں کہ اگر بادشاہوں کو علم ہو جائے کہ ہمارے پاس کیا نعمت ہے تو وہ تلواریں لے کر ہمارے ساتھ لڑائی شروع کر دیں گے۔

جب دنیوی محبت جہاں سے ملے عذاب سے کم نہیں کے بارہ میں کہا جاتا ہے۔

۳۔ وہ لذت جو آخرت کی لذات سے محروم کر کے غموں اور پریشانیوں میں مبتلا کر دے۔ یہ ان لوگوں کی لذت ہے جو اللہ کے سوا اوروں سے اتنی محبت رکھتے ہیں جتنی اللہ تعالیٰ سے رکھنی چاہیے۔ ان لوگوں کی جب آخرت میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگی تو یہ کہیں گے۔

﴿رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِيْ أَجَّلْتَ لَنَا ۚ قَالَ النَّارُ مَثْوٰكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ (انعام ۱۲۸-۱۲۹)

''اے ہمارے پروردگار ہم میں ایک نے دوسرے سے فائدہ حاصل کیا تھا اور ہم اپنی اس معین میعاد تک آپہنچے جو آپ نے ہمارے لئے معین فرمائی۔ اللہ تعالیٰ فرما دیں گے کہ تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہو گے۔ ہاں اگر خدا ہی کو منظور ہو تو دوسری بات ہے۔ بیشک آپ کا رب بڑی حکمت والا اور بڑا علم والا ہے اور اسی طرح بعض کفار کو بعض سے قریب رکھیں گے ان کے اعمال کے سبب۔''

نیز یہ لذت ان لوگوں کیلئے ہے جو زمین پر فساد پھیلاتے ہیں اور برائیوں اور ظلم میں مبتلا رہتے ہیں۔

یہ لذتیں درحقیقت انسان کو مصائب اور ہلاکت کی طرف لے جاتی ہیں۔ جیسے کہ اگر کسی شخص کو زہر آلود عمدہ کھانا پیش کیا جائے۔ وہ اگرچہ بہت اچھا ہو لیکن اس کا انجام ہلاکت اور بربادی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ﴾ (اعراف ۱۸۲۔۱۸۳)

''ہم ان کو بتدریج لئے جا رہے ہیں اس طور پر کہ اُن کو خبر بھی نہیں اور ان کو مہلت دیتا ہوں بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔''

بعض سلف نے اس کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ وہ جب بھی کوئی گناہ کرتے ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ ایک مہلت پیدا فرما دیتے ہیں۔

﴿حَتَّى إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ ○ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (انعام: ۴۴۔۴۵)

''یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کو ملی تھیں وہ خوب اترا گئے ہم نے ان کو دفعۃً پکڑ لیا پھر تو وہ بالکل حیرت زدہ رہ گئے۔ پھر ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی۔ اور اللہ کا شکر ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔''

اس لذت میں مخمور لوگوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

﴿أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهِ مِنْ مَالٍ وَبَنِينَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ (مومنون ۵۵۔۵۶)

''کیا یہ لوگ یوں گمان کر رہے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال و اولاد دیتے چلے جاتے ہیں۔ تو ہم ان کو جلدی جلدی فائدے پہنچا رہے ہیں۔ بلکہ یہ لوگ نہیں جانتے۔''

﴿فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ (توبہ: ۵۵)

"سو ان کے اموال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں، اللہ کو صرف یہ منظور ہے ان چیزوں کی وجہ سے دنیوی زندگی میں ان کو گرفتار عذاب رکھے اور ان کی جان کفر ہی کی حالت میں نکل جائے۔"

یہ لذت آخرت میں بہت بڑی پریشانی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے جو چیزیں دنیا میں بہت میٹھی محسوس ہوتی تھیں وہی آخرت میں عذاب بن جاتی ہیں۔

۳۔ وہ لذت جس کے بعد نہ تو پشیمانی اور پریشانی ہوتی ہے اور نہ ہی لذت۔ وہ اخروی لذات کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اس لذت میں مشغولیت مباح ہے لیکن انسان کو چاہئے کہ اس سے بہتر لذت یعنی اخروی لذات کے حصول کی فکر کرے۔

اسی لذت کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

انسان جو کھیل بھی کھیلتا ہے سب باطل ہے سوائے اس کے کہ کمان کے ساتھ کھیلے یا گھوڑے کو سدھارے یا بیوی کے ساتھ دل لگی کرے کہ یہ اس کا حق ہے۔

جو چیز بھی لذت مطلوبہ کے لئے مددگار ہوگی وہ حق ہے اور جو مددگار نہ ہوگی وہ باطل ہے۔

محبت غیر مذمومہ

یہ محبت الہٰی ہے جو قابل مذمت نہیں بلکہ قابل ستائش ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت۔ اور محبت سے مراد وہ خاص محبت ہے جو دل کو ہر وقت محبوب کے ذکر اور فکر سے آباد رکھے ورنہ تو ہر مسلمان کے دل میں اللہ اور اس کے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس محبت کے بغیر تو اسلام میں داخلہ بھی ممکن نہیں۔ البتہ لوگوں کے درجات اس محبت میں مختلف ہیں۔ یہی محبت تکالیف کو دور کر کے انسان کے بوجھ کو ہلکا کرتی ہے۔ یہی محبت بخیل کو سخی، بزدل کو بہادر اور کند ذہن کو ذہین، بناتی ہے۔ زندگی کی اصل پاکیزگی اسی محبت سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی محبت سے چہرے پر نور آتا ہے اور انسان کو شرح صدر حاصل ہوتا ہے۔ یہی محبت دل کی حیات کا باعث ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کلام سے محبت اسی محبت کی علامت ہے۔ اگر کوئی اللہ کے ساتھ اپنی محبت معلوم کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے دل میں قرآن کی محبت دیکھے۔ یقیناً قرآن سننے کی لذت گانے سننے کی لذت سے زیادہ ہے۔ یہ واضح بات ہے کہ جب انسان کو کسی سے محبت ہوتی ہے تو اس کا کلام بھی اسے محبوب ہوتا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

اگر تو میری محبت کا گمان رکھتا ہے تو تو نے میری کتاب کیوں چھوڑ دی؟ کیا تو نے غور نہیں کیا کہ میں نے کتنے میٹھے انداز میں تجھ سے خطاب کیا ہے۔

حضرت عثمان بن عفانؓ فرماتے ہیں۔

اگر ہمارے دل پاک صاف ہوں تو کبھی بھی کلام اللہ سے سیر نہ ہوں۔ انسان اپنے محبوب کے کلام سے کیسے سیر ہوسکتا ہے حالانکہ یہی اس کا مطلوب ومقصود ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا مجھے قرآن سناؤ! انہوں نے عرض کیا میں قرآن سناؤں؟ حالانکہ آپ پر تو یہ نازل ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دوسرے سے سننا پسند کرتا ہوں۔ انہوں نے سورۃ نساء پڑھنا شروع کی جب اس آیت تک پہنچے۔

﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى

﴿هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ (النساء ۴۱)

"سو اس وقت بھی کیا حال ہوگا جب کہ ہم ہر ہر امت میں سے ایک ایک گواہ کو حاضر کریں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہی دینے کے لئے حاضر لائیں گے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کافی ہے۔ انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

صحابہؓ جب اکٹھے ہوتے اور ان میں حضرت ابوموسیٰؓ بھی ہوتے تو صحابہؓ انہیں فرماتے اے ابوموسیٰؓ ہمیں ہمارا رب یاد دلائیں۔ وہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور دیگر صحابہؓ سنتے تھے۔ گانے سننے والوں کو جتنی حلاوت، لذت اور سرور نصیب ہوتا ہے قرآن کی تلاوت سننے والوں کو یقیناً اس سے زیادہ مزہ آتا ہے۔ ایک مقولہ ہے

تجھ پر پورا قرآن کریم تلاوت کیا جاتا ہے لیکن تو پتھر کی طرح جامد ہی رہتا ہے۔ اس کا تجھ پر کچھ اثر نہیں ہوتا اور اگر ایک شعر سنا دیا جائے تو تو نشہ کرنے والوں کی طرح جھومتا ہے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تیرا دل اللہ اور اس کے کلام کی محبت سے خالی اور شیطانی سماع کی محبت سے لبریز ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں بے شمار فوائد ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر کوئی محبت بھی نافع نہیں ہو سکتی۔

بیویوں سے محبت

بیویوں سے محبت بھی قابل ملامت نہیں بلکہ یہ کمال کا ایک حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس محبت کو بطور احسان ذکر فرماتے ہیں۔

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا

لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ (الروم ۲۱)

''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔ اس میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے عورت کو مرد کے لئے باعث تسکین بنایا ہے اور ان کے درمیان خالص محبت رکھ دی ہے جس کے ساتھ رحمت بھی ملی ہوئی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے محرم اور غیر محرموں کا تذکرہ کرنے کے بعد ارشاد فرمایا۔

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ. وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا. يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا﴾ (نساء۲۶۔۲۸)

''اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم سے بیان کرے اور تم سے پہلے لوگوں کے احوال تم کو بتلا دے۔ اور تم پر توجہ فرمادے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں، بڑی حکمت والے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے حال پر توجہ فرمانا منظور ہے۔ اور جو لوگ شہوت پرست ہیں وہ یوں چاہتے ہیں کہ تم بڑی بھاری کجی میں پڑ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ تخفیف منظور ہے اور آدمی کمزور پیدا کیا گیا ہے۔''

حضرت سفیان ثوریؒ اس آیت کی تفسیر میں حضرت طاؤسؒ سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک عورت کو دیکھا اور صبر نہ کر سکے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا تو گھر حضرت زینبؓ کے پاس تشریف لائے اور حاجت پوری کی اور فرمایا عورت شیطان کی صورت میں آتی اور جاتی ہے اگر تم میں سے کوئی کسی عورت کو دیکھے جو اسے اچھی لگے تو اپنی بیوی کے پاس آجائے کیونکہ اس سے اس کی حاجت پوری ہو جائے گی۔

اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں

۱۔ اس حدیث میں یہ تسلی موجود ہے کہ اسی جنس سے مطلوب حاصل کیا جا سکتا ہے جیسے کھانا کھانے کا اور کپڑا کپڑے کا بدل بن سکتا ہے۔

۲۔ اگر کوئی عورت اچھی لگے تو اس مرض کی نافع ترین دوا اپنی بیوی سے حاجت پوری کرنا ہے کیونکہ اس سے شہوت ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مرد اور عورت آپس میں محبت رکھتے ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دوا یہ تجویز فرمائی کہ ان دونوں کا نکاح کر دو۔ کیونکہ عشق کی دوا یہی ہے کہ انسان اپنی محبوبہ سے شادی کر لے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کیا تھا اور اللہ کا نبی حرام کام کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ انہیں ایک عورت کے ساتھ محبت ہوئی تو اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔ پھر اپنی شان کے مطابق توبہ فرمائی۔ اس بارہ میں ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ حضرت زینب بنت جحشؓ کا قصہ بھی مشہور ہے کہ جب حضرت زید نے انہیں طلاق دینے کا پختہ ارادہ فرما لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ طلاق نہ دو بلکہ اپنے پاس ہی رکھو۔ جب حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے دیکھا کہ ان کی جدائی ناگزیر ہے تو اجازت مرحمت فرمادی۔ آپ یہ چاہتے تھے کہ حضرت زیدؓ سے جدائی کے بعد حضرت زینب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہو جائے۔ لیکن آپ لوگوں کی اس بات سے ڈرتے تھے کہ دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بہو سے نکاح کرلیا کیونکہ حضرت زیدؓ نبوت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنیٰ تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مصالح عباد کے سبب اسے مشروع فرمادیا۔ جب حضرت زیدؓ نے طلاق دے دی اور عدت مکمل ہوگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو پیغام نکاح دے کر بھیجا۔ حضرت زیدؓ تشریف لائے اور دروازے سے پیٹھ لگا کر پوچھنے لگے۔ اے زینب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے پیغام نکاح بھیجا ہے۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ میں کچھ نہیں کہتی جب تک کہ میں اپنے رب سے مشورہ نہ کرلوں ۔ یہ کہہ کر آپ اٹھیں اور نماز پڑھنا شروع کردی۔ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے لئے ان کے خود ولی بنے اور اپنے عرش پر خود نکاح کیا اور یہ وحی نازل فرمائی۔

﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا﴾ (احزاب: ۳۷)

”پھر جب زید کا اس سے جی بھر گیا ہم نے آپ سے اس سے اس کا نکاح کردیا۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت اٹھے اور ان کے گھر تشریف لے آئے۔ حضرت زینبؓ دیگر امہات المومنین پر فخر فرمایا کرتی تھیں کہ تمہارا تمہارے گھر والوں نے کیا ہے اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اوپر کیا ہے۔

بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بیویوں سے محبت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مجھے تمہاری دنیا کی دو چیزیں پسند ہیں۔ عورت اور خوشبو اور

میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔ حدیث کے الفاظ یہی ہیں مگر جو روایت کیے
جاتے ہیں کہ مجھے تمہاری دنیا کی تین چیزیں پسند ہیں۔

حضرت امام احمد نے کتاب الزہد میں یہ اضافہ بھی نقل فرمایا ہے۔ میں
کھانے اور پینے سے تو صبر کر سکتا ہوں۔ ان سے صبر نہیں کر سکتا۔ دشمن خدا یہودیوں
نے اس پر حسد کی اور کہنے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو بس نکاح ہی چاہتے تھے۔
اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا

﴿أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۖ
فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا
عَظِيمًا﴾ (النساء: ۵۴)

"یا دوسرے آدمی ان چیزوں پر جلتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو
اپنے فضل سے عطا فرمائی ہیں سو ہم نے حضرت ابراہیم علیہ
السلام کے خاندان کو کتاب اور حکمت بھی دی ہے اور ہم نے ان
کو بڑی بھاری سلطنت بھی دی ہے۔"

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے ہاں دنیا کی حسین ترین عورت حضرت سارہ
تھیں لیکن آپ نے حضرت ہاجرہ سے محبت فرمائی اور ان سے نکاح فرمایا۔

حضرت داؤد کے پاس ننانوے بیویاں تھیں۔ انہوں نے مزید ایک عورت
سے محبت کی اور اس کے ساتھ شادی کر کے بیویوں کی تعداد سو تک پہنچائی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے
زیادہ کون محبوب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہؓ۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کے بارہ میں ارشاد فرمایا مجھے
اس کی محبت عطا کی گئی۔

پس عورتوں سے محبت کمال انسانی کا حصہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ اس امت میں اکثر عورتیں ہوں گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار محبوبہ سے سفارش کی تھی کہ وہ اپنے عاشق سے نکاح کرلیں۔ حضرت مغیثؓ کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ حضرت بریرہؓ کے پیچھے چل رہے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہؓ سے فرمایا اگر تم اس سے نکاح کرلو۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ فرما رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا نہیں میں تو مشورہ دے رہا ہوں۔ تو وہ کہنے لگیں مجھے نکاح کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے فرمایا کیا آپ کو تعجب نہیں ہوتا کہ مغیثؓ بریرہؓ سے کتنی محبت رکھتے ہیں اور وہ کتنی نفرت کرتی ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی محبت پر نکیر نہیں فرمائی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کی باری میں برابری فرمایا کرتے تھے اور ارشاد فرماتے: اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے اس چیز میں جس کا میں مالک ہوں۔

پس مجھے غیر اختیاری چیز پر ملامت نہ فرمانا۔ یعنی محبت میں۔ ارشاد باری ہے۔

﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ﴾

(النساء: ۱۲۹)

"اور تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیبیوں میں برابری رکھو۔ گو تمہارا کتنا ہی جی چاہے۔"

یعنی محبت اور جماع میں۔ خلفاء راشدینؓ بھی سفارش فرمایا کرتے تھے کہ عاشق کو اس کا جائز محبوب مل جائے۔ جیسے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کا قصہ گذر چکا ہے۔ اسی طرح حضرت علیؓ کا واقعہ ہے کہ ان کے پاس ایک عربی لڑکا لایا گیا جو

ل مسند احمد، حاکم، بیہقی بحوالہ مجمع۔ علامہ البانی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

بات کو کسی کے گھر میں پکڑا گیا تھا۔ حضرت علیؓ نے اس سے قصہ معلوم کیا تو وہ کہنے لگا میں چور نہیں ہوں۔ لیکن اس گھر میں داخل ضرور ہوا جس کے حسین منظر سے چاند بھی شرماتا ہے۔ جس میں مرتبے والی حسین روپ لڑکیاں ہیں کہ جن پر حسن بھی فخر کرتا ہے۔ میں اس گھر کی دیوار پر چڑھا جس کے شوق کی آگ میرے دل میں لگی ہوئی ہے۔ گھر والے جلدی جلدی آئے انہوں نے مجھے پکڑا اور شور ڈال دیا کہ یہ چور ہے اسے قید کر دو یا قتل کر دو۔ حضرت علیؓ اس کے یہ اشعار سن کر نرم دل ہوئے اور مہلب بن رباح سے کہنے لگے اسے وہ لڑکی اسے دو۔ انہوں نے کہا اے امیر المومنین پوچھیں تو یہ کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہاس بن عیینہ۔ حضرت مہلب فرمانے لگے وہ لڑکی لے لو آج سے وہ تمہاری ہے۔

حضرت معاویہؓ نے ایک لونڈی خریدی جو آپ کو بہت اچھی لگتی تھی۔ ایک روز آپ نے دیکھا کہ وہ یہ شعر پڑھ رہی تھی

اس سے جدا ہونے کے بعد میری وہ حالت ہوگئی ہے جو سخت گرمی میں درخت کی شاخ کی ہوتی ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ نے اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ میں اپنے آقا سے محبت رکھتی ہوں۔ یہ سن کر آپؓ نے وہ لونڈی واپس کر دی لیکن اپنے دل سے اس کی یاد محو نہ کر سکے۔

امام زمخشری فرماتے ہیں کہ حضرت زبیدہ نے ایک بار مکہ کے راستہ میں ایک دیوار پر لکھا دیکھا

کیا اللہ کے بندوں یا بندیوں میں کوئی ایسا نہیں ہے جو اس آدمی پر رحم کرے جس کی عقل ختم ہو رہی ہے، جس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جگہ خون نکل رہا ہے اور جس کے دل میں عشق کی آگ بھڑک رہی ہے۔ یہ اشعار پڑھ کر ان کے دل

میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس آدمی کی مدد کرنی چاہیے ۔ تاکہ اسے اس کی محبوبہ مل جائے ۔ ایک روز آپ مزدلفہ میں جارہی تھیں کہ آپ نے پھر یہی اشعار سنے جنہیں ایک شخص پڑھ رہا تھا۔ آپ نے اسے بلا کر حقیقت حال دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ میں چچا کی لڑکی سے محبت کرتا ہوں لیکن اس کے گھر والے میرے ساتھ اس کی شادی نہیں کرنا چاہتے۔ آپ نے اس کی مدد کی اور اس کے لئے اپنا بہت سا مال خرچ کیا حتیٰ کہ ان دونوں کی شادی ہوگئی۔ آپ فرماتی تھیں۔ مجھے اس سے زیادہ کسی چیز کی خوشی نہیں کہ میری وجہ سے ان دونوں کی شادی ہوگئی۔

امام خرائطی فرماتے ہیں کہ سلیمان بن عبدالملک کا ایک غلام اور ایک باندی تھی۔ وہ دونوں آپس میں محبت رکھتے تھے۔ ایک روز غلام نے باندی کو یہ اشعار لکھے۔

میں نے تمہیں خواب میں دیکھا کہ تم نے مجھے اپنا مبارک لعاب دیا۔ تیرا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا اور ہم نے ایک ہی بستر پر رات گذاری۔ میں تمام دن اس لئے سونے کی کوشش کرتا رہا کہ تمہیں خواب میں دیکھ لوں لیکن مجھے نیند نہیں آئی۔

لونڈی نے اس کے جواب میں یہ اشعار لکھے۔

تو نے جو کچھ دیکھا صحیح دیکھا۔ حاسدوں کی توقعات کے بخلاف میں تجھے ضرور مل جاؤں گی مجھے امید ہے کہ تو میرے ساتھ ہوگا اور میرے سینے پر تو رات گذارے گا۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ تو میری بانہوں میں اور میرے جسم پر ہوگا۔

سلیمان کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے ان دونوں کا آپس میں نکاح کر دیا۔

حضرت جامع بن بسر حیہ فرماتے ہیں کہ میں نے مفتی مدینہ منورہ حضرت سعید بن المسیب سے پوچھا کہ کیا محبت کا گناہ ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ گناہ اختیاری کام کا ہوتا ہے۔ واللہ مجھ سے یہ سوال کبھی کسی نے نہیں کیا اگر کوئی بھی مجھ سے پوچھتا تو میں یہی جواب دیتا۔

عورتوں کے عشق کی قسمیں

عورتوں کے عشق کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ اپنی بیوی یا لونڈی کے ساتھ عشق کرنا۔ یہ عشق نافع ہے جو اس مقصد کو پورا کرتا ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے نکاح مشروع فرمایا ہے۔ اسی کے سبب انسان کی نگاہ غیر کی طرف نہیں اٹھتی اور نہ ہی دل میں غیر کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے اس عاشق کی تعریف اللہ کے ہاں بھی ہوتی ہے اور لوگوں کے ہاں بھی۔

۲۔ وہ عشق جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کردے۔ اس سے زیادہ انسان کو دینی یا دنیوی نقصان پہنچانے والی کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ عشق وہ ہے جو انسان کو خوبصورت لڑکوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جو شخص اس میں مبتلا ہوتا ہے وہ اللہ کی نظر سے گر جاتا ہے۔ اس سے دل اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے یہ محبت ایسا پردہ ہے جو اللہ اور بندے کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔

بعض سلف کا قول ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی نظر سے گرانا چاہتے ہیں تو اسے لڑکوں کے عشق میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اسی عشق کے سبب قوم لوط کے ساتھ جو کچھ ہوا سبھی کے سامنے ہے۔ ارشاد باری ہے

﴿لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾ (الحجر: ۷۲)

"آپ کی جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔"

اس مرض کی دواء یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑائے اور اسی سے التجاء کرے۔ اسی کی یاد میں مگن رہے۔ اسی کی محبت اور اسی کے قرب کی تمنا رکھے۔ اور اس مصیبت کو مدنظر رکھے جو اس کی پاداش میں بھگتنی پڑے گی۔ اگر انسان

پھر بھی اللہ پر ڈالوں کو ترجیح دے تو اب کا جنازہ نکل چکا ہے اسے سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ضرور کسی نہ کسی مصیبت میں گرفتار ہوگا۔

۳۔ عشق مباح: یہ وہ عشق ہے جس میں انسان بغیر ارادہ کے مبتلا ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ اگر کسی حسین عورت کی تعریف کسی مرد کے سامنے کی جائے یا مثلاً کسی حسین لڑکی پر اچانک نظر پڑ جائے اور اس کے دل میں اس کی محبت پیوست ہو جائے۔ یہ عشق گناہ نہیں ہے لیکن انسان کو چاہیے کہ نافع عشق کا خواہاں ہو۔ اس عشق کو چھپائے اور صبر سے کام لے۔ ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ اس کے صبر کا پھل اسے ضرور عطا فرمائیں گے اور اپنی خوشنودی سے ہمکنار فرمائیں گے۔

عشق میں مبتلا لوگوں کی اقسام

عشق میں مبتلا لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔ بعض لوگ تو وہ ہیں جو مطلق خوبصورتی کو پسند کرتے ہیں، ہر وادی میں گھومتے ہیں اور ہر ایک پر فریفتہ ہوتے ہیں۔ بعض وہ ہوتے ہیں جو محض خوبصورتی کو پسند کرتے ہیں خواہ وصال کے خواہاں ہوں یا نہ ہوں۔ بعض وہ ہیں جو صرف اس کے ساتھ محبت رکھتے ہیں جس کے وصال کے خواہاں ہوں۔

ان تینوں قسموں میں قوت وضعف کے اعتبار سے فرق ہے۔ مطلق خوبصورتی کے پرستار تو ہر جگہ منہ مارتے ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے

کبھی حزوی میں ہوتا ہوں کبھی عقیق میں، کبھی عذیب میں ہوتا ہوں اور کبھی خلیصاء میں۔

یہ عشق بہت وقتی ہوتا ہے لیکن بہت جلد تبدیل ہو جاتا ہے۔ بقول شاعر۔

میرا دل اب اس پر عاشق ہے اور اب کسی اور پر، کل صبح کے وقت ہر ایک سے جدا

ہو جاتا ہوں۔

مخصوص جمال پر عاشق اپنے عشق میں زیادہ ثابت قدم ہوتے ہیں ان کی محبت پہلی قسم کے لوگوں سے زیادہ پائیدار ہوتی ہے۔ لیکن وصال کی عدم دلچسپی ان کی محبت کو کمزور کر دیتی ہے۔

وہ عشاق جو اپنے محبوب کے وصال کی طمع رکھتے ہیں ان کی محبت سب سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وصال کی طمع اس محبت کو قوی کرتی رہتی ہے۔

حدیث من عشق فعفف کی تحقیق

اس حدیث کو سوید بن سعید نے ذکر فرمایا ہے لیکن حفاظ اسلام نے اس پر نکیر وارد کی ہے۔ حضرت ابن عدی اپنی کتاب کامل میں فرماتے ہیں

یہ ان احادیث میں سے ہے جن میں سوید پر نکیر کی گئی ہے۔

امام بیہقی نے اور ابن طاہر نے ذخیرہ اور تذکرہ میں اسی طرح بیان فرمایا ہے۔ علامہ ابن جوزی نے بھی اسے موضوع بیان فرمایا ہے اور ابو عبداللہ الحاکم نے فرمایا کہ مجھے اس پر تعجب ہے۔ میں کہتا ہوں صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے۔ سوید نے اسے مرفوع بیان کر کے غلطی کی ہے۔

محمد بن خلف بن المرزبان فرماتے ہیں کہ ہمیں ابوبکر ازرق نے بیان فرمایا ہے کہ سوید کو اس کے مرفوع نہ ہونے کے بارہ میں کہا گیا اس کے بعد سے انہوں نے اس حدیث کو مرفوع بیان کرنا ختم کر دیا تھا۔ ویسے بھی یہ حدیث کلام نبوت کے مشابہ نہیں ہے۔

باقی رہی وہ روایت جو خطیب صاحب نے امام زہری سے روایت کی ہے اس میں ہے

عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة یہ بالکل غلط ہے۔ جس کو

فن حدیث سے کچھ مناسبت ہے وہ اسے صحیح نہیں سمجھ سکتے۔ ہم جو اسے جھوٹی کہتے ہیں کہ تو
یہ روایت حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہے نہ تو ان سے عروہ نے
کی ہے اور نہ ہی ہشام نے حضرت عروہ سے کی ہے۔

اور [illegible] والی روایت کی بھی تکذیب کی گئی ہے کہ یہ موضوع ہے۔ اس
متن میں ایسی سند کیسے آسکتی ہے؟

امام ابن جوزی نے بیان فرمایا ہے کہ عن محمد بن جعفر حدثنا یعقوب الخ یہ
بالکل غلط ہے کیونکہ محمد بن جعفر خرائطی کی وفات ۳۲۷ھ کی ہے۔ یہ محال ہے کہ انہوں
نے شیخ یعقوب کا زمانہ پایا ہو۔ نیز خرائطی روایت کرنے میں ضعیف سمجھے جاتے
ہیں۔ علامہ جوزی نے انہیں کتاب الضعفاء میں شمار کیا ہے۔

الغرض اس حدیث کے بارہ میں حفاظ اسلام کی بات تو یہی واضح ہے کہ کسی
نے بھی اسے راجح قرار نہیں دیا۔ البتہ حضرت ابن عباسؓ سے اس کی نکیر ثابت نہیں۔

امام ابو محمد بن حزم فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے شہید محبت کے بارہ
میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا شہید محبت کی نہ کوئی دیت ہے اور نہ قصاص۔

میدان عرفات میں آپ کے پاس ایک کمزور نوجوان لایا گیا۔ آپ نے
پوچھا اسے کیا ہوا؟ جواب ملا عشق۔ آپ اس روز سے عشق سے پناہ مانگتے تھے۔ یہ
واقعہ پیچھے گزر چکا ہے۔ درج ذیل حدیث سے بھی ثابت ہورہا ہے کہ قتیل محبت شہید
نہیں ہے کیونکہ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے شہداء بیان
فرمائے لیکن قتیل محبت کو بیان نہیں فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید وہ ہے جو میدان جنگ میں مارا
جائے، پیٹ کے درد میں مبتلا ہو کر مرے، جل کر مرے، عورت بچہ کی پیدائش کے
وقت مرجائے غرق ہو کر مرجائے   آپ نے عاشق کا ذکر نہیں فرمایا۔

البتہ حضرت ابن عباسؓ کا یہ اثر اس قتیل محبت کے بارہ میں ہوسکتا ہے جو

صبر کرے محبوب پر قدرت کے باوجود عفیف رہے اور اپنی محبت کو اللہ کے لئے چھپائے۔ اور اللہ کی محبت اور اس کی رضا اور خوف کو ہر چیز پر مقدم رکھے، پھر وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت داخل ہو جائے گا۔

﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى۔
فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی﴾ (النازعات ۴۰-۴۱)

"اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور
نفس کو خواہش سے روکا ہوگا سو جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا۔"

اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مصداق بن جائے گا۔

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ﴾ (الرحمٰن ۴۶)

"اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہتا
ہو اس کے لئے دو باغ ہوں گے۔"

ہم عظیم اللہ سے سوال کرتے ہیں جو عرش کریم کے رب ہیں کہ ہمیں ایسا بنا دے کہ ہم اس کی محبت کو اپنی خواہشات پر ترجیح دیں۔ اے اللہ ہمیں اپنی محبت کے سبب اپنا قرب اور رضا عطاء فرما۔ آمین ثم آمین۔

وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد
وعلى آله وأصحابه وأتباعه أجمعين
اللهم ارزقنا حبك وحب
من يحبك واجعل حبك
احب الينا من كل شيء برحمتك
يا ارحم الراحمين

آمین ثم آمین

مظلوم صحابہؓ کی داستانیں

یعنی

مصائب الصحابہؓ

ظالم و جابر کفار و مشرکین کی طرف سے صحابہ کرامؓ
پر ہونے والے ظلم و ستم کی لرزہ خیز داستانیں

مؤلف
مفتی ابوالحسن بخاری

بیت العلوم
۲۰۔ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور

ترجمہ تعطیر الانام فی تعبیر المنام

خوابوں کی تعبیر کا انسائیکلوپیڈیا

انسانی زندگی میں روزمرہ پیش آنے والے بے شمار خوابوں کی بے بہا
تعبیرات پر مبنی سب سے مفصل، مستند اور جامع ترین کتاب
تعطیر الانام فی تعبیر المنام کا انتہائی مفید اور سلیس ترجمہ

مؤلف

علامہ عبدالغنی نابلسی

ترجمہ و تحقیق

مولانا خالد محمود صاحب

متخصص جامعہ [illegible]

بیت العلوم

۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور [illegible]